کثیر مذہبی سماج میں مذہبی تناظرات: اردو گیت میں مسیحی تصورات کا تقابلی مطالعہ

(منتخب شعرا کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم-فل (اردو)

مقالہ نگار:

حنیہ رفیق

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

مئی ۲۰۲۲ء

کثیر مذہبی سماج میں مذہبی تناظرات: اردو گیت میں مسیحی تصورات کا تقابلی مطالعہ

(منتخب شعرا کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم-فل (اردو)

مقالہ نگار:

حنیہ رفیق

یہ مقالہ

ایم فل اُردو

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگوئجز

(اُردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

مئی ۲۰۲۲ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگو ئجز کو اس مقالے کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: کثیر مذہبی سماج میں مذہبی تناظرات: اردو گیت میں مسیحی تصورات کا تقابلی مطالعہ (منتخب شعرا کے حوالے سے)

پیش کار: حنیہ رفیق

رجسٹریشن نمبر: 1581/M/U/F18

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: (اردو زبان و ادب)

ڈاکٹر نعیم مظہر

_____

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی

_____

ڈین فیکلٹی آف لینگو ئجز

بریگیڈئر سید نادر علی

_____

ڈائریکٹر جنرل

تاریخ: _____

اقرار نامہ

میں حنیہ رفیق حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد کے ایم فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر نعیم مظہر کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

حنیہ رفیق

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

جون ۲۰۲۲ء

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالہ کے دفاع اور منظوری کا فارم	III
اقرار نامہ	IV
فہرست ابواب	V
Abstract	XIII
اظہار تشکر	XIV
باب اول: موضوع تحقیق کا تعارف، بنیادی مباحث	۱
الف۔ تمہید	۱
۱۔ موضوع کا تعارف	۱
۲۔ بیان مسئلہ	۲
۳۔ مقاصد تحقیق	۲
۴۔ تحقیقی سوالات	۲
۵۔ نظری دائرہ کار	۳
۶۔ تحقیقی طریقہ کار	۳
۷۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق	۳
۸۔ تحدید	۴
۹۔ پس منظری مطالعہ	۴
۱۰۔ تحقیق کی اہمیت	۵
ب۔ مذہبی گیت کا مفہوم	۶

۱۔ گیت	۶
۲۔ مذہبی گیت	۷
ج۔ مذہبی گیت نگاری کی روایت	۹
۱۔ یونانی مذہبی گیت	۱۰
۲۔ عبرانی مذہبی گیت	۱۰
۳۔ ابتدائی مسیحی مذہبی گیت	۱۴
۴۔ قدیم مذہبی گیت نگار	۲۰
۱۔ مسیحی گیت نگار	۲۰
i۔ یونانی مسیحی گیت نگار	۲۰
ii۔ لاطینی مسیحی گیت نگار	۲۷
iii۔ جرمن مسیحی گیت نگار	۳۰
۲۔ زبوری گیت نگار	۳۴
i۔ فرانسیسی زبوری گیت نگار	۳۴
ii۔ انگلستانی زبوری گیت نگار	۳۵
iii۔ اسکاچ زبوری گیت نگار	۳۷
iv۔ امریکی زبوری گیت نگاری	۳۸
۵۔ جدید مذہبی گیت نگار	۳۸
انگریزی مذہبی گیت نگاری	۳۸
۱۔ پہلا دور: نظریاتی اور تدریسی دور (۱۶۵۰ء تا ۱۷۸۰ء)	۳۸
i۔ پہلے دوراول کے نامور گیت نگار	۳۸

ii۔پہلے دور دوم کے نامور گیت نگار ۴۱
iii۔پہلے دور سوم کے نامور گیت نگار ۴۴
۲۔دوسرا دور: مشنری اور انجیلی بشارت کا دور (۱۷۸۰ء تا ۱۸۵۰ء) ۵۰
i۔دوسرے دور اول کے نامور گیت نگار ۴۸
ii۔دوسرے دور دوم کے نامور گیت نگار ۵۰
iii۔دوسرے دور سوم کے نامور گیت نگار ۵۴
iv۔دوسرے دور چہارم کے نامور گیت نگار ۵۷
۳۔تیسرا دور: عقیدت اور تجربات کا دور (۱۸۵۰ء) ۵۹
i۔تیسرے دور کے نامور گیت نگار ۵۹
۶۔برصغیر میں مذہبی گیت نگاری ۶۲
1۔برصغیر میں مسیحیت کا آغاز ۶۲
2۔مغلیہ دور میں غیر ملکی مسیحیوں کی ادبی خدمات ۶۳
3۔فورٹ ولیم کالج کے غیر ملکی مسیحی مصنف ۶۴
4۔برصغیر کے غیر ملکی شعرا ۶۵
5۔برصغیر میں مسیحی گیت نگاری اور نامور مذہبی گیت نگار ۶۶
حوالہ جات ۷۴
باب دوم: مسیحی شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری ۷۸
الف۔انجیلی آیات و مسیحی عقائد کے تناظر میں: ۷۸
بے پدر تخلیق: ۷۸
ذاکرؔ میرٹھی ۸۰
ثمرؔ دہلوی ۸۲

میگؔ آجمیری	۸۴
واقفؔ جالندھری	۸۶
یونسؔ جالندھری	۸۸
ہماؔ میرٹھی	۹۰
حاکم سنگھ راہیؔ لدھیانوی	۹۲
پسر خداوندی:	۹۴
جیکب ڈین شادؔ	۹۵
نادؔر شاہ جہاں پوری	۹۶
شاطؔر الٰہ آبادی	۹۹
طالؔب شاہ آبادی	۱۰۲
نحیفؔ دہلوی	۱۰۵
معجزاتی صفحات:	۱۰۷
برٹی ٹرنی کاملؔ	۱۰۷
جان انجلوؔ	۱۰۸
تصلیب:	۱۱۰
پی۔ڈی۔رفائلؔ	۱۱۰
عاشقؔ مراد آبادی	۱۱۳
بدرؔ بریلوی	۱۱۴
آمد ثانی :	۱۱۵
بیتابؔ سنسارپوری	۱۱۷
موجؔ زیبائی	۱۱۸

جی ایم سنگھ گُلؔ ۱۲۰
شاکرؔ میرٹھی ۱۲۲
ب۔ مسیحی تہوار کے تناظر میں: ۱۲۴
کرسمس: ۱۲۴
دوستؔ جالندھری ۱۲۴
ثاقبؔ فیروزپوری ۱۲۵
انجمؔ لدھیانوی ۱۲۸
عیدِ قیامت المسیح: ۱۳۰
رساؔ لکھنوی ۱۳۰
کے۔ آر۔ ضیاءؔ ۱۳۲
جوزف انورؔ اجمیری ۱۳۵
حوالہ جات ۱۳۹
باب سوم: غیر مسیحی شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری ۱۴۱
ا۔ مسلم شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری ۱۴۱
الف۔ قرآنی آیات و اسلامی عقائد کے تناظر میں: ۱۴۱
بے پدر تخلیق: ۱۴۱
عبدالمجید سالکؔ ۱۴۳
صادق نویدؔ
۱۴۴
مراد خان وکیلؔ ۱۴۶
پاک دامنیٔ مریم: ۱۴۷

مفتوؔن کوٹوی ۱۴۸
واسؔع عشقی ۱۵۲
عبدالباسؔط حیدرآبادی ۱۵۳
نبی، پیغمبر، رسول۔ نزولِ انجیل ۱۵۵
راشؔد نقوی ۱۵۶
حکیم سید علی رضوی شفیؔق ۱۵۸
عاؔرف بیابانی ۱۵۹
معجزاتی صفات ۱۶۱
مرزا سرفرازؔ علی ۱۶۲
زہیؔر پرویز ۱۶۴
آمد ثانی ۱۶۵
یوسؔف علی خاں ۱۶۶
بشؔیر وارثی ۱۶۷
ب۔ مسیحی تہوار کے تناظر میں : ۱۶۸
کرسمس: ۱۶۸
ڈاکٹر اسؔد انصاری ۱۶۸
مراد خاں وکیؔل ۱۷۰
۲۔ہندو شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری ۱۷۱
الف: قرآنی آیات واسلامی عقائد کے تناظر میں: ۱۷۱
بے پدر تخلیق: ۱۷۱
منوہر لال بہاؔر ۱۷۲
ٹھاکر بجرنگ سنگھ فقیؔر ۱۷۳

پاک دامنیٔ مریم: ۱۷۴
ٹھاکر بجرنگ سنگھ فقیرؔ ۱۷۴
نبی، پیغمبر، رسول۔ نزولِ انجیل: ۱۷۵
قمر للتاؔ دیوی شکلا ۱۷۵
معجزاتی صفات: ۱۷۷
ٹھاکر بجرنگ سنگھ فقیرؔ ۱۷۷
صعود عیسیٰؑ: ۱۷۷
منوہر لال بہارؔ ۱۷۷
ب۔ انجیلی آیات و مسیحی عقائد کے تناظر میں: ۱۷۸
پسر خداوندی: ۱۷۸
راجہ لعل راجہؔ ۱۷۸
شبابؔ استھانہ ۱۷۹
معجزاتی صفات: ۱۸۰
رام کرشن مضطرؔ ۱۸۰
راجہ لعل راجہؔ ۱۸۰
تصلیب: ۱۸۱
للتاؔ دیوی شکلا ۱۸۱
آنند راؤ آنندؔ ۱۸۲
حوالہ جات ۱۸۴
باب چہارم: مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کی مسیحی گیت نگاری کا تقابلی جائزہ ۱۸۶
(مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کی مذہبی گیت نگاری کا تقابل)
۱۔ اشتراکات ۱۸۶
۲۔ افتراقات ۱۹۷

حوالہ جات ۲۰۵

باب پنجم: مجموعی جائزہ، نتائج اور سفارشات ۲۰۷

الف۔ مجموعی جائزہ ۲۰۷

ب۔ تحقیقی نتائج ۲۱۳

ج۔ سفارشات ۲۱۴

کتابیات ۲۱۵

ABSTRACT

The title of my Research, Thesis for my M.Phil. Urdu is "Religious Perspectives in Multicultural Society: A Comparative Study of Christian Concepts in Urdu Hymns (with reference to selected poets)"

The proposed study compares Christian religious hymns of selected poets in the religious contexts of multicultural societies.

In addition to hymns, religious hymns, the tradition of religious hymns in the ancient and modern Eras's and with this some famous religious hymns from poets and poetesses are also included in this research. The basic purpose of this research is to compare different poets from Christianity, Islam and Hinduism presenting their hymns under the concepts of Christianity and Islam as well as the hymns regarding celebrations of religious Festivals may know as Eids in Christianity under Christian and Islamic beliefs and concepts.

The research consists of five chapters. The first chapter, entitled "Introduction to the Research Subject and Basic Discussions", contains the "Hymns, meaning of Hymns then it leads Religious hymns and afterword's, The Tradition of Religious Hymn writing (Basic Discussions). Some popular poets have also been discussed. The discussion of songwriting is wrapped up in the context of Christian beliefs and Christian festivals. The second chapter entitled "Christian Hymn writing is written by Christian poets" contains popular Christian poets who wrote hymns under the beliefs and concepts of Christianity and also covers hymns of Christians Festivals (Eids). The third chapter is entitled "Christian Hymn Writing by Muslim Poets". This part covers the concepts according to Quran and Islam. The second part of this chapter contains "Christian Hymn Writing by Hindu Poets". In which the hymns of Hindu poets have been examined under Islamic beliefs and Christian beliefs and concepts. They also wrapped Christian festivals. The fourth chapter describes a comparison of all poets from different religions.The fifth chap is based on a comprehensive study, results, and conclusion, reaching a summary and compiling a few suggestions at the end.

Literature is a reflection of the society and the writer reflects the society. Every religion has taught man peace and love and mutual harmony. Literature can work in promoting this love and peace.

اظہار تشکر

میں خدائے قادر کی شکر گزار ہوں جس کی توفیق سے میں اس مقالہ کی تحقیق کے لیے کام کر سکی۔ میں اپنے نگرانِ مقالہ ڈاکٹر نعیم مظہر کی ممنون ہوں جنھوں نے اس مقالے کا عنوان تجویز کرنے سے لے کر اس کی تکمیل تک کے تمام مراحل میں استادانہ کاملیت، پدرانہ شفقت اور دوستانہ محبت سے ہمیشہ میرا ساتھ دیا اور اس بھرپور ساتھ نے مجھے اس لائق بنایا کہ میں اپنی جدوجہد کو جاری رکھوں اور اپنے مقالے کو بہترین انداز میں پیش کروں۔ انہوں نے اس مقالے کو عام سطح پر لکھے جانے والے مقالہ جات سے کچھ بہتر اضافے تجویز کیے جو اس مقالے کی اہمیت اور انفرادیت کی دلیل ثابت ہوں گے۔ علاوہ ازیں شعبہ اردو کے تمام قابلِ صد احترام اساتذہ کرام کی شکر گزار ہوں جن سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ یہاں ڈاکٹر صائمہ نذیر اور ڈاکٹر نازیہ یونس کا خصوصی طور پر ذکر کرتی چلوں گی جنھوں نے ہمیشہ ہی میری حوصلہ افزائی کی اور سکھایا کہ باہمت لوگ بہتی ندی کی طرح ہوتے ہیں وہ ٹھہرتے نہیں بلکہ اپنے سفر کو ہمت و حوصلے سے جاری رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر رخشندہ مراد کی بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے پہلے دن سے اب تک مفید مشوروں اور دعاؤں سے نوازا ہے۔

اساتذہ میں ڈاکٹر جنید آزر کی بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے میری سوچ کا رخ اس موضوع کی طرف موڑا۔ ان کے خیال کے مطابق یہ ایسا عنوان ہے جس کے لیے میں انتہائی بہترین سکالر ہوں۔ اس کے علاوہ اپنے پیارے بھائی جناب خالد عمانوایل جو شاعری میں ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں' کی بھی شکر گزار ہوں۔ جنھوں نے نہ صرف ڈاکٹر جنید آزر کے ہمراہ کر سچن سٹڈی سنٹر سے نایاب کتب کی دستیابی میں میری مدد کی بلکہ گاہے بگاہے میری رہنمائی فرمائی۔ علاوہ ازیں سب سے خوبصورت شخصیت جناب ڈاکٹر عادل امین جو شاعری میں میرے استاد محترم کا درجہ رکھتے ہیں اور جن کے بغیر میری تحقیق ادھوری ہی رہتی، نے دن رات میں فرق نہیں کیا بلکہ جس وقت بھی مجھے ان کی ضرورت پیش آئی وہ میری مدد فرماتے۔ مسیحی' غیر مسیحی اور ہندو گیتوں اور عقائد پر تفصیل سے بحث فرماتے اور امتیازی نتائج تک لے کر جاتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے بے حد بیماری میں بھی میرا ساتھ دیا اور ہمیشہ معاونت فرمائی۔

احباب میں عارفہ طاہر، مصطفیٰ، تحسین اختر، محمد علی اور محمد حسن کی شکر گزار ہوں جو میرا حوصلہ بڑھاتے رہے اور سب سے زیادہ شمسہ کنول اور شمائلہ عزیز کی ممنون ہوں جنہوں نے ہمیشہ میری مدد کی۔ ان کے علاوہ اپنے دوستوں عثمان حیدر جو پی۔ ایچ۔ڈی (اسلامیات کے) اسکالر ہیں اور حاجرہ بی بی (ایم۔ایس اسلامیات) کی بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اسلامی آیات و عقائد پر روشنی میں میری مدد فرمائی۔

ان سب کے ساتھ ساتھ میں اپنے شوہر ثاقب جسٹن اور اپنے گھر والوں کی بھی بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے بے انتہا ساتھ دیا۔ خصوصاً اپنی چھوٹی بہن ثنیہ رفیق کی ممنون ہوں جس نے میری کئی ذمہ داریوں کو اپنے سر لینے کے ساتھ ساتھ میرا مقالہ لکھنے میں بھرپور مدد کی۔ دکھ رہے گا کہ بابا جان اس سفر کے آخری مراحل کے دوران وصال کر گئے۔ وہ اس مقالے کو مکمل ہوتا دیکھتے تو بے حد خوش ہوتے۔ ایسے میں اپنی امی جان کی سب سے زیادہ شکر گزار ہوں جن کی دعاؤں اور حوصلے نے ہمیشہ مجھے ہمت دی۔ اس سفر میں وہ میرا زور بنیں۔ ان کے ساتھ کے بغیر میں شاید ایک لفظ بھی نہ لکھ پاتی۔ امید کرتی ہوں کہ میرا یہ مقالہ میرے لیے باعث افتخار ہو گا (آمین)

حنیہ رفیق

سکالر ایم۔ فِل اُردو

باب اول:

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید:

ا۔ موضوع کا تعارف:

ادبیات عالم پر نظر ڈالی جائے تو مذہب ہمیشہ سے ادبی فن پاروں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اقوام عالم کی شاعری بھی انہی عناصر سے تشکیل پاتی ہے جو نثری تخلیقات میں نمایاں ہیں۔ اردو شاعری پر بھی مذہبی اثرات کا گہرا اثر رہا ہے۔ اسلام کے علاوہ مسیحت ایک بڑا مذہب ہے یہی وجہ ہے کہ اردو شعرا کے ہاں مسیحی شاعری بھی ملتی ہے۔ ان اردو شعرا کے ہاں پائے جانے والے مسیحی کلام کو زیر بحث لاتے ہوئے ان کے فنی و فکری محاسن پر بحث کی گئی ہے۔

مسیحی مبلغین جن کا تعلق مغربی ممالک سے تھا انہوں نے مسیحی عقائد و رسومات کے فروغ کے لیے اردو زبان پر خصوصی توجہ دی۔ برطانوی حکومت نے بھی اردو زبان و ادب کے ارتقا کے لیے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ گویا مسیحی مبلغین اور برطانوی حکمرانوں نے اردو زبان کو رابطے کی زبان بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ، دلی کالج اور انجمن پنجاب کا کردار بھی قابل ستائش ہے۔ برصغیر میں پھیلے ہوئے ہزاروں مسیحی تعلیمی اداروں نے اردو ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اردو شعرا کے ہاں مذہبی عقیدت کی بدولت مسیحی شاعری کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔

گیت نگاری اردو ادب میں ایک صنف کے اعتبار سے بھی جانی ہے جبکہ اس سے مراد حمدیہ نغمات نگاری بھی لی جاتی ہے۔ گیت ایسے نغمات کو بھی کہا جاتا ہے جس میں خدا یا کسی دیوتا کی بڑائی، تعظیم، مدح اور پرستش وغیرہ کی گئی ہو۔ اس مقالے میں گیت نگاری کو مذہبی گیت نگاری کے زمرے میں دیکھا گیا ہے۔

۲۔بیان مسئلہ:

دنیا کے ہر ادب میں مذہبی روایات کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔یہ تذکرہ نہ صرف قاری کو اپنے سحر میں گھیر لیتا ہے بلکہ وہ اسے اپنے مقصد کے حصول کی طرف گامزن کرتا ہے۔شاعری میں حضرت عیسیٰ کی مسیحائی ،حضرت مریم کی پاک دامنی، پیدائش عیسیٰ، معجزاتِ ناصری وغیرہ بطور استعارہ کے قدیم سے ہی مستعمل رہے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسیحی عہد کی جانب جھکاؤ رکھنے والے شعرا نے ایک قدم آگے بڑھ کر محض حضرت عیسیٰ اور اس کے مضافاتی موضوعات کو بھی شاعری میں ضبط تحریر کیا ہے۔یہ رجحان مسلم شعرا، ہندو شعرا، اسلام یا ہندو مذہب سے دستبردار ہو کر مسیحیت کو قبول کرنے والے شعرا یہاں تک کہ اردو جاننے والے انگریزوں کے ہاں بھی ملتا ہے۔

زیرِ تحقیق موضوع میں مسیحی گیت نگاری کے حوالے سے بیسویں صدی کی اردو شاعری کا مطالعہ کیا گیا ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مسیحی گیت نگاری میں کن اصناف کو برتا گیا۔علاوہ ازیں یہ بھی جائزہ لیا گیا کہ کن کن مسیحی موضوعات کی پیش کش کی گئی ہے۔مزید براں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ہاں پائے جانے والے مسیحی موضوعات کا مسیحی شعرا کے کلام سے موازنہ اور ان میں پائے جانے والے اشتراکات اور افتراقات کے تقابل کو بھی ضبط تحریر کیا گیا ہے۔

۳۔ مقاصد تحقیق:

مجوزہ مقالے میں درج ذیل تحقیقی مقاصد پیش نظر رہے۔

۱۔اردو شاعری کی روایت میں مسیحی گیت نگاری کے فنکارانہ اظہار کی صورتوں کا تعین کرنا۔

۲۔اردو شاعری میں مسیحی اور غیر مسیحی (مسلم اور ہندو) شعرا کی گیت نگاری کا تقابلی مطالعہ کرنا۔

۳۔اردو شاعری میں مسیحی اور غیر مسیحی (مسلم اور ہندو) شعرا کے ہاں مذہبی عقائد کا مسیحی گیت نگاری میں تجزیہ کرنا

۴۔ تحقیقی سوالات:

مجوزہ مقالے میں درج ذیل تحقیقی سوالات پیش نظر رہے۔

۱۔ اردو شاعری کی روایت میں مسیحی شعرا اور غیر مسیحی (مسلم و ہندو) شعرا کے ہاں مذہبی گیت نگاری کا فنکارانہ اظہار کس طرح ہوا؟

۲۔ اردو شعرا نے مسیحی گیت نگاری کو مذہبی عقائد کے مطابق کس طرح ڈھالا؟

۳۔ اردو شاعری میں مسیحی اور غیر مسیحی (مسلم اور ہندو) شعرا کی گیت نگاری میں کون کون سے اشتراکات اور افتراقات ملتے ہیں؟

۵۔ نظری دائرہ کار:

بطور صنف گیت نگاری نے معاشرہ،تہذیب، ثقافت، مذہب،عشق، دوستی، دشمنی، عقیدت،احترام، ایمان، عقیدہ، فطرت غرض تمام شعبہ جات میں شعری اظہارِ خیال میں معاونت کی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ جو شاعر جس عقیدہ کا پیروکار ہو گا اس کی شاعری میں اس عقیدے کا عکس کسی حد تک ضرور جھلکے گا۔ مسیحی گیت نگاری کے لیے شعرا کرام نے بائبلی موضوعات، اصطلاحات اور تلمیحات کو موسیقی اور ترنم کے ساتھ خوب نبھایا جس کی وجہ سے مسیحی گیت نگاری کی ایک انفرادی پہچان بن گئی۔

گیت نگاری کے لیے شعرا کرام کی طبع آزمائی کا تحقیقی مقاصد کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے اور ان کی نوعیت اور وجوہات کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے نیز مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے شعرا کرام کے کلام میں پائے جانے والے مسیحی رجحان یا تاثر کا تقابلی جائزہ بھی لیا گیا۔

۶۔ تحقیقی طریقہ کار:

میرا تحقیقی مقالہ دستاویزی طریقہ تحقیق کے تحت مکمل ہوا ہے بنیادی مآخذ میں منتخب شعرا کے کلام کو مد نظر رکھا گیا ہے جبکہ ثانوی مآخذ میں اس سلسلے میں ہونے والے انتخاب،تحقیقی و تنقیدی کتب، مقالوں اور مضامین سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ انٹرنیٹ میں موجود حوالہ جاتی مواد کو بھی کام میں لایا گیا ہے۔

۷۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق:

نذیر قیصر کا شمار دورِ حاضر کے نامور شعرا میں کیا جاتا ہے ان کی شخصیت پر تحقیقی مقالے بھی لکھے گئے ہیں اس کے علاوہ چند ایسے مقالے بھی منظر عام پر آئے ہیں جن میں مسیحی شعرا کی ادبی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے ان میں جیکب پال کا نام سر فہرست ہے جنہوں ۲۰۰۴ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں "پاکستان کے مسیحی شاعر اور شاعرات" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔ انتھونی گیبرئیل فیلکس نے ۲۰۱۸ء میں وفاقی اردو یونیورسٹی کیمپس کراچی میں "پاکستانی مسیحی اور اردو ادب (ماضی'حال اور مستقبل) کے عنوان سے تحقیقی مقالہ قلم بند کیا۔ نسرین یعقوب نے ۲۰۱۹ء میں یونیورسٹی آف سرگودھا میں "اردو غزل کے فروغ میں مسیحی شعرا کی خدمات" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھا اور یہی سلسلہ تاحال جاری ہے اس سلسلے میں پروفیسر عارف لاوی نے اگست ۲۰۲۰ء میں لاہور لیڈیز یونیورسٹی میں "یوسف نیر بطور شاعر" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ پیش کیا ہے اور اگست ۲۰۲۰ء میں ہی ایک

اور ایم فل سکالر پروفیسر علی عمران کا تحقیقی مقالہ "پاکستانی اقلیتوں کا اردو ادب میں حصّہ" کے عنوان سے ایف سی کالج میں جمع کروایا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تحقیقی مقالوں میں مسیحی شعرا کا اردو ادب میں کردار یا حصّہ وغیرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے اس میں مسیحی نثر نگاروں اور شعرا کی ادبی کاوشوں کو سراہا گیا ہے لیکن میرے مجوزہ موضوع پر آج تک کبھی کوئی بحث نہیں کی گئی ہے ۔ میرا مقصد مذہبی شاعری کو سامنے لانا ہے اور اس سلسلے میں نہ صرف مسیحی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ غیر مسیحی شعرا کا حصّہ بھی منظر عام پر لانا ہے۔

۸۔ تحدید:

مجوزہ مقالے میں اردو شعرا کی مسیحی گیت نگاری کے رجحانات پر مبنی کلام پر کام کیا گیا ہے۔ تقابل کے لیے اس دور کے مسیحی اور غیر مسیحی شعرا پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔ اس حوالے سے تحقیقی کتب کو بھی شامل تحقیق کیا گیا ہے۔ یہ تحقیقی کام مسیحیت اور مسیحی گیت نگاری کے رجحانات کی نوعیت اور اردو ادب پر اس کے اثرات کی تلاش تک محدود ہے۔

۹۔ پس منظری مطالعہ:

مجوزہ موضوع پر اب تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔ لہذا اس موضوع پر تحقیق کا جواز بنتا تھا اس حوالے سے کرسچن سٹڈی سینٹر راولپنڈی Christian Study Center Rawalpindi میں کچھ کتب میسر رہیں جن میں مسیحی اور غیر مسیحی (مسلم اور ہندو) شعرا کی مذہبی گیت نگاری کے انتخابات دستیاب ہیں۔

اس حوالے سے ریحانی لکھنوی (جانشین آتش لکھنوی) کا نام سر فہرست ہے اس سلسلے میں ان کی کتاب "سوغاتِ روح" جس میں غیر مسیحیوں کا مسیحی کلام ملتا ہے میں ۳۹ شعرا کے کلام کے عمدہ نمونے میسر ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کی ایک اور کتاب "پیغام حیات" سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا جس میں ہندوستانی مسیحی شعرا کا تذکرہ دستیاب ہے۔

ریحانی لکھنوی کے علاوہ "نغماتِ روح" جسے حباب آفریدنے مرتب کیا ایک عمدہ مآخذ ہے جس میں تقریباً ۴۲ مسیحی اور غیر مسیحی (مسلم اور ہندو) شعرا کا کلام میسر ہے۔ اس تحقیق کے سلسلے میں اس کتاب کی دستیابی بھی یقیناً کار آمد رہی ہے۔

ان کتب کے علاوہ ڈی-اے ہیریسن قربان کی "مثنوی داستانِ عجب" بھی کتابی صورت میں میسر ہے جس میں حضرت یوسف اور حضرت مریم کا تعارف ابتداء میں ہی ملتا ہے اس کے بعد حضرت جبریل سے مقدسہ مریم کے

مکالمات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہی سلسلہ حضرت عیسیٰ کی معجزاتی زندگی کو طے کرتا ہوا ان کی تصلیب اور جی اُٹھنے تک جاری رہتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور کتاب "سمن زار" سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا یہ کتاب دراصل ۱۹۷۹ء کے کُل ہند و مشاعرہ میں شرکت فرمانے والے مسیحی شعرائے اردو کا مختصر تذکرہ ہے اور اس میں کُل ۴۵ مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کے کلام کے عمدہ نمونے دستیاب ہیں۔ اس کتاب میں شعرا کے نام بمعہ تصاویر ملتے ہیں۔

گیت نگاری کے حوالے سے "اچھا چرواہا" کے نام سے ایک رسالہ بھی میسر آیا ہے جس کی ادارت کے فرائض محترمہ مریم فرانسس نے نبھائے ہیں۔ اس رسالہ میں مجوزہ موضوع کے حوالے سے ۲ مضامین ملتے ہیں۔ پہلا مضمون فادر جیمس شمعون کا تحریر کردہ ہے اور اس کا عنوان عبادت میں اجتماعی نغمہ سرائی ہے جبکہ گیت ارتقا اور دورِ جدید "گیتوں کا ارتقاء" کے عنوان سے دوسرا مضمون ہے جسے جی ایم فیلکس قاصر امرتسری نے تحریر کیا ہے۔ دورانِ تحقیق ان ماخذات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۰۔ تحقیق کی اہمیت:

مسیحیت کے حوالے سے لکھا جانے والا کلام اردو ادب میں خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کے فروغ میں اردو شعرا نے بھرپور کردار ادا کیا اور مذہبی ہم آہنگی کے فروغ کا باعث بنے۔ تحقیقی سطح پر معاشرے میں بھائی چارے اور رواداری کے جذبات کو فروغ دینے والے اس ادب کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے ان اثرات کو سامنے لایا گیا جو اس ادب کے حوالے سے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔

مریم اور ابن مریم ایسی شخصیات ہیں جو دین اسلام اور مسیحیت میں بے حد قابل قدر ہیں۔ پاکستان میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بہت بڑی تعداد میں مسیحی بھی آباد ہیں۔ اور ایک مشترکہ ادبی و ثقافتی ورثہ کے مالک ہیں۔ مجوزہ تحقیقی کام اردو شاعری میں ان مشترکہ عناصر کی تلاش اور باہمی اشتراکات کو واضح کرتا ہے تاکہ مذہبی رواداری اور بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ ملے۔ اس تحقیقی کام میں پہلی بار اردو شعرا کے ہاں پائے جانے والے مسیحی رجحانات اور مسیحی گیت نگاری کا مجموعی جائزہ لیا گیا ہے۔

ب۔ مذہبی گیت کا مفہوم:

ا۔ گیت:

گیت ہندی زبان سے اردو میں آیا ہے۔ یہ مذکر لفظ ہے۔ اس کے معنی سرود، نغمہ، راگ، بھجن وغیرہ کے ہیں ۔ مختلف لغات میں گیت کے قریباً یہی معنی ملتے ہیں ۔ جامع اللغات میں گیت کے معنی کچھ اس طرح سے ہیں: ''گیت—(ھ) گانا، راگ، نغمہ، سرود، وہ چیز جو گائی جائے، شعر، چھند، غزل، دوہرہ، نظم، بھجن، پد وغیرہ''[۱] ۔ فیروااللغات میں یہ معنی ملتے ہیں: ''گیت—(ھ) گانا، راگ، سرود، نغمہ، سرود''[۲] جدید نسیم اللغات میں گیت کے یہ معنی ملتے ہی: ''گیت—(ھ) گانا، راگ، بھجن، گانا، راگ گانا، ایک خاص قسم کی نظم گانا، رام کہانی کہنا، گن گانا، تعریفیں کرنا''[۳]۔ فرہنگ کاروان میں گیت سے متعلق یہ الفاظ معنی کے طور پہ درج ہیں ''گیت—(ھ) گانا، راگ، نغمہ، گانا''[۴] نور اللغات جلد چہارم میں گیت کے معنی تلاش کریں تو الفاظ ملتے ہیں: ''گیت—(ھ) ہندی کی نظم بھجن، گیت گانا، تعریف کرنا''[۵] فرہنگ آصفیہ جلد چہارم میں گیت کے یہ معنی ملتے ہیں: ''گیت—(ھ) اسم مذکر، سرود، راگ، بھجن، وہ تک دار اور باوزن فقرے جو سروں میں گائے جاتے ہیں جیسے خیال دہر پد، بھجن، پد وغیرہ''[۶]۔ رئیس اللغات با تصویر میں گیت سے متعلق یہ الفاظ معانی کے طور میں درج ہیں: ''گیت—(ی) معروف، مذکر، راگ، بھجن''[۷] سٹینڈرڈ اردو ڈکشنری میں گیت کے یہ معانی درج ہیں: ''گیت—(ھ) راگ، بھجن، گانا'' [۸] گلزار معنی میں گیت کے یہ معانی لکھے ہوئے ہیں: ''گیت—(ھ) اسم مذکر، گانا، بھجن، سرود''[۹] فیروااللغات حصہ دوم میں گیت کے لفظ کو تلاش کریں تو یہ الفاظ درج ہیں: ''گیت—(ھ) مذکر، راگ، بھجن، گانا، سرود''[۱۰]

گیت اصلاً سنسکرت زبان کا لفظ ہے یہ اردو میں سنسکرت زبان سے ماخوذ ہے اس کے معنی گانا، راگ، نغمہ یا سرود کے ہیں۔ اصلاح میں اس سے مراد وہ چیز جو گائی جائے۔ بھجن، دوہرہ، راگ، سانگ، شعر، غزل، گانا، نغمہ، یا نظم اس

کے مترادفات میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جی ایم فیلیکس قاصر امرتسری اپنے مضمون ''گیت ارتقا اور دور جدید ''گیتوں کا ارتقا'' ' میں گیت کی تعریف کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''گیت اس گانے کا کہتے ہیں جسے خدا کی حمد وستائش میں گایا جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد وہ گانا ہے جو کسی دیوتا، دیوی، کسی مقدس ہیرو اور خدا کی تعریف کی جائے۔''(۱۱)

ان مفاہیم میں یعنی راگ، گانا، سرود اور نغمہ قریباً قریباً ہر لغت میں مشترک ہیں ان مشترک مفاہیم کے علاوہ دوہا ،غزل، چھند ، بھجن، نیز ہر وہ چیز جو گا کر پیش کی جائے گیت کے دائرہ کار میں آتی ہے۔ اور بلا شبہ ان کو گیت کے زمرے میں ہی رکھا جاتا ہے۔

بر صغیر میں صنف گیت ایسے نغمے کو کہا جاتا ہے جس میں کسی نسوانی وجود کے ذریعے محبوب سے اظہار محبت کیا جائے اور اسے دل کے احساسات و جذبات سے روشناس کروایا جائے۔ یہ وہ صنف ہے جس کی تان پر سارا جہان مست ہو کر محوِ رقص ہو جاتا ہے۔ گیت میں عورت کا سراپا حسن ڈھلا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بول مدھر ہوتے ہیں جو سرور اور مستی کی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور تخیل کی پرواز سننے والے کو کئی دنیاؤں کی سیر کراتی ہے۔ گیتوں کا انداز معصومانہ ہوتا ہے۔ یہ ایک لطیف اور بے ساختہ جذبے سے آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے۔ اس میں کچھ شک بھی نہیں کہ گیت کے موضوع میں شدتِ احساسات و جذبات اور تپشِ وارداتِ قلبی کی گہری چھاپ ہوتی ہے جو اس کے مصرعے مصرعے سے سرمست فضا میں بھینی بھینی سی خوشبو بھر دیتی ہے۔

گیتوں کے مضامین کا ذکر چھیڑیں تو اس میں تصوف اور فلسفہ کی قطعی طور پر کوئی جگہ نہیں۔ گیت تو حسن و عشق کا تذکرہ ہیں کیونکہ صنف نازک کے احساسات و جذبات کا یہ خوبصورت ذریعۂ اظہار بھی اصل کے اعتبار سے طبع نازک رکھتا ہے۔ یہ فلسفہ اور تصوف جیسے بھاری بھر کم مضامین کی برداشت نہیں رکھ سکتا۔

گیت چونکہ نسوانی کیفیات اور جذبات و احساسات کا نام ہے پس یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گیت دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دل کش حسن و ادا کا لہجہ لیے ،حسن و جمال کا پیکر بن کر' خود بخود پیدا ہو کر' ہونٹوں تک آنے والے مدھر رسیلے بول ہیں۔ یہی بول سننے والوں کے دل میں اضطرابی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور بیتابی اور بے چینی کی

کیفیات اس کی ذات کو نئی نئی الجھنوں کا شکار کر دیتی ہے اور یہی الجھنیں اس کے دل میں نت نئی امنگوں' خواہشوں اور تمناؤں کو جنم دیتی ہیں۔

۲۔ مذہبی گیت:

زیر بحث مقالے میں گیت کے جس انداز پر بحث مطلوب مقصد ہے وہ ایک نسوانی کردار کا اپنے محبوب کے لیے احساسات و جذبات کا اظہار ہر گز نہیں ہے بلکہ گیت اپنی ابتدائی شکل میں بطور نغمہ اور ترانہ ،دیوتاؤں اور خداؤں کی پرستش میں استعمال کیا جاتا رہااور پھر الہیٰ مذاہب کے عبادتی اراکین کے طور پر بھی استعمال کیا جانے لگا۔یعنی ایسے نغمے جو پہلے پہل دیوتاؤں کے لیے استعمال کیے جاتے تھے انھیں گیت کہا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ بعض ایسے مذاہب جن میں خدا کو اول درجہ حاصل ہے' میں گیت کو خدا کی تعریف اور مدح سرائی کے لیے بطور عبادت گایا جاتا ہے۔ایسے 'گیت' کے لیے گیت کے معنی و مفاہیم دور حاضر کے گیت کے معنی و مفہوم سے یکسر مختلف ہیں۔اس دور کے اس صنف سخن جسے بالخصوص مختلف مذاہب کی عبادت کے دوران حمد و ثناء کے لیے گایا جاتا ہے' کے معنی 'حمدیہ نغمے' یا 'حمدیہ گیت' ہیں۔ان کا تعلق چونکہ مذہب سے ہے اس لیے انہیں مذہبی گیت کہا جاتا ہے

یعنی مذہبی گیت ایسے گیت ہیں جو کسی مذہب کے پیروکاروں کے خدا' نبی یا بزرگ ہستیوں کی تعظیم میں گائے جاتے ہیں۔اس میں کسی مذہب کے لوگوں میں اس کے خدا کی طرف سے ہونے والے معجزات یا کرشمات بھی اسی زمرے میں آتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والی عظیم ہستیوں' بزرگوں اور ولیوں کا تذکرہ اور ان کی مدح کو بھی مذہبی گیت کے دائرے میں داخل کیا جا سکتا ہے۔مذہبی گیت سے مراد حمدیہ یا دعائیہ گیت ہیں۔اگر ہم قاموس الکتاب سے گیت کے متعلق جانچ پڑتال کریں تو ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ:

> " نئے عہد نامہ میں گیت یونانی لفظ ھمنوس(Hymnos)کا ترجمہ ہے۔ھمنوس میں شروع ہی سے مذہبی رنگ نمایاں تھا۔یہ ان نغموں کے لیے استعمال ہوتا تھا جو سورماؤں' دیوتاؤں اور خدا کی تعریف میں گائے جاتے تھے۔"(۱۲)

مسیحیت میں گیت کو دیکھا جائے تو گیت ایسے نغمے کو کہتے ہیں جسے خدا کی حمد و ثنا میں گایا جائے۔ مذہبی گیت پر قلم اٹھاتے ہوئے اپنے مضمون، گیت ارتقا اور دور جدید ''گیتوں کا ارتقا'' میں جی ایم فیلیکس قاصر امرتسری گیت کے حوالے سے کچھ ان الفاظ میں بات کرتے ہیں:

> ''بائبل مقدس میں جہاں بھی ایسے گانے کا ذکر آیا ہے اسے گیت' خداوند کا گیت' حمد و ثنا کا گیت' صداقت کا گیت' تیری قدرت کا گیت' تیری شفقت کا گیت' اس کے نام کے جلال کا گیت' تیرے نام کا گیت' خداوند کی شفقت کا گیت' شفقت اور عدل کا گیت' خداوند میری قوت اور میرا گیت' تیرا آئین میرا گیت' تیرے کلام کا گیت' خداوند کی راہوں کا گیت' شکر گزاری کا گیت' موسیٰ کا گیت' برّہ کا گیت لکھا گیا۔''(۱۳)

مختلف مذاہب میں گیت کے حوالے سے نظر دوڑائیں تو اس سلسلے میں فادر جیمس شمعون اپنے مضمون 'عبادت میں اجتمائی نغمہ سرائی' میں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ:

> ''ہندو مذہب میں ہندومت کے پیروکار اپنی مذہبی اور سماجی رسومات میں موسیقی کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ مذہبی رسومات میں خصوصاً وہ اکٹھے مل کر گاتے ہیں۔ بھجن' ہندومت میں عبادت کا بہت اہم اور بامعنی حصہ ہے۔ جس میں دھراؤ کے ذریعے تمام لوگوں کے پاس یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب شامل ہوں۔ اسلام میں قوالی نغمہ سرائی کی ایک مثال ہے۔ ذکر اسلام میں دعا کا ایک نمونہ ہے جس میں وہ ایک جملے یا لفظ کو لے کر بار بار دہراتے ہیں اور خدا کی موجودگی کو محسوس کرتے ہیں۔''(۱۴)

ج۔ مذہبی گیت نگاری کی روایت:

مذہبی گیت کا سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود انسان۔ انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا تو الہیٰ کتب کے مطابق وہ خدا سے واقف تھا اور اسی طرح مختلف ادوار میں وہ مختلف خداؤں کا پرستار رہا ہے۔ کیونکہ کہ مخلوق کا اپنے خالق سے خاص رشتہ ہے جو دونوں کو ایک دوسرے کے قریب رکھتا ہے جو دونوں کو نہ صرف ایک دوسرے سے قریب رکھتا

ہے بلکہ ایک دوسرے سے جوڑے بھی رکھتا ہے۔ اس حوالے سے نفیس اقبال اپنی کتاب 'پاکستان میں اردو گیت نگاری' میں لکھتے ہیں:

> " انسان اور خدا کا رشتہ ازلی اور ابدی ہے۔ خدا کے حضور میں نذر پیش کرنے کے لئے گیت بہترین ذریعہ تھے۔ مندروں' معبودوں اور دیوتاؤں کے استھانوں پر گیت گا کر خدا کے مظاہر' دیوی دیوتاؤں کے استھانوں پر گیت گا کر خدا کے مظاہر' دیوی دیوتاؤں اور مافوق الفطرت طاقتوں کو منایا جاتا تھا۔"(۱۵)

مذہبی گیتوں کے آغاز اور ان کی روایت کے حوالے سے ہمیں مختلف تہذیبوں میں اور مختلف ادوار میں مذہبی گیتوں کے نمونے ملتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اس کا سب سے قدیم نشان یونانی دور میں ملتا ہے۔

ا۔ یونانی مذہبی گیت:

شاعری اور موسیقی اتنے ہی قدیم ہیں جتنا بنی نوع انسان۔ اور یہ دونوں ابتدا ہی سے مذہب کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہومر کی شہرت اس کے گیتوں کی تعداد اور خوبصورتی سے پیدا ہوئی تھی اور ان میں سے بہت سے اب بھی موجود ہیں۔ اسی لیے یونانی اس کی پیروی کرتے' اس کے نمونہ کلام سے سبق سیکھتے اور اس جیسا لکھنے کی کوشش کرتے یعنی اس سے تحریک لیتے تھے۔ یونانی شاعر زیادہ تر نمائندہ مذہبی گیت نگار تھے۔ یہ مذہبی گیت ابتدا میں دیوتاؤں کے ستائش کے لیے گائے جاتے تھے۔ یونانی اور رومن افسانوں کی نو دیویوں میں سے ہر ایک، جو زیوس اور منیموسین کی بیٹیاں تھیں اور جو فنون اور علوم کی صدارت کرتی تھیں' بنیادی طور پر اپنے خداؤں کی خدمت میں مصروف تھیں اور جس کسی نے ان کو پکارا اس سے بھی اسی خدمت میں حصہ لینے کی توقع کرتی تھیں۔ یونان میں بعض اوقات کھیلوں کے مقابلوں کے انعقاد کے دوران بہترین مذہبی گیت گانے کے مقابلے بھی منعقد کیے جاتے۔ اور حصہ لینے والوں کو انعامات سے بھی نوازا جاتا۔ کم تجربہ کار نوجوانوں کو ان گیتوں کو حفظ کرنے اور ان پر مزید مشق کرنے کی ترغیب دی جاتی۔ ان کے دلوں میں مذہبی عقیدے کے استحکام کے لیے ایسے عوامل بے حد اہمیت کے حامل تھے۔

ان تمام باتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگرچہ یونانی افسانوں نے عیسائی مذہب میں کوئی حصہ نہیں ڈالا لیکن یونانی گیت کی شاعرانہ ترقی کا اس شکل سے بہت زیادہ تعلق تھا جس میں بعد ازاں مسیحی کلیسیا کے ابتدائی یونانی مذہبی گیت ڈھال دیے گئے۔ لیکن محض یونانی ہی مذہبی گیتوں کے لیے قلبی عقیدے تک حامل نہیں تھے۔ یہ

قلبی وروحانی واردات قدیم زمانے کی تمام مہذب قوموں پر غالب تھیں۔ مصری مذہبی روایات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ دن میں چار بار مرتبہ (طلوع آفتاب، دوپہر، غروب آفتاب اور رات میں)مذہبی گیت بڑے جوش و خروش سے گاتے تھا۔

۲۔ عبرانی مذہبی گیت:

عبرانیوں میں مذہبی گیت کا آغاز ان کی وطنی زندگی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے، حالانکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ان کے آباؤ اجداد نے طویل عرصے تک غلامی کی زندگی بسر کی۔ جب بنی اسرائیل مصر کی غلامی سے آزاد ہوئے اور انہوں نے ابھی سمندر کے کنارے ڈیرہ لگایاہی تھاتب فرعون کو خبر ملنے پر اس کا دل اور پتھر ہوا تو وہ سینکڑوں رتھ لیے ان کا پیچھا کرتا ہوا بنی اسرائیل کے قریب جاپہنچا۔ تب بنی اسرائیل خوف زدہ ہوئے اور انہوں نے خداوند سے فریاد کی۔ تب موسیٰ نے بنی اسرائیل سے خوف زدہ نہ ہونے کا کہا اور انہیں تلقین کی کہ وہ ہمت باندھے رکھیں اور اس پہ کامل ایمان رکھیں اور خاموشی سے خدا کے عجیب کام کے منتظر رہیں کیونکہ جن مصریوں کو وہ آج دیکھ رہیں پھر کبھی نہ دیکھ پائیں گے۔ پھر خدا کے حکم کے مطابق موسیٰ نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایاتو سمندر دو حصے ہوا اور بیچ و بیچ خشک زمینی رستہ نکلا اور ان کے دہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی صورت تھا اور بنی اسرائیل نے تسلی سے سمندر پار کیا اور فرعون اور اس کی مصری فوج بھی موسیٰ اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں آگے بڑھے۔ اور خدا کا فرشتہ جو بنی اسرائیل کے آگے آگے چل رہا تھا۔ بادل کے ستون کی طرح ان کے پیچھے جا ٹھہرا یعنی وہ بنی اسرائیلی لشکر اور مصری لشکر کے درمیان میں رہا۔ یوں بنی اسرائیل چلتے رہے اور مصری ان کے قریب نہ آسکے اور رات کے پچھلے پہر مصریوں کے دل خوف سے بھرے اور خدا کی طرف سے ان کے رتھوں کے پہیے ناکارہ ہوئے۔ تب وہ ڈرے اور کہنے لگے کہ خدا خود اسرائیل کی طرف سے جنگ لڑتا ہے آؤ ہم ان اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگ نکلیں اور موسیٰ نے خدا کے حکم کے عین مطابق اپنا ہاتھ سمندر کی طرف بڑھایا تا کہ پانی مصریوں کی طرف بہے اور یوں صبح ہوتے ہوتے سمندر اپنی اصل حالت میں پھر سے آیا۔ اور مصری لشکر سمندر میں تہ وبالا ہوا اور فرعون اور اس کا لشکر اپنے رتھوں سمیت سمندر میں غرق ہوا اور ان میں سے ایک بھی اپنی جان نہ بچا سکا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل سمندر پر خشک رستے سے پار اترے اور پانی ان کے دائیں اور بائیں دیوار کی طرح رہا۔ یہ وہ دن تھا جب خدا نے بنی اسرائیل کو مصریوں کے ہاتھوں بچایا۔ اسی نے ان کے لیے جنگ کی اور انہوں نے

سمندر کے کنارے مصریوں کو مرے پڑے دیکھا۔ سو بنی اسرائیل نے اور بھی خداوند کا خوف اپنے دل میں رکھا اور وہ خدا اور موسیٰ پر ایمان رکھنے لگے۔ اس وقت موسیٰ اور بنی اسرائیل نے مل کر گیت گایا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"تب موسیٰ اور بنی اسرائیل نے خداوند کے لیے یہ گیت گایا اور یوں کہنے لگے: میں خداوند کی ثناء گاؤں گا کیونکہ وہ جلال کے ساتھ فتح مند ہوا۔ اس نے گھوڑے کو سوار سمیت سمندر میں ڈال دیا۔ خداوند میرا زور اور راگ ہے۔ وہی میری نجات بھی ٹھہرا۔ وہ میرا خدا ہے۔ میں اس کی بڑائی کروں گا۔ وہ میرے باپ کا خدا ہے میں اس کی بزرگی کروں گا۔ خدا صاحبِ جنگ ہے۔ یہواہ اس کا نام ہے۔ فرعون کے رتھوں اور لشکر کو اس نے سمندر میں ڈال دیا اور اس کے چیدہ سردار بحر قلزم میں غرق ہوئے۔ گہرے پانی نے ان کو چھپا لیا۔ وہ پتھر کی مانند تہہ میں چلے گئے۔ اے خداوند تیرا دہنا ہاتھ قدرت کے سبب سے جلالی ہے۔ اے خداوند تیرا دہنا ہاتھ دشمن کو چکنا چور کر دیتا ہے۔" (۱۶)

یہ گیت اس لیے گایا گیا کیونکہ خداوند نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرایا۔ اور فرعون اور اس کے مصری لشکر کو رتھوں سمیت غرق کیا۔ اس گیت کے ساتھ ساتھ ہمیں مریمؑ کے گیت کا بھی حوالہ ملتا ہے۔ بائبل مقدس میں خروج کی کتاب میں اس حوالے کو مزید پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ:

"تب ہارونؑ کی بہن مریمؑ نبیّہ نے دف ہاتھ میں لیا اور سب عورتیں ناچتی ہوئی اس کے پیچھے چلیں اور مریم ان کے گانے کے جواب میں یہ گاتی تھی: خداوند کی حمد و ثنا گاؤ کیونکہ وہ جلال کے ساتھ فتح مند ہوا۔ اس نے گھوڑے کو اس کے سوار سمیت سمندر میں ڈال دیا ہے۔"

(خروج ۱۵ باب: ۲۰ آیت)

ظاہر ہے کہ یہ کسی نوخیزوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ نہ ہی وہ اس کا اظہار خیال کر سکتے ہیں جن کے لیے مذہبی گیت گانا ایک غیر عملی فن ہے۔ پس اس تحریک کی ترویج کے لیے تمام وہ عوامل بے حد ضروری ہیں جو اس خاص شعبہ ہائے زندگی میں مذہبی روایات اور تہذب و ثقافت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ شاید باری باری مصرعوں اور جوابی مصرعوں کے انداز میں گایا گیا۔ موسیٰ اور چند آدمی ایک طرف جبکہ مریم اور دوسری عورتوں نے دوسری طرف سے جواب دیا۔ اس طرح دنیا بھر کے ادب میں یہ کوائر کی صورت میں گانے کی سب سے قدیم

قسم کے مرد اور عورتیں ہیں اور یہ بہترین انداز بیان میں سے ایک بھی ہے۔اس گیت نے کسی حد تک آنے والی نسلوں کے لیے ایک نمونہ کے طور پر بھی کام کیا۔اور اس نے نہ صرف یہودیوں کی خدائی تعریف کی شکل کو طے کیا، بلکہ اپنے الٰہی نجات دہندہ کے یہودی تصور کو بھی" صاحبِ جنگ" کے طور پر وضع کیا۔

اس وقت سے عبرانی گانا دوسری تمام قوموں سے ممتاز رہا ہے کیونکہ یہ تقریباً صرف یہوواہ کی عبادت میں استعمال کیا جاتا تھا۔ دوسری قوموں کی شاعری بہت سے مضامین کا احاطہ کرتی تھی۔ لیکن اسرائیل کی شاعری ایسی نہیں تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ اسے اپنے آپ میں تقریباً مقدس سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ اس میں دیگر غیر اخلاقی یا دنیاوی مضامین کو جگہ نہ دی جاتی تھی۔چونکہ اس کا مقصد بہت بلند تھا اور اسے الہیٰ الہام کی رہنمائی بھی حاصل تھی اسی وجہ سے عبرانیوں کی شاعری نے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بے مثال درجہ حاصل کیا۔اور یہ حقیقت ہے کہ عبرانی مذہبی گیتوں کی نہ صرف ایک مخصوص شکل تھی بلکہ جداگانہ حیثیت بھی۔

عبرانی تاریخ کی ترقی میں مذہبی گیت کو گا کر پیش کرنے سے ادب میں جو بھرپور اور متنوع ذخیرہ جمع ہوا اسے آنے والی نسلوں نے ناقابل تسخیر پایا۔ حضرت داؤد بادشاہ کے دور حکومت میں حضرت داؤد بادشاہ کی مثال سے حوصلہ افزائی ملتی ہے، کیونکہ ان کے توسط مقدس مذہبی گیت کی پیش کش کو ایک نئی تحریک ملی۔ اس دور میں خیمہ گاہ کی عبادت کو بہت زیادہ تقویت ملی۔ایک بڑے پیمانے پر مذہبی گیت کی ترقی و ترویج میں خدمات سرانجام دی گئیں اور عبادت کے سلسلے میں اس سے مستفید بھی ہوتے رہے۔

حضرت داؤد کے دورِ حکومت میں جب حضرت داؤد بادشاہ نے اپنے شہر میں محل بنوایا اور اس کے ساتھ ساتھ ایک خیمہ تعمیر کرایا جس میں خدا کے صندوق کے لیے پاک ترین مقام تیار کروایا گیا۔ تو اس نے حکم صادر کیا کہ خدا کے عہد کے صندوق کو اٹھانے کی لاویوں کے سوا کسی اور کو اجازت نہیں کیونکہ انہیں ہی خدا کی خدمت کے لیے چنا گیا تھا۔ سو لاویوں میں سے بعض کو مقرر کیا گیا کہ وہ موسیقی کے ساز بجائیں خوشی و مسرت سے بلند آواز میں گائیں۔ اور لاویوں میں سے مقرر ہونے والوں میں ہیمانؔ، آسفؔ اور ایتانؔ مقرر ہوئے۔ اور لاویوں کا ایک سردار جس کا نام کنانیاہؔ تھا اسے خاص طور پر گیت پر مقرر کیا گیا۔ وہ گیت سکھانے کا کام کرتا تھا کیونکہ وہ اس کام میں ماہر تھا۔ سو وہ گاتے ہوئے خدا کے صندوق کو خیمہ میں لے کر آئے سو انہوں نے حمد و ستائش کا یہ گیت گایا:

"خداوند کی شکر گزاری کرو۔ اس سے دعا کرو۔ قوموں کے درمیان اس کے کاموں کا اشتہار دو اس کے حضور گاؤ۔ اس کی مدح سرائی کرو اس کے سب عجیب کاموں کا چرچا کرو اس کے پاک نام پر فخر کرو۔ جو خداوند کے طالب ہیں ان کا دل خوش رہے۔"(۱۷)

اور جب حضرت داؤد بوڑھے ہوئے اور انہوں نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان کو حکومت سونپی تو لاویوں کو کچھ ذمہ داریاں دیں۔ لکھا ہے کہ:

"ان میں سے چوبیس ہزار خداوند کے گھر کے کام کی نگرانی پر مقرر ہوئے اور چھ ہزار سردار اور منصف تھے۔ اور چار ہزار دربان تھے اور چار ہزار ان سازوں سے خداوند کی تعریف کرتے تھے جن کو میں نے یعنی داؤد نے مدح سرائی کے لیے بنایا تھا۔"(۱۸)

یعنی اس عہد میں تقریباً چار ہزار موسیقاروں اور گلوکاروں کی ایک بڑی کوائر بنائی گئی اسے اکٹھا کیا گیا اور اس کو تربیت دی گئی۔ عظیم مذہبی موسیقی کے تہواروں کا اہتمام کیا گیا، اور منظم و منظوم تعریف و مدح عبرانی عبادت کی ایک مستقل خاصہ بن گئی۔ ان موسیقاروں کو لاوی کے قبیلے سے لیا جاتا تھا۔ آسف گیت گانے کے ساتھ ساتھ تمام سازوں پر رہنما تھا۔ کنانیاہ گیت سکھانے میں رہنمائی کرتا تھا۔ اسی گروہ کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا۔ اسی حوالے سے بائبل مقدس سے یہ آیات دیکھیں:

"پس گانے والے ہیمان، آسف اور ایتان مقرر ہوئے کہ پیتل کی جھانجھوں کو زور سے بجائیں۔

۔۔۔۔ کنانیاہ لاویوں کا سردار گیت پر مقرر تھا۔ وہ گیت سکھاتا تھا کیونکہ وہ بڑا ہی ماہر تھا۔"(۱۹)

یہ لوگ موسیقار ہونے کے ساتھ ساتھ گویّے بھی تھے اور متعدد زبوروں کے منظوم نگار بھی یعنی ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے خداوند کی حمد کے لیے بہت سے گیت لکھے۔ حضرت داؤد کے تمام انتظامات کو حضرت سلیمان کے ماتحت ہیکل کی خدمات کے لیے بڑھا دیا گیا تھا اور ان کی موسیقی شاید سب سے زیادہ شاندار تھی جو خدا کی عبادت میں استعمال کی گئی ہے۔

اس وقت سے یہودی سکولوں میں مقدس موسیقی باقاعدگی سے پڑھائی جانے لگی اور لوگ عموماً اس میں ماہر ہو جاتے تھے۔ جب انہیں دور دراز بابل پہنچایا گیا تو ان کی دھنوں کی شہرت نے ان کو قید کرنے والوں کی دلچسپی کو پرجوش کر دیا جنہوں نے ان پر زور دیا کہ وہ ان کے لیے صیون کے گیت گائے۔ لیکن درخواست مسترد کر دی گئی۔ ان کے غیر مہذب ماحول، ان کے اجنبی سامعین، اور ان کی اپنی قابل رحم حالت نے اسرائیل کی مذہبی روایات کو

خاموش کر دیا اور ایک طویل نسل تک ان کے بربط کو بے ساختہ چھوڑ دیا گیا اور ان کے مذہبی گیت بِنا کسی آواز کے فقط دلوں میں دب کر رہ گئے۔ لیکن قید سے واپسی پر مذہبی گیت کی تشکیل اور مشق دونوں دوبارہ شروع کر دی گئیں۔ اور یہ سلسلہ حضرت مسیح یسوعؑ کے زمانے تک بھی جاری وساری ملتا ہے۔

۳۔ابتدائی مسیحی مذہبی گیت:

حضرت مسیح کے جی اٹھنے کے بعد ابتدائی کلیسیا کے اراکین نے کچھ عرصے تک یہودیوں کے مذہبی گیتوں کو اپنی عبادت کا حصہ بنایا لیکن بہت جلد وہ اپنے مذہبی گیت لکھنے اور گانے لگے جن میں خاص طور پر مسیحی عقیدے کو بنیاد بنا یا گیا۔ ان میں سے کچھ پہلے سے رائج شدہ مذہبی گیتوں کی تقلید تھے جبکہ بعض اگرچہ تقلید تو نہ تھے البتہ پاکیزہ ایمان کی پیداوار تھے۔ ان میں سے سات قدیم ترین مسیحی مذہبی گیت درج ذیل ہیں:

The Gloria in Excels is : اسے "فرشتے کا گیت" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ابتدائی الفاظ بیت الحم میں فرشتہ کے گانے سے لیے گئے ہیں۔ دوسری صدی کے ابتدائی سال میں اسے انگریزی شکل میں ڈھالا گیا جس کی صورت کچھ ایسی تھی۔

"Glory be to God on high

And in earth peace, goodwill towards men,

We praise thee, we bless thee,

We worship thee, we glorify thee,

We give thanks to thee, for thy great glory

O Lord God, heavenly King,

God the Father Almighty."(۲۰)

ترجمہ:

فرشتے کا گیت

"عالم بالا پر خدا کی تمجید ہو

اور زمین پر ان آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے صلح

ہم تیری ستائش کرتے ہیں۔ ہم تیری حمد کرتے ہیں

ہم تیری پرستش کرتے ہیں۔ ہم تیری ثنا گاتے ہیں

اس بڑی خوشخبری کے لیے جو تو نے ہمیں عطا کی ہم تیرے شکر گزار ہیں

اے میرے خدا۔ اے میرے آسمانی بادشاہ

اے خُداوند قادرِ مطلق"

The Gloria Patri: جو"Lesser Doxology" کہلاتا ہے۔ اس گیت کو کروبی گیت بھی کہا جاتا ہے۔ اس مذہبی گیت کی صورت کچھ ایسی تھی۔

"Glory to the Father and to the Son

And to the Holy Spirit;

As it was in the beginning

Is now and will be for ever.

Amen"(۲۱)

ترجمہ:

" خدا باپ اور بیٹے

اور روح القدس کی تقدیس ہو

جیسا کہ یہ ابتدا میں تھا

اب ہے اور اس کی سلطنت کا آخر نہ ہو گا

آمین"

The Ter Sanctus: یہ یسعیاہ کے "قدوس قدوس قدوس" پر مبنی ہے۔ جس کا حوالہ ہمیں یسعیاہ (باب ٦: آیت ۳) اور مکاشفہ (باب 4: آیت 8) میں ملتا ہے۔ اس کی انگریزی صورت کچھ ایسی تھی:

Holy, holy, holy, lord god of hostes,

heven and earth are ful of thy glory,

glory be to the, O Lord most hyghe.

Holy, Holy, Holy, Lord God of hoſts,

heaven and earth are full of thy glory;

Glory be to thee, O Lord Moſt High.(۲۲)

ترجمہ:

"قدوس قدوس قدوس۔۔۔اے میزبان خدا

آسمان اور زمین تیرے جلال سے معمور ہیں

تیری ہی تمجید ہو۔۔اے سب سے متبرک ذات

قدوس قدوس قدوس۔۔۔اے رب العالمین خدا

آسمان اور زمین تیرے جلال سے معمور ہیں

تیری ہی تمجید ہو۔۔۔اے سب سے بلند و بالا ذات"

The Hallelujah : یہ گیت دراصل لوگوں کے رب الافواج خدا کی ستائش کے رد عمل کا گیت ہے۔ کئی صدیوں تک یہ عبرانی شکل میں استعمال ہوتا رہا۔

"Halleluya! We sing your praises

All our heart are filled with gladness,

Halleluya! We sing your praises

All our heart are filled with gladness"(۲۳)

ترجمہ:

"ہالیلویاہ! ہم تری مدح سرائی کرتے ہیں

ہمارے دل خوشی سے بھر گئے ہیں

ہالیلویاہ! ہم تری مدح سرائی کرتے ہیں

ہمارے دل خوشی سے بھر گئے ہیں"

The Magnificat : اسے کنواری مریم کا گیت بھی کہا جاتا ہے جب خدا کا فرشتہ کنواری مریم کو حاملہ ہونے کی خوشخبری کا پیغام دیتا ہے تو فرشتے کا پیغام سننے کے بعد مریم ایک گیت گاتی جس میں وہ خدا کی بڑائی کرتی ہے ۔زیرِ بحث گیت میں اسی گیت کے الفاظ کا استعال کیا گیا۔

"My soul doth magnify the Lord,

and my spirit hath rejoiced in God my Saviour.

For he hath regarded the lowliness of his handmaiden.

For behold, from henceforth all generations shall call me

blessed.

And his mercy is on them that fear him throughout all

generations."(۲۴)

ترجمہ:

میری جان خدا کی بڑائی کرتی ہے

اور میری روح نے میرے نجات دہندہ خدا میں خوشی منائی ہے

کیونکہ اُس نے اپنی بندی کی عاجزی کا خیال رکھا ہے

کیونکہ دیکھو، اب سے تمام نسلیں مجھے مبارک کہیں گی

اور اُس کی رحمت اُن پر ہے جو نسل در نسل اُس سے ڈرتے ہیں

The Benedicite: یہ گیت درحقیقت زبور ۱۴۸ سے اخذ شدہ ہے۔

اس گیت سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"Glorify the lord, all you works of the lord,

Praise him and highly exalct him for ever

In the firmament of his power, glorify thew Lord,

Praise him and highly exalt him for ever. "(۲۵)

ترجمہ:

"رب کی حمد کرو، تم سب جو خداوند کی خدمت کرتے ہو

اُس کی ستائش کرو اور اُسے ہمیشہ کے لیے سربلند کرو

اس کی قوت کے آسمان میں، رب کی حمد کرو

اُس کی ستائش کرو اور اُسے ہمیشہ کے لیے سربلند کرو"

The Nunc Dimittis: یروشلم میں شمعون نامی ایک عمر رسیدہ شخص جو نہایت راستباز تھا۔ یہ بڑا ہی خدا ترس انسان تھا اور اپنے دل میں اسرائیل کی تسلی کا منتظر بھی تھا۔ اسے خدا کی طرف سے آگاہی ہوئی تھی جب تک یہ حضرت مسیح یسوعؑ کو نہیں دیکھے گا موت کو نہ چکھے گا۔ شریعت کے دستور کے مطابق جب حضرت یوسف اور حضرت مریم حضرت یسوعؑ مسیح کو ہیکل میں لے کر گئے تو خدا کی طرف سے ہدایت پا کر شمعون نامی یہ شخص بھی وہیں موجود تھا اور اس نے ننھے بچے کو اپنی گود میں لے کر ایک گیت گایا (لوقا ۲ باب: ۲۸ آیت)۔ زیرِ بحث گیت میں شمعون نامی اس شخص کے اسی گیت کے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ عام طور پر شام کی عبادت میں گایا جاتا تھا اسی سبب سے اسے شام کا گیت بھی کہا جاتا تھا۔

اس گیت سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"O Lord my God, because my heart
Have longed earnestly,
My Lord and savior to behold,
And see before I die;
The joy and health of all mankind,
Desired long before;
Who now is come into the world
Lost man for to restore."(۲۶)

ترجمہ:

اے خداوند میرے خدا، کیونکہ میرا دل

شدت سے آرزو مند تھا
کہ اپنے رب اور نجات دہندہ کو
مرنے سے پہلے دیکھ لوں
تمام بنی نوع انسان کی خوشی اور تندرستی
بہت پہلے سے جنم لے لینے والی تمنا اب پوری ہوئی
کہ وہ اب دنیا میں آیا ہے
بھٹکے ہوئے آدم کی بحالی کے لیے

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ان مسیحی گیتوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوتا گیا۔ تیسری صدی کے پہلے نصف میں مذہبی گیت کی بھرمار تھی جس میں سے اب بہت کم رہ گیا ہے۔ اس دور سے تعلق رکھنے والا واحد مذہبی گیت جو ہم تک پہنچا ہے تقریباً ۲۲۰ عیسوی کے اسکندریہ کے کلیمینس (Clemens of Alexandria) سے منسوب ہے۔ Titus Flavius Clemens نے (paganism) کافرازم سے مذہب تبدیل کیا اس نے ایک پریسبیٹر مقرر کیا وہ اسکندریہ کے کیٹیکیٹیکل اسکول میں پینٹینس کا جانشین بن گیا۔ اوریجن (Origen) ان کے شاگردوں میں سے ایک تھا۔ جس کا ایک مذہبی گیت بے حد مقبول ہوا۔ اس گیت کا انگریزی ترجمہ ریورنڈ ہنری مارٹن ڈکسٹر، ڈی۔ڈی (Rev. Henry Martyn Dexter, D.D.) نے کیا۔ ہنری مارٹن 'باسٹن کے دی کنگریگیشنل (The Congregationalist, Boston.) میں ادارت کی خدمات انجام دیتے تھے۔

۴۔ قدیم مذہبی گیت نگار:

1۔ مسیحی مذہبی گیت نگار:

i۔ یونانی مذہبی گیت نگار:

Gregory of Nazianzus (سینٹ گریگوری نازیانزین ۳۲۵ء تا ۳۹۰ء):

یونانی شاعری میں مذہبی گیتوں کا سہرا گریگوری کے سر جاتا ہے۔ ان کی پیدائش نازیانزین کے ایک قصبے میں ہوئی ۔اس کے والد ایک بشپ تھے اور وہ خود بھی بشپ ہی بنے۔ ان کا شمار یونان کے عظیم بشپوں میں کیا جاتا ہے۔ ان کی زندگی مہم جوئی سے بھرپور تھی۔ ان کی تعلیم کا آغاز کاپاڈوشیا سے ہوتا ہے اور یہ تعلیمی سلسلہ اسکندریہ اور ایتھنز تک جا پہنچتا ہے اور فقط انہی علاقوں میں دس سال تک جاری رہتا ہے جہاں وہ جولین دی اپوسٹیٹ Julian the

Apostate کے ہم جماعت تھے۔ اپنے والد کے کوڈجوٹر (coadjutor) کے طور پر خدمات انجام دینے کے بعد انہیں ۳۷۹ء میں قسطنطنیہ کا بشپ بنا دیا گیا ۔وہاں انہوں نے دو سال گزارے۔ ان کی زندگی کے آخری سال ریٹائرمنٹ میں گزرے اِسی دوران انہوں نے بیشتر مذہبی گیت لکھے ۔اسی حوالے سے ان کے ایک گیت "A Hymn to the Divinity" "الوہیت کا گیت" سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"You stand above all things that are.
What other way could we rightly begin to sing of you?
How can words chant your praise
When no word can ever speak of you?
How can the mind consider you
When no thought can ever grasp you?
You alone are unutterable
From the time you created all things that can be spoken of." (۲۷)

ترجمہ:

تیرا رتبہ ہر اک شے سے بلند و بالا ہے
ہم تری ستائش کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟
تیری تعظیم لفظوں میں ممکن ہی نہیں
کوئی بھی لفظ تیری تعظیم کے لیے بول ہی کب سکتا ہے؟
سوچ میں تری ذات کیسے سما سکتی ہے؟
کوئی بھی سوچ تیری ذات کو کیسے مقید کر سکتی ہے؟
تُو وہ واحد ذات ہے جو نا قابلِ بیان ہے

اس پل سے جب سے تو نے ہر وہ شے خلق کی جو قابل تعریف ہے

یونان کے گرجا گھروں کی شاعری کا ابتدائی دور گریگوری کے بعد تقریباً ۶۵۰ء تک جاری رہا۔ یہ اگلی دو صدیوں کے لیے یعنی ۸۵۰ء تک اپنے عروج پر رہا۔ پھر ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کے زوال کے ساتھ ختم ہوا۔

Saint Anatolius (اناتولینز۔ تا۴۵۸ء):

اناتولیز کی پیدائش اسکندریہ میں ہوئی تھی۔ ان کے سن پیدائش کا یقینی طور پر دعویٰ نہیں کیا سکتا البتہ یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ سینٹ گریگوری نازیانزین کے بعد کا گیت نگار ہے۔ انہیں اسکندریہ کے سیرل نے ایک ڈیکن مقرر کیا تھا۔ وہ ۴۳۱ء میں ایفسس میں تیسری ایکومینیکل کونسل میں موجود تھے۔ ۴۵۸ء میں ان کا قتل ہوا۔ وہ یونانی زبان کے ایک نامور گیت نگار ہیں۔ یونانی مذہبی گیت نگاری کے اوائل دور میں ان کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے گیت "The Day is Past and Over" "دن ڈھل گیا اور بیت چکا ہے" سے نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"The day is past and over
All thanks, O Lord , to Thee!
We pray Thee that offense less
the hours of dark may be.
O Jesus, keep us in the sight,
And guard us through the coming night."(۲۸)

ترجمہ:

دن ڈھل گیا اور بیت چکا
ساری شکر گزاری تیری ہے اے رب!
ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ قدوس ہے
اندھیرے کی مدت طویل ہو سکتی ہے

اے یسوع! ہمیں اپنی نظر کرم کر

اور آنے والی رات تک ہماری حفاظت فرما

Saint Anderew of Jerusalem (سینٹ اینڈریو : ۶۶۰ء تا ۷۴۰ء):

سینٹ اینڈریو کی پیدائش ۶۶۰ء میں دمشق میں ہوئی۔انہوں نے یروشلیم میں خانقاہی زندگی کو اپنایا۔۶۸۰ء میں انہیں یروشلم کے سرپرست' تھیوڈور نے قسطنطنیہ میں چھٹی جنرل کونسل میں شرکت کے لیے تعینات کر کے وہاں کا ڈیکن مقرر کر دیا۔اس کے ساتھ ساتھ انہیں یتیم خانے کے وارڈن کے فرائض بھی سونپے گئے۔وہ ۷۴۰ء میں خالق حقیقی سے جا ملے۔یونانی مذہبی گیت نگاری میں ان کی اہم خدمات ہیں۔ان کے گیت "Christian , dost thou see them" "مسیحیو! کیا تمھیں دِکھتی ہیں؟" سے یہ نمونہ کلام دیکھیں:

"Christian , dost thou see them

On the holy ground,

How the powers of darkness

Compass thee around?

Christian, dost thou see them

Christian , up and smite them,

Counting gain but loss,

In the strength that cometh,

By the Holy cross."(۲۹)

ترجمہ:

مسیحیو کیا تم کو دِکھتی ہیں؟

اس مقدس زمین پر

تاریکی کی قوتیں

وہ کس طرح تمھیں گھیرا کیے ہوئے ہیں؟

مسیحیو کیا تم کو دِکھتی ہیں

مسیحیو اٹھو! اور ان پر غالب آؤ
گنتی کا فائدہ اور نقصان
سو اس قوت کو اپنالو
جو صرف یسوع کی صلیب سے ملتی ہے

Saint John (سینٹ جان : ۶۷۵ء تا ۷۸۷ء):

ان کی پیدائش ۶۷۵ء میں ہوئی۔ وہ دمشق کے ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے رضاعی بھائی کوسماس کے ساتھ مل کر تعلیم حاصل کی اور اسی کے ساتھ یروشلم کے قریب سینٹ سباس کی لورا میں ریٹائر ہو گئے۔ وہاں انہوں نے مذہبی گیت لکھنا شروع کیے۔ انہیں اخیر عمر میں یروشلم کے چرچ کا پادری مقرر کیا گیا تھا۔ وہ انتہائی بڑھاپے تک زندہ رہے۔ ۷۸۷ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ یونانی حمد و ثنا کے سب سے بڑے گیت نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے ایک مقبول گیت "The Day of Resurrection" سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"The day of resurrection!
Earth , tell it out abroad;
The Passover of gladness,
The Passover of God.
From the life eternal,
From earth unto the sky,
Our Christ hath brought us over,
With hymns of victory."(۳۰)

ترجمہ:
عید قیامت کا دن!
اے زمین، یہ سب باہر والوں کو بتاؤ
خوشی کی عید
خدا کی فسح
موت سے ابدی زندگی تک

زمین سے آسمان تک
ہمارا مسیح ہمیں لے آیا ہے
فتح کے نعروں کے ساتھ

Saint Cosmas (سینٹ کاسماس : ۷۰۶ء تا ۷۶۰ء):

ان کی پیدائش ۷۰۶ء میں ہوئی۔ انہیں دمشق کے سینٹ جان کے والد نے گود لیا تھا۔ دونوں رضاعی بھائی ایک ساتھ سینٹ سباس چلے گئے اور وہاں گیت نگاری میں ایک دوسرے کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ ایک دوسرے کی مدد بھی کی۔ وہ ۷۴۳ء میں مائیوما کا بشپ منتخب ہوئے۔ ان کی وفات تقریباً ۷۶۰ء میں ہوئی۔ اس کا شمار یونانی کلیسیائی شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کے گیت "Christ is born ! tell forth his fame" سے یہ کلام نمونے کے طور پر ملاحظہ ہو:

"Christ is born , tell forth his fame!
Christ from Heaven! His love proclaim!
Christ on earth! Exalt His Name!
Sing to the LORD, O world, with exultation!
Break forth in glad thanksgiving, every nation!
For He hath triumphed gloriously!"(۳۱)

ترجمہ:
مسیح پیدا ہوا ہے! اس کی شہرت کو بیان کرو!
عرش سے آنے والے مسیح کی محبت کا اعلان کرو!
زمین پر اس کے نام کو بلند کرو!
اے دنیا، خوشی سے رب کے لیے گاؤ!
سب قومو! خوشی سے تشکر میں آگے بڑھو
کیونکہ اس نے شاندار فتح حاصل کی ہے!

Saint Stephen (سینٹ سٹیفن : ۷۲۵ء تا ۷۹۴ء):

سینٹ سٹیفن سینٹ جان کے بھتیجے تھے۔ وہ ۷۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت کا سہرا بھی سینٹ سباس کے سر ہے جہاں انہیں ان کے چچا نے اس وقت رکھا جب وہ صرف دس سال کے تھے اور جہاں وہ پچاس سال رہے۔ اگر ان کے تراجم کو پرکھا جائے تو بلاشبہ وہ آج تمام یونانی حمدیہ گیت نگاروں میں سب سے زیادہ محبوب قرار پائیں گے۔ ان کا انتقال ۷۹۴ء میں ہوا۔ ان کے گیت " Art thou weary,art thou languid?" سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"Art thou weary, heavy laden,
Art thou sore distrest?
"come to Me," saith one", and coming,
Be at rest"(۳۲)

ترجمہ:

کیا تم تھکے ماندے ہو، بھاری بھر کم بوجھ سے
کیا تم پریشان ہو؟
"میرے پاس آؤ" ایک آواز آتی ہے' اور آرہا ہے
آرام و اطمینانی میں رہو۔

Saint Joseph (سینٹ جوزف : ۸۱۰ء تا ۸۸۶ء):

جوزف، سینٹ سسلی کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے ۸۳۰ء میں تھیسالونیکا میں خانقاہی زندگی کے لیے سسلی چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ قسطنطنیہ چلے گئے۔ اور ظلم و ستم کے دوران اسے بھی روم جانے کے لیے خیر باد کہا۔ وہ کئی سالوں تک کریٹ میں ایک غلام بن کر رہے' جسے قزاقوں نے پکڑ لیا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد وہ قسطنطنیہ واپس چلے گئے۔ انہوں نے وہاں چرچ آف سینٹ جان کریسسٹم کے سلسلے میں ایک خانقاہ قائم کی جو ان کی فصاحت و بلاغت کی بدولت قیدیوں سے بھر جاتی تھی۔ انہیں جلاوطن کر دیا گیا لیکن مہارانی تھیوڈورا نے انہیں واپس بلا لیا اور اسے قسطنطنیہ کے عظیم چرچ میں مقدس برتنوں کی نگرانی کا عہدہ سونپ دیا۔ وہ ۸۸۶ء میں انتقال کر گئے۔

وہ یونانی حمدیہ نگاروں میں بہت اہمیت کا حامل ہیں۔ اپنے عہد کے عظیم لکھنے والوں میں سینٹ جوزف کا شمار سب سے زیادہ مذہبی گیت لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ان کے گیت "Let the saints new anthems raise " سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"Let the saints new anthems raise:
Wake the morn with gladness:
God Himself, to joy and praise,
Turn the martyrs' sadness:
This the day that won their crown,
Opened heaven's bright portal,
As they laid the mortal down,
And put on the immortal,"(۳۳)

ترجمہ:

خادموں کے نئے ترانے بلند کرنے دو
صبح کو خوشی سے بیدار کرو
خُدا خود، خوشی اور تعریف کے لیے
شہداء کے غم کو بدل دیتا ہے
یہ وہ دن ہے جس نے ان کے لیے تاج جیت لیا
اور آسمان کا روشن دروازہ کھولا
جیسا کہ انہوں نے فنا کو رد کیا
اور ابدیت کو پہن لیا

ii۔لاطینی مذہبی گیت نگار:

Saint Hilary of Poitiers (سینٹ ہیلری: ۲۶۷ء تا ۳۶۷ء):

سینٹ ہیلری ۲۶۷ء میں پوئٹیئرز کے ایک نامور' دولتمند اور معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بہترین کلاسیکی تعلیم حاصل کی۔ ان کی پرورش گال کے شاندار اسکول میں ہوئی۔ کم عمری میں ہی انہوں نے شادی کی

جس سے اس کی ایک بیٹی تھی۔ تقریباً ۳۵۰ء میں وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ' اپنے خاندان کے کافر مذہب کو چھوڑ کر ایک متقی اور عقیدت مند مسیحی بن گئے۔ اپنے بپتسمہ کے بعد انہوں نے اپنے ساتھی مسیحیوں کی عزت اور محبت حاصل کی۔ ۳۵۳ء میں وہ اپنے آبائی شہر میں ایک جگہ خالی ہونے پر ڈیکن کے عہدہ کے لیے منتخب ہوئے۔

۳۵۶ء میں انہیں شہنشاہ کانسٹینٹیئس نے جلاوطنی میں فریجیا بھیجا۔ ان کی جلاوطنی ۳۶۲ء تک جاری رہی جب وہ شہنشاہ کی ہدایت پر پوکٹیرس واپس آئے حالانکہ ان کی جلاوطنی کی سزا کو باضابطہ طور پر منسوخ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اسی سال کے آخر میں پوئٹیئرز کو چھوڑ دیا اور دو سال اٹلی میں گزارے۔ انہیں دوبارہ ۳۶۴ء میں نئے شہنشاہ ویلنٹینین نے گال واپس بھیج دیا۔ ہیلری پوئٹیئرز میں اپنی آخری واپسی کے بعد تقریباً تین سال تک زندہ رہے اور ۱۳ جنوری ۳۶۸ء کو انتقال کر گئے۔ ان کا شمار لاطینی گیت نگاروں میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے گیت "Rejoice ! The Year upon its way" سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"Rejoice , the year upon its way
Has brought again this blessed day
when on the church by Christ our Lord
the Holy Spirit was outpoured."(۳۴)

ترجمہ:

جشن مناؤ کہ نیا سال اپنے راستے پر ہے
اور دوبارہ ایک مبارک دن لایا ہے
جب ہمارے خداوند مسیح کے وسیلے سے کلیسیا پر
روح القدس کا نزول ہوا تھا

Ambrose (ایمبروز: ۳۴۰ء تا ۳۹۷ء):

ہیلری کے بعد لاطینی مذہبی گیت نگاری میں بلاشبہ میلان (Milan) کے بشپ **ایمبروز (Ambrose)** کا نام آتا ہے جنہوں نے ہیلری کے شاعرانہ فن کو نہ صرف اپنایا بلکہ آگے بھی بڑھایا۔ انہوں نے نہ صرف مذہبی گیت نگاری کی بلکہ چرچ کی موسیقی میں بھی اپنے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ انہی خدمات کی بدولت انہیں لاطینی

چرچ کی 'موسیقی کا باپ' کہا جاتا ہے۔ ان کی وفات ۳۹۷ء میں ہوئی۔ ان کے مشہور گیت the ending of the "Before day" سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"Before the ending of the day
Creator of the world , we pray.
Your grace and peace to us allow
And guard and keep your people now."(۳۶)

ترجمہ:

دن کے اختتام سے پہلے
اے دنیا کے خالق، ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں
تیرا فضل اور سلامتی ہمیں مختار بناتا ہے
اور محافظ بن اور اپنے لوگوں کے ساتھ ہو

Prudentius(پروڈنٹیئس : ۳۴۸ء تا ۴۱۰ء):

امبروز (Ambrose) کے بعد **پروڈنٹیئس (Prudentius)** کا نام آتا ہے جنہیں 'پہلا مسیحی شاعر' کہا جاتا ہے۔ وہ اسپین میں سارگوسا (Saragossa) کے قریب ۳۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ جب اس کی عمر ستاون سال تھی ان کی زندگی میں بدلاؤ آیا۔ پھر انہوں نے مختلف سیکولر مشاغل میں مگن رہنا ترک کیا اور چرچ کی خدمت شروع کی۔ ان کی وفات تقریباً ۴۱۰ء میں ہوئی۔ ان کے ایک مشہور گیت "Bethlehem of noblest cities" سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"Bethlehem, a noble city
Has been blessed beyond compare,
For the gracious God of Heaven
Once became incarnate there."(۳۶)

ترجمہ:

بیت لحم، اک عظیم شہر
اوروں کے مقابلے اسے بڑھ کر برکت دی گئی ہے
آسمان کے مہربان خدا کے لیے

مذکورہ بالا گیت نگاروں کے علاوہ لاطینی مذہبی گیتوں میں یہ سات گیت نگار بھی بڑے مشہور رہے ہیں۔ کلنی کے برنارڈ (Bernard of Cluny) ،ہرمینیس کون ٹریکٹس(Hermannus Con tractus) ، مینز(Mainz) کا بشپ، سیلانو(Celano) کا تھامس، ستابیت میتر، جیکبس ڈی بینیڈکٹس(Jacobus de Benedictis)،فارتینیس(Fortunatus)۔

اس وقت سے لاطینی مذہبی گیتوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور گیارھویں اور بارھویں صدی تک ان کا معیار بہتر ہوتا چلا گیا- لیکن چودھویں صدی میں مذہبی گیتوں کا یہ سلسلہ زوال پذیری کی طرف جانے لگا اور پندرھویں کے ساتھ ہی لاطینی مذہبی گیتوں کا دور تقریباً مٹ گیا۔

لاطینی گیتوں کی ہیت پر غور کیا جائے تو ان کے کلاسیکی دور کے نمونوں کی شکل وصورت' مصرعوں کی تعداد'لب و لہجے میں تبدیلی ایک ہی وقت میں نہیں ہوئی۔ ابتدائی گیت نگار کلاسک میٹروں سے چمٹے رہتے تھے۔ آرچ بشپ ٹرینچ(Archbishop Trench) کی کتاب 'مقدس لاطینی شاعری'' Sacred Latin Poetry ' کے مطالعے سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ انجیلی گیت کی متنوع شکل'(وہ شکل جو آج بھی برقرار ہے)شاعری اور مذہب کا خوبصورت امتزاج بلا شک وشبہ ادب کا بہترین نمونہ ہے یہ سب لاطینی کلیسیا کے عظیم گیت نگاروں کی مرہون منت ہیں۔

iii۔ جرمن مذہبی گیت:

Heinrich von Laufenberg (ہینرک وان لاؤفن برگ: ۱۳۹۰ء تا ۱۴۶۰ء):

اس دور کے مذہبی گیت لکھنے والوں میں سرفہرست لاؤفن برگ کا ہینرک تھا۔ وہ اسٹراسن برگ میں سینٹ جان کی خانقاہ کا ایک راہب تھا۔ اس نے زیادہ تر مذہبی گیت اپنے دور کے دوسرے شاعروں کی طرز میں ہی لکھے۔

ان کے ایک گیت "Lord Jesus Christ, our Lord most dear" سے نمونہ کلام دیکھیں:

"Lord Jesus Christ, our Lord most dear,

As thou was once an infant here,

So give this child of thine, we pray,

Thy grace and blessing day by day. "(۳۷)

ترجمہ:

خداوند یسوع مسیح، اے ہمارے محبوب خداوند

جیسا کہ تونے ایک شیر خوار بچے کا روپ لیا

تو ہم تیرے اسی روپ سے دعا کرتے ہیں

تیرا فضل اور برکت روز بروز چاہتے ہیں

Martin Luther (مارٹن لوتھر: ۱۴۸۳ء تا ۱۵۴۶ء):

لوتھر، مارٹن ۱۰ نومبر ۱۴۸۳ء کو آئزلیبین میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ۱۵۰۱ء میں ایرفرٹ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ۱۵۰۲ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا اس کے بعد ۱۵۰۳ء میں ایم۔اے کیا اور ۱۵۰۵ء میں آگسٹینی راہب بنے۔ ۱۵۰۷ء میں پادری کے عہدے کے لیے منتخب ہوئے۔ پھر ۱۵۰۸ء میں وٹنبرگ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور ۱۵۱۲ء تا ۱۵۱۷ء کے دورانیے میں ان کے ۹۵ مقالے شائع ہوئے۔ انہوں نے ۱۵۲۱ء تا ۱۵۳۴ء میں بائبل کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔ انہوں نے ۱۸ فروری ۱۵۴۶ء میں آئزلیبین میں وفات پائی۔ ان کی حالاتِ زندگی اور ایک مصلح کے طور پر ان کے کام کی تفصیلات تمام انگریزی قارئین کے لیے اہمیت کی حامل ہیں۔ لوتھر کا جرمن ہیمنوڈی پر بہت زیادہ اثر تھا۔ لوتھر نے ۱۵۲۳ء میں گیت نگاری پر کام شروع کیا اور بیس سال تک یہ کام جاری رکھا۔ گیتوں کے حوالے سے ان کا متعدد کلام چھپتا رہا۔ جو گیت نگاری میں اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے ایک مشہور گیت "Christ in the bends of death we laid" سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"Christ in the bends of death we laid,

For our transgressions given

He rose: the way He open made

To life, the life of Heaven.

Therefore we will now rejoice,

And praise our God with thankful voice,

And raise our hallelujah![۳۸]

ترجمہ:

مسیح کو موت کے حوالہ کیا گیا

ہماری ہی خطاؤں کے سبب
وہ جی اٹھا اور جو راستہ اس نے کھولا' یقیناً وہ جاتا ہے
زندگی کی طرف' فردوس کی زندگی کی طرف
اس لیے اب ہم خوشی منائیں گے
اور شکر گزاری کے نعروں کے ساتھ اپنے خدا کی حمد کریں گے
اور ہیلیلویاہ! کے نعروں کو بلند کریں گے

Paul Gerhardt (پال گیرہارٹ : ۱۶۰۶ء تا ۱۶۷۶ء):

مارٹن لوتھر کے بعد پال گیرہارٹ کا نام تمام جرمن گیت نگاروں میں سب سے بڑا ہے۔ وہ ۱۶۰۶ء میں Gerhardt Wittenberg کے قریبی علاقہ میں پیدا ہوئے ۔ انہوں نے یونیورسٹی تک تعلیم پائی۔ انہوں نے برلن میں تبلیغ کا آغاز کیا۔ ان کی زندگی بے حد پریشان کن تھی۔ اپنے ابتدائی سالوں میں، تیس سالہ جنگ کی ہولناکیوں کے دوران وہ جگہ جگہ گھومتے رہے۔ جرمن مذہبی گیتوں کو گیرہارڈ کے ہاتھوں ایک ایسی اصلاح ملی جس کی اب تک کمی تھی۔ ان کی گیت واقعی میں دل آویز ہیں۔ ان کے گیتوں کی ایک بڑی تعداد کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے جو اب تک استعمال میں ہے۔ ان کے ایک گیت 'All my heart with joy is springing' سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"All my heart with joy is springing
While in air everywhere
Angel choirs are singing,
Hear them to the shepherds telling;
Christ is born!on this morn
God with man is dwelling"(۳۹)

ترجمہ:
میرا سارا دل خوشی سے جھوم رہا ہے
جبکہ ہر طرف ہوا میں
فرشتے گیت گا رہے ہیں
انہیں چرواہوں سے یہ کہتے ہوئے سنو:

مسیح پیدا ہوا ہے! آج صبح
خدا انسان کے ساتھ رہنے کو آیا ہے

Zinzendorf, Nicolaus(زنزہیڈوف نکولس: ۱۷۰۰ء تا ۱۷۶۰ء):

وہ ۲۶ مئی ۱۷۰۰ء کو ڈریسڈن میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم وِٹن برگ یونیورسٹی سے ہوئی۔ ۱۷۳۱ء میں انہوں نے تمام عمومی فرائض کو خیر باد کہا اور اپنے آپ کو مشنری کام کے لیے وقف کر دیا۔ ۱۷۳۴ء میں تبلیغ کے لیے ان کا انتخاب ہو گیا۔ انہوں نے برطانیہ اور امریکہ میں بڑے پیمانے پر سفر کیا۔ انہوں نے ۶ مئی ۱۷۶۰ء کو ہرن ہٹ میں وفات پائی۔ انہوں نے دو ہزار سے زیادہ مذہبی گیت لکھے۔ جو بے حد مقبول ہوئے۔ ان میں سے کچھ بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں جوش کے ساتھ ساتھ شیرینی بھی جھلکتی ہے۔ ان کے ایک گیت'' سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"Be present with your servants, Lord,

We look to you with one accord;

Refresh and strengthen us anew,

And bless what in your name we do."(۴۰)

ترجمہ:

اپنے خادموں کے ساتھ آموجود ہو اے میرے رب
ہم یک دل ہو کر تیری طرف نگاہ کرتے ہیں
ہمیں نئے سرے سے تازہ دم کر اور مضبوطی عطا کر
اور جو کچھ ہم تیرے سے کرتے ہیں اس میں برکت ڈال

Spitta, Karl Johann Philipp (سپیٹا، کارل جوہن فلپ: ۱۸۰۱ء تا ۱۸۵۹ء):

سپیٹا کو انیسویں صدی کا سب سے بڑا جرمن گیت نگار سمجھا جاتا ہے۔ وہ یکم اگست ۱۸۰۱ء کو ہنور میں پیدا ہوئے۔ جب وہ چار سال کے تھے تو اس کے والد کا انتقال ہو گیا اور ان کی ماں انہیں گھڑی بنانے والے کے پاس لے

گئی لیکن جلد ہی پتہ چلا کہ وہ ایسے کام کے لیے موزوں نہیں تھے۔ انہوں نے یونیورسٹی آف گوٹنگن میں تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے مختلف جگہوں پر پادری کے طور پر خطاب کیا۔ ان کا انتقال ۲۸ ستمبر ۱۸۵۹ء کو ہوا۔ سپیٹا میں نو عمری سے ہی شاعرانہ فطرت کے عناصر تھے۔ انہوں نے آٹھ سال کی عمر میں اشعار لکھنا شروع کئے۔ سپیٹا کے بہت سے مذہبی گیت انگریزی میں ترجمہ کیے گئے ہیں۔ ان کے گیت "Be with us this day to bless us" سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

"Be with us this day to bless us.

That we may not hear in vain ;

With the saving truths impress us

Which the Words of Life contain."(۴۱)

ترجمہ:

ہمیں برکت سے معمور کرنے کے لیے آج کے دن تُو ہمارے ساتھ ہو
کہ ہمارا تجھے سننا ہر گز بے فائدہ نہ ہو
تری سچائیاں جو ہماری نجات کا باعث ہیں، ہم پر تاثر چھوڑتی ہیں
جو زندگی سے پُر لفظوں پر مبنی ہیں

جرمن مذہبی گیتوں کا عظیم سلسلہ جاری رہا۔ یہ الٰہی فضل تھا جس کی بدولت یہ سلسلہ پھیلا اور ماورائی بلندی تک پہنچا۔ مذہبی حمد و ثنا کی کتابیں اور مذہبی گیت نگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور سارا براعظم مقدس مذہبی گیتوں سے جھوم اٹھا۔

2۔ زبوری گیت نگار:

زبوری گیت نگاری بلاشبہ ایک بہت بڑا موضوع ہے اور اس کا ادب سب سے زیادہ وسیع ہے۔ جولین اپنی گیتوں کی لغت میں صرف انگریزی میں تین سو چھبیس الگ الگ اشاعتوں کی فہرست دیتا ہے۔ شعرا کلام میں جدت کے لیے مسیحی عقائد کے ساتھ ساتھ بائبل مقدس کے عہد عتیق کی کتابوں کو بھی شاعری کا حصہ بنانے لگے ان میں نبیوں کی حالاتِ زندگی، معجزات اور ان کے لبوں سے نکلے ہوئے خاص الفاظ کو منظوم کیا جانے لگا۔ اس نئ

طرز میں سب سے زیادہ کام زبوروں کو شاعری کا حصہ بنانا تھا۔ جب شعرا نے زبوروں کی آیات کو گیتوں میں ڈھالنا شروع کیا' یا اس طرح کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ جب شعرا نے کسی زبور کے کچھ حصے کو گیت کے سانچے میں ڈھالا تو جو تخلیقی فن پارہ بنا اسے زبوری گیت کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ذیل میں مختلف زبوری گیت نگاروں کا ذکر ملتا ہے۔

i۔ فرانسیسی زبوری گیت نگار:

Clement Marot (کلیمنٹ ماروٹ : ۱۴۹۷ء تا ۱۵۴۴ء):

زبوری گیت نگاری کا آغاز فرانس کے کلیمنٹ ماروٹ سے شروع ہوا۔ وہ بادشاہ فرانسس اول کے درباری شاعر تھے۔ فرانسس نے ۱۵۱۵ء سے ۱۵۴۷ء تک حکومت کی۔ ماروٹ زبوری گیت لکھ رہے تھے جب فرانسس اور چارلس دونوں ہی اٹلی پر حکمرانی کے دعوے دار ہوتے ہوئے سنگین جنگ میں مصروف تھے۔ لوتھر پاپائیت کے خلاف تمام مسیحی طبقے کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ ہیوگینٹس فرانس کے کنٹرول کے لیے جدوجہد کر رہے تھے جبکہ کارڈینل ولسی انگلینڈ میں اپنا با اثر نصاب چلا رہا تھا۔ اس زمانے میں ماروٹ کا زبوری گیت نگاری کا کام مستقل نتائج سے بھرپور تھا۔ پورے وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ماروٹ نے زبوری گیت نگاری کب شروع کی۔ البتہ ۱۵۳۷ء میں مخطوطہ کی شکل میں اس کے لکھے گئے زبوری گیتوں میں سے تیس گردش میں تھے اور اس عہد میں نہ صرف بے حد مقبول ہوئے بلکہ وقت کا تقاضا بھی بن گئے۔ ان زبوری گیتوں کو دھنیں عطا کی گئیں اور دربار میں گائے جانے گئے اور پھر یہ زبوری گیت فرانس سے نکل کر ملحقہ ممالک میں پھیل گئے۔ ۱۵۴۲ء کے بعد کی اشاعت ماروٹ پر رومی حکام کے ظلم و ستم کا باعث بنی تو وہ جنیوا کی طرف بھاگ گئے۔ اس کے بعد ان کے زبوری گیت پروٹسٹنٹ دنیا میں پھیل گئے اور تقلید والوں کی نگاہ میں وہ ایک مثال بن کر ابھرے۔ ۱۵۴۳ء میں جنیوا میں ایک قابل ذکر تاریخی جلد شائع ہوئی جسے جنیواتی زبوری گیتوں کی کتاب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کتاب میں ماروٹ اور اس کے پیروکاروں کے لکھے ہوئے زبوری گیت ملتے ہیں۔ ماروٹ کا انتقال ۱۵۴۴ء میں ہوا۔

ماروٹ کے انتقال کے بعد کیلون کی درخواست پر بیزا نے ان کی زبوری گیت نگاری کو آگے بڑھایا اور اس پر نظر ثانی کی اور بہت کچھ جو قابل اعتراض تھا ہٹا دیا۔ ۱۵۵۴ء میں اس زبوری گیتوں کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن چھپا۔ اس بڑے کام کی کامیابی اور تاثر بلاشبہ قابل ذکر تھا۔ یہ بڑے پیمانے پر تمام فرانسیسی بولنے والے لوگوں میں

پذیرائی گئی۔ فرانسس اول بستر مرگ تک بھی اس کتاب کا دلدادہ تھا۔ چارلس دوم ان زبوری گیتوں میں سے چند ایک کو شکار کے دوران گانے کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ اس کے کم از کم ایک ہزار ایڈیشن جاری ہوئے اور اس کا اثر پوری پروٹسٹنٹ دنیا میں پھیلا۔ اس کا متعدد زبانوں بشمول ڈچ، جرمن، اطالوی، ہسپانوی، بوہیمین، پولش، لاطینی اور یہاں تک کہ عبرانی میں ترجمہ کیا گیا۔ انگلستان میں متعدد ترجمے شائع ہوئے اور برطانیہ میں ان کے بعد آنے والوں نے ان کی پیروی کی۔

ii۔ انگلستانی زبوری گیت:

Myles Cover dale (مائلز کور۔ڈیل):

ماروٹ کا اثر انگلستان میں فوری طور پر محسوس کیا گیا تھا کیونکہ ۱۵۳۸ء میں ایکسیٹر کے بشپ مائلز کور۔ ڈیل نے تیرہ زبور کا ایک میٹریکل ورژن شائع کیا تھا یہیں سے انگریزی زبوری گیتوں کا آغاز ہوا۔

George Bacanon (جارج بکانن):

برطانیہ میں زبوری گیت نگاری میں پہلا اہم کام ۱۵۴۸ء میں جارج بکانن کا تھا۔ بکانن تمام برطانوی زبور نویسوں میں سب سے بڑے بلند درجہ شاعر تھا اور کئی سالوں تک سب سے ممتاز رہا حالانکہ اب انہیں سب سے کم جانا جاتا ہے۔ بکانن درحقیقت مورے کے ایرل (Earl of Moray) کے ٹیوٹر تھے جو جیمز پنجم کا سگا بیٹا تھا۔ پروٹسٹ دشمنی کو قبول کرنے اور اس کے دفاع میں لکھنے کے بعد ان کی جان کو خطرہ لاحق ہوا تو وہ پرتگال بھاگ گئے۔ لیکن انہیں پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ اپنی قید کے دوران انہوں نے اپنا وقت اسی گیت کی دھن کے ساتھ گزارا جس نے انہیں شہرت دی ۔ بعد ازاں یہ متعدد اشاعتوں سے گزرا۔ بہترین حکام کی جانب سے قابل تحسین بھی ٹھہرا۔

Thomas Stemhold (تھامس سٹیم ہولڈ):

انگریزی زبوری گیت نگاری کی تحریک عملی طور پر تھامس سٹیم ہولڈ سے شروع ہوئی۔ اسٹیم ہولڈ نے پہلی کاوشیں اپنے ذاتی قرار کے لیے کیں۔ اس نے خود اپنی ذات کے لیے اسے گایا بھی۔ اس کے شائع ہونے والے

پہلے ایڈیشن کی تاریخ کا تعین نہیں کیا جا سکتا البتہ یہ ضرور طے ہے کہ اس میں انیس زبوری گیت تھے۔ دوسرا ایڈیشن ۱۵۴۹ء میں چھپا اس میں سینتیس زبوری گیت منظوم تھے۔

John Hopkins (جان ہاپکنز):

اس وقت سٹیم ہولڈ نے اپنے ساتھ ایک اور شاعر جان ہاپکنز کا تعلق جوڑا جس کی ذاتی کہانی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے، سوائے اس کے کہ وہ آکسفورڈ کا تعلیم یافتہ تھا اور سفولک (Suffolk) میں وزیر کے طور پر آباد ہوا۔ ۱۵۵۱ء میں جان ہاپکنز کے ساتھ کی بدولت زبوری گیتوں کی کتاب کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ ۱۵۶۳ء میں جنیواتی زبوری گیتوں کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس قسم کے انگریزی زبوری گیت اس تاریخ تک ہیں۔ اب تک پورے ایک سو پچاس زبور ی گیتوں کی تصدیق ہو چکی تھی اور "The whole Booke of Psalms" کے عنوان سے ایک کتاب بھی شائع ہوئی تھی جسے Thomas Sternkold، J. Hopkins، اور otlters نے انگریزی بحور میں لکھا تھا یہ کام بعد کے زمانے میں قدیم طرز کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ انگلینڈ میں تقریباً ایک سو سال تک استعمال میں تھا۔

iii۔ اسکاچ زبوری گیت:

دریں اثنا اسکاچ زبوری گیت کے خطوط ترقی کی راہوں پر رختِ سفر باندھ رہے تھے۔ سکاچ چرچ نے اینگلو جنیون کے زبوری گیتوں میں سے ستاسی زبوروں کو اپنایا اور سٹرن ہولڈ اور ہاپکنز کے زبوری گیتوں سے بیالیس کو منتخب اور تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بھی اکیس زبوری گیتوں کو شامل کیا۔ یوں ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرنے سے دسمبر ۱۵۶۴ء میں اس کی ایک زبوروں کی کتاب مکمل ہو کر منظر عام پر آئی۔ جنرل اسمبلی نے اپنے تمام وزراء کو اس کے استعمال کا حکم دیا۔ اس کے بعد چالیس سال تک اس معاملے پر مزید توجہ نہیں دی گئی۔

King James I (کنگ جیمز اول):

۱۶۰۰ء میں کنگ جیمز اول نے اسمبلی کے سامنے اپنی زبوری گیتوں کی کتاب پر نظر ثانی کی پیشکش کی اور اس کام کو خود چلانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے اپنے آپ کو اس کام کی طرف راغب کیا اور پینتیسویں زبور تک آگے بڑھا یا۔ پھر اسکی موت ہو گئی۔ اس کی موت سے اس کے کام میں خلل پیدا ہو گیا۔

ولیم الیگزینڈر (William Alexander): کنگ جیمز اول کی موت کے بعد اس کے کاموں کو ولیم الیگزینڈر نے جاری رکھا۔

ارل آف سٹرلنگ (Earl of Stirling): ولیم الیگزینڈر کے بعد ارل آف سٹرلنگ نے زبوری گیت نگاری کی کتاب کی تکمیل کا بیڑا اُٹھایا۔

Charles I (چارلس اول):

۱۶۳۰ء میں جیمس اول کے جانشین چارلس اول نے اسکاچ کی اس زبوری گیتوں کی کتاب کو استعمال میں لانے کی کوشش کی۔ ۱۶۳۶ء میں ایک نظر ثانی شدہ ایڈیشن شائع ہوا۔ اسکاچ نے اس میں ترمیم اور نظر ثانی کرنے میں سات سال وقف کئے پھر اسے عالمی طور پر اپنایا۔ ۱۶۵۰ء میں آخر کار چھپوایا اور شائع ہونے والا نسخہ دو سو سال تک انگریزی زبان کے زبوری گیت گانے والے گرجا گھروں کا زبوری گیت بن گیا۔ یہ اب بھی سکاٹ لینڈ اور ان امریکی گرجا گھروں میں استعمال میں ہے جنہیں "کوون اینٹرس" کہا جاتا ہے۔

iv۔ امریکی زبوری گیت نگاری:

امریکی براعظم پر چھپنے والی پہلی زبوری گیت کی کتاب کو "The Bay Psalmist" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد "The New England Version"۔ "The Bay Psalmist" کے ظہور سے پہلے نو آبادیات نے بھی کچھ کام کیا تھا جسے "Ainsworth Version" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ ہالینڈ میں پروٹسٹنٹ پناہ گزینوں کی کتاب تھی جو ۱۶۲۰ء میں حجاج کی روانگی سے آٹھ سال پہلے شائع ہوئی تھی لیکن ایک نئے ترجمے کی درخواست کی گئی اور ۱۶۳۶ء میں کانگریگا نیشنل گرجا گھروں کی طرف سے اس کام کو انجام دینے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ اس کے بعد نئی طرز میں اسے روکسری کے تھامس ویلڈ، ڈور چیسٹر کے رچرڈ ماتھر اور ہندوستانیوں کے رسول جان ایلیٹ نے بنایا۔ اس کتاب کو ہارورڈ کالج کے صدر ڈنسٹر نے ہالینڈ سے ہمدرد دوستوں کی طرف سے تحفے کے طور پر بھیجے گئے ایک پریس میں چھاپا اور اشاعت کا کام مکمل کیا۔

۵۔ جدید مذہبی گیت نگار:

انگریزی مذہبی گیت نگاری:

انگریزی مذہبی گیتوں کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔پہلا دور: نظریاتی اور تدریسی دور (۱۶۵۰ء تا ۱۷۸۰ء):

اس دور کو مزید تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

ا۔پہلا دور اول ۲۔پہلا دور دوم ۳۔پہلا دور سوم

i۔پہلا دور اول: اس دور کے اہم مذہبی گیت نگار یہ ہیں۔

Bishop Thomas Ken (بشپ تھامس کین ۱۶۳۷تا۱۷۱۱ء):

ریورنڈ تھامس کین جولائی ۱۶۳۷ء کو برکھمپسٹڈ' ہرٹ فورڈ شائر میں پیدا ہوئے اور انہوں نے ابتدائی تعلیم ونچسٹر اسکول میں حاصل کی تھی جہاں ان کا نام ابھی تک پتھر کے ستونوں میں سے ایک پر ملے گا۔ انہوں نے آکسفورڈ سے گریجویشن کیا اور متعدد عہدوں کو پُر کرنے کے بعد ۱۶۸۲ء میں پادری مقرر ہوئے۔ دو سال بعد انہیں باتھ اینڈ ویلز کا بشپ بنا دیا گیا۔ وہ ۱۹ مارچ ۱۷۱۱ء کو لانگلیٹ' سومرسیٹ شائر میں انتقال کر گئے۔ بشپ کین نے بہت سے مذہبی گیت لکھے۔ جو بے حد مقبول ہوئے۔

ان کے ایک گیت "All praise to You, my God, this night" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"All praise to You, my God, this night,

For all the blessings of the light.

Keep me, O keep me, King of kings,

Beneath the shelter of Your wing."(۴۲)

ترجمہ:

آج کی شب ساری مدح تیرے لیے ہے اے میرے خدا

نور کی تمام برکتوں کے لیے

اے بادشاہوں کے بادشاہ تُو مجھے رکھ

اپنے پروں کی کے نیچے اپنی پناہ میں

Joseph Addison (جوزف ایڈیسن ۱۶۷۲ء تا ۱۷۱۹ء):

ایڈیسن کی شہرت اس کے ادبی کام پر عام طالب علم کی بنا پر ہوئی ہے۔ ان کے مضامین کو اب بھی انگریزی نثر کے نمونوں کے طور پر درجہ دیا جاتا ہے۔ ایڈیسن نہ صرف ایک ادیب تھے بلکہ وہ ایک زبردست متقی مسیحی بھی تھے۔ ایڈیسن ولٹ شائر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ملسٹن (Milston) میں ریکٹر تھے جنہیں بعد میں لِچ فیلڈ (Lichfield) کا ڈین بنا دیا گیا۔ اس کی والدہ برسٹل (Bristol) کے بشپ کی بہن تھیں۔ چنانچہ ایڈیسن انگریزی اسٹیبلشمنٹ کے ماحول میں پلے بڑھے انہوں نے کاؤنٹیس (countess)، شارلٹ آف واروک (Charlotte of Warwick) سے شادی کی اور اس طرح چرچ اور ریاست کے معززین کے درمیان اپنی زندگی گزاری۔ وہ ایک کے بعد ایک سرکاری دفتر میں بھرتی ہوئے یہاں تک کہ وہ اسسٹنٹ سکریٹری آف اسٹیٹ بن گئے انہوں نے متعدد گیت لکھے جن میں سے پانچ مذہبی گیت نہایت مقبول ہوئے جو آج بھی عام رائج ہیں۔

واٹس اور ویزلی کا نام عظیم انگریزی مذہبی گیت نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے نام ہمیشہ ایک ساتھ جوڑے جاتے ہیں اور مقدس مذہبی گیت نگاری کا سہرا ان کے سر جاتا ہے۔ واٹس کو "Father of English Hymnody" کہا جاتا ہے، اس لیے نہیں کہ وہ پہلے مذہبی گیت نگار تھے۔ بلکہ اس لیے کہ انہوں نے مقدمین کو معیار، تخیل، اسلوب، روانی الغرض ہر اعتبار سے بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے مذہبی گیت نگاری کو ایک الگ تحریک دی اور پروٹسٹنٹ چرچ کی عبادت میں اپنا مقام حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس اعزاز کے مستحق ہیں جو انہیں دیا گیا ہے۔

ان کے ایک گیت "When all your mercies, O my God" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"When all your mercies, O my God
My waking soul surveys,
Transported with the view, I'm lost
In wonder, love , and praise."(۴۳)

ترجمہ:

جب تیری ساری رحمتوں کا، اے میرے خدا

میری بیدار روح جائزہ لیتی ہے

گردش کے تمام منظر، میرے ہوش اڑا دیتے ہیں

حیرت، محبت اور تعریف میں۔

Isaac watts (آئزک واٹس ۱۶۷۴ء تا ۱۷۴۸ء):

آئزک واٹس کے والد ساؤتھمپٹن کے چرچ میں ڈیکن کی خدمات سر انجام دیتے تھے۔ ان کی ماں مہاجر کی اولاد تھی۔ ان کی پیدائش کے بعد ۱۶۸۸ء تک ان کے والدین اور ان کے بچوں کے لیے چودہ سال تک تکلیفیں گزریں۔ جب ولیم اور مریم تخت پر آئے اور بہتر وقت شروع ہوا۔ بیماری کی وجہ سے ان کی پڑھائی میں اکثر خلل پڑتا تھا اور چاہتے ہوئے بھی وہ مکمل نہیں کر پاتے تھے۔ انہوں نے کبھی شادی نہیں کی تھی۔ جب وہ تیئس سال کے تھے تو انہوں نے لندن میں ایک جماعت کی ذمہ داری سنبھالی اور پھر چودہ سال تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔ انہوں نے مختلف جگہوں پر تبلیغ کی اور مسیح کے کلیسیا کی مستقل افزودگی کے لیے بہت زیادہ ادبی کام کیا۔

واٹس بچپن سے شاعر تھے۔ انہوں نے محض سات سال کی عمر میں ہی اپنے والدین کی تفریح کے لیے کئی گیت لکھے اور جب وہ تقریباً اٹھارہ سال کے تھے تو انہوں نے اپنے والد کے چرچ میں گائے گئے زبوری گیتوں پر تنقید کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ واٹس نے مذہبی گیت لکھنے شروع کیے وہ ہر اتوار تک ایک گیت مکمل کرتے یہاں تک کہ دو سو سے زیادہ گیت لکھے گئے۔ واٹس کے ان گیتوں کو ایک جگہ اکھٹا کر کے شائع کیا گیا اور یوں واٹس کی پہلی گیتوں کی کتاب شائع ہوئی۔ واٹس کا زبوری گیت نگاری کے حوالے سے کام زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ اس نے کئی سالوں تک اس طرف توجہ مبذول کی۔ یہی وجہ ہے کہ واٹس کے زبوری گیتوں کو لاجواب ہی نہیں بلکہ بہترین تصور کیا جاتا ہے۔ واٹس کا سب سے بہترین گیت "The Wondrous Cross " ہے۔

ان کے ایک گیت "A broken heart, my God, my king" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"A broken heart, my God, my king,

To Thee a sacrifice I bring;

The God of grace will ne'er depise

A broken heart for sacrifice. "(۴۴)

ایک شکستہ دل، اے میرے خدا، میرے بادشاہ!

میں تیری نذر کرتا ہوں

فضل کا خدا کبھی حقیر نہ جانے گا

نذرانے کے شکستہ دل کو

ii۔ پہلا دور دوم: اس دور کے اہم مذہبی گیت نگار یہ ہیں۔

Phillip Doddridge(فلپ ڈوڈرِیج : ۱۷۰۲ء تا ۱۷۵۱ء):

ریورنڈ فلپ ڈوڈرِیج، ڈی ڈی، ۲۶ جون ۱۷۰۲ء کو لندن میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد چرچ سے وابستہ ایک متقی آدمی تھے۔ ان کی والدہ نے بائبل کی تلاوت کے توسط ان کی تعلیم و تربیت کی۔ وہ بائبل میں سے انہیں انبیا کی کہانیاں سناتیں۔ نوجوانی میں ہی ڈوڈرِیج ایک قابل شخصیت تھے۔ ۱۷۲۹ء میں انہیں نارتھمپٹن میں چرچ کا پادری بننے کے لیے مدعو کیا گیا جہاں وہ بیس سال تک پادری کی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ تبلیغ اور تدریس کے ساتھ ساتھ ان تھک محنت اور ساتھ ہی تیز بارشوں کے بدلتے موسم سے ان کی صحت خراب ہو گئی۔ اور وہ پرتگال کے لیے روانہ ہوئے مگر تھکن کی حالت میں لزبن پہنچے ہی تھے کہ وہیں ۲۶ اکتوبر ۱۷۵۱ء کو انتقال کر گئے۔

ڈوڈرِیج نظم و نثر دونوں میں ہی ایک بڑا نام تھے۔ ڈوڈرِیج کے مذہبی گیتوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ گیتوں میں زیادہ تر بائبل کے کسی نہ کسی حوالے کو باندھتے ہیں۔ ان کے گیت بائبل میں درج انبیا کے واقعات پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ انداز بلاشبہ منفرد اور جدا تھا جو انہیں دیگر شاعروں سے ممتاز کر گیا۔

ان کے ایک گیت "A present God is all our strength" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"A present God is all our strength,

And all our joy and hope;

When he withdraws, our comforts die,

And every grace must droop"(۴۵)

ترجمہ:

وہ جو موجود خدا ہے' وہی طاقت ہے ہماری

اور وہی ہماری ساری خوشی اور امید

جب وہ پیچھے ہٹتا ہے تو ہماری آسائشیں مر جاتی ہیں

اور ہر شان کو فنا ہونا ہے

Charles Wesley (چارلس ویزلے ۱۷۰۷ء تا ۱۷۸۸ء):

ویزلی ۱۸ دسمبر ۱۷۰۸ء کو ایپ ورتھ، لنکن شائر (Epworth, Lincolnshire) میں پیدا ہوئے۔ وہ انیس سالہ خاندان میں اٹھارویں اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ان کے والد ریورنڈ سیموئیل ویزلی چرچ کے پادری تھے۔ ان کی والدہ سوسنہ اینسلی بھی پادری کی بیٹی تھیں۔ سیموئیل اینسلی اپنے والدین کی ہونہار بیٹی تھیں۔ ان کے کردار اور تربیت کا عکس ان کے بچوں میں خوب جھلکتا ہے۔ ۱۷۲۶ء میں ویزلی کرائسٹ چرچ کالج کے لیے منتخب ہوئے۔ اپنی ڈگری لینے کے بعد ویزلی ۱۷۳۵ء تک استاد کے طور پر کالج میں خدمت کرتے رہے۔

۱۷۳۹ء سے ۱۷۵۶ء تک وہ برطانیہ کے ذریعے سفر کرتے ہوئے اپنے بھائی جان کے ساتھ چرچ کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ لیکن نجی وجوہات کی بنا پر ان خدمات سے دستبردار ہو گئے اور اپنی بقیہ زندگی ریٹائرمنٹ میں گزاری۔ ۱۷۷۱ء میں وہ لندن چلے گئے اور وہیں رہنے لگے جہاں ان کا انتقال ۲۹ مارچ ۱۷۸۸ء کو ہوا۔ ویزلی نے چھ ہزار سے زیادہ مذہبی گیت لکھے۔ "Great Four " ویزلے کا سب سے مقبول گیت تھا۔ جو زبان زدے عام ہوا۔

ان کے ایک گیت "A foundation of life and of grace" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"A foundation of life and of grace
In church our Redeemer we see;
For us who His offers embrace,
For all it is open and free!
Jehovah Himself doth invite
To drink of His pleasure unknown,
The streams of immortal delight,
The flow from his heavenly throne."(۴۶)

ترجمہ:

زندگی اور فضل کا ایک چشمہ
ہم اپنے نجات دہندہ مسیح میں دیکھتے ہیں
ہمارے لیے، جو اس کی پیشکشوں کو قبول کرتے ہیں

سب کے لیے یہ ہمیشہ دستیاب ہے اور بے مول ہے!
یہوواہ خود دعوت دیتا ہے
اُس کی لذتوں میں سے پینے کے لیے
لافانی خوشی کی ندیاں
جو اس کے آسمانی تخت سے بہتی ہیں

Anna steele(اینا سٹیل ۱۷۱۷ء تا ۱۷۷۸ء):

مس اینا سٹیل کو نہ صرف انگریزی دور کی مذہبی گیت نگار کے طور پر جانا جاتا ہے بلکہ ان کا شمار متقدمین شاعرات میں کیا جاتا ہے۔ وہ ہیمپشائر (Hampshire) کے بروٹن (Broughton) میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد ایک تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک وزیر بھی تھے۔ انہوں نے ساٹھ سال تک بروٹن میں چرچ کی بلا معاوضہ بے لوث خدمت کی۔ جب اس کی عمر چودہ سال تھی تو وہ اپنے والد کے ساتھ چرچ کے خدمات میں دلچسپی لینے لگیں اور اپنی ساری زندگی ایک ہی شہر میں بسر کی۔ اینا کی رہائش واٹس سے صرف پندرہ میل کی دوری پر تھی۔ واٹس کی طرح اینا نے بھی کبھی شادی نہیں کی۔ اگرچہ واٹس کو بے دردی سے جھلسا دیا گیا تھا۔ اور اینا اسٹیل نے اپنے عاشق کو کھو دیا جبکہ اس کا گہرا قلبی تعلق تھا جسے وہ ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ واٹس کی طرح اس کی صحت بھی بہت خراب رہنے لگی تھی اور کئی سالوں سے وہ بہت زیادہ متاثر رہی تھی۔ "Father of Mercies in Thy Word" کے نام سے اینا کا ایک مقبول گیت تاریخ کے اوراق پہ نمایاں ہوا۔ اینا کے مذہبی گیت اگرچہ شاعری کی عمدہ مثال نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا شمار اچھے گیتوں میں کیا جاتا ہے۔ اینا کے گیت درحقیقت شاعری کی شکل میں تقریباً نثری تخلیقات ہیں۔ لیکن ان میں شیرینی اور سادگی کے ساتھ ساتھ ایسی بے ساختگی ہے کہ وہ قاری کے دل میں گھر کر جاتے ہیں۔

ان کے ایک گیت "A mother may forgetful be" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"A mother may forgetful be
For human love is frail;
But thy Creator's love to thee,
O zion, cannot fail."(۴۷)

ترجمہ:

ماں اپنے بچے کو بھول بھی ہو سکتی ہے
کیونکہ انسان کی محبت کمزور ہے
لیکن ترے خالق کی محبت تجھ سے
اے صیون! ناکام نہیں ہو سکتی

iii۔ پہلا دور سوم: اس دور کے اہم مذہبی گیت نگار یہ ہیں۔

John Newton(جان نیوٹن : ۱۷۲۵ء تا ۱۸۰۷ء):

جان نیوٹن لندن میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ایک پرہیز گار عورت تھیں۔ ان کے والد ایک سمندری کیپٹین تھے۔ جب نیوٹن صرف گیارہ سال کا تھا تو وہ اپنے والد کے ساتھ سمندری دنیا سے وابستہ ہوا اور تب سے لے کر اگلے اٹھارہ سال تک سمندری دنیا سے منسلک رہا۔ ۱۷۵۴ء میں اس نے سمندر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ تب وہ انتیس برس کے تھے۔ لیکن ان کی حقیقی زندگی ابھی شروع ہوئی تھی۔ انہوں نے اگلے نو سال لیورپول (Liverpool) میں رہائش اختیار کی۔ ان کا وقت سخت مطالعے اور تبلیغ میں گزرتا تھا۔ انہوں نے اپنی موت تک تبلیغ جاری رکھی۔

ان کے ایک گیت "At once for Jonah,so the Lord" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"At once for Jonah, so the Lord
To soothe and cheer my mournful hours,
Prepared for me a pleased gourd;
It shade was cool, and sweet its flowers."(۴۸)

ترجمہ:

جیسا کہ ایک بار یوناہ کے لیے، اسی طرح خداوند
میرے غم کی گھڑیوں کو سکون اور خوشی میں بدلنے کے لیے
میرے لیے لذیذ ضیافت تیار کی
اس کا سایہ ٹھنڈا اور اس کے پھول میٹھے تھے

William Cowper(ولیم کاؤپر: ۱۷۳۱ء تا ۱۸۰۰ء):

ولیم کاؤپر کے والد برکھمپسٹڈ (Berkhampstead) کے چرچ کے ریکٹر تھے۔ ان کی والدہ کی موت کے کچھ ہی عرصہ بعد انہیں ویسٹ منسٹر کے اسکول بھیج دیا گیا جہاں وہ بڑے اور زور آور لڑکوں کی مزاحقہ خیز بدتمیزیوں کی وجہ سے تقریباً نیم پاگل ہو گئے۔ وہ میلانچولیا (melancholia) کا شکار ہو گئے بعض اوقات پاگل پن کا وحشت انگیز احساس جگتا۔ انہوں نے تین بار خودکشی کی بھی کوشش کی لیکن خوش قسمتی کہ ان کی کوششوں کو ناکام بنا دیا جاتا تھا۔ ہنٹنگڈن (Huntingdon) میں رہنے والا انِون (Unwin) نامی دوست انہیں اپنے گھر لے گیا اور دو سال تک ان کی شفقت سے دیکھ بھال کی اور اس کے بعد وہ اولنی چلے گئے اور چھ سال تک اپنے دوست جان نیوٹن کے ساتھ رہے۔ ۱۷۸۶ء میں اولنی کو چھوڑ کر ویسٹن چلے گئے۔ ان کا انتقال مشرقی ڈیرہام (East Dereham) میں ۲۵ اپریل ۱۸۰۰ء کو ہوا۔

یہ نام بہترین گیت نگاروں میں شمار ہوتے ہیں یہ کئی سالوں تک ایک ہی چھت تلے رہنے والے خوبصورت دوست تھے۔ جب نیوٹن کی عمر سات سال تھی تب کاوپر چھ سال کا تھا۔ دونوں نے ایک سے ماحول اور مزاج میں زندگی گزاری۔ دونوں ہم پیشہ زندگی میں مصروف تھے۔ اگرچہ ان کی جسمانی فطرت اور ذہنی حالتیں بالکل مختلف تھیں لیکن ان کے مزاج اور ذوق تقریباً ایک جیسے تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر ان کے مذہبی گیت ایسے ہیں کہ کسی کے لیے بھی بعض اوقات ان میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ گیت کس کا ہے۔

ان کے ایک گیت "Come, let us lift our joyful eyes" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"Come, let us lift our joyful eyes
Up to the courts above,
And smile to see our Father there
Upon a throne of love."(۴۹)

ترجمہ:

آؤ، ہم اپنی خوشی بھری نگاہیں اٹھالیں
آسمانی تخت تک
اور اپنے باپ کو وہاں دیکھ کر مسکرائیں
محبت کے تخت تک

Edward Perronet (ایڈورڈ پیرونیٹ : ۱۷۲۱ء تا ۱۷۹۲ء):

ایڈورڈ پیرونیٹ ایک ذہین اور نامور مذہبی گیت نگار تھے۔ ان کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فرانسیسی تھے۔ اس کے پردادا 'پاسچر پیرونیٹ (Pasteur Perronet) تھے جو دراصل سوئٹزرلینڈ کی طرف بھاگے ہوئے ایک مہاجر تھے اور وہاں پروٹسٹنٹ جماعت کی خدمت کرنے لگے تھے۔ ان کے دادا ڈیوڈ پیرونیٹ (David Perronet) سوئٹزرلینڈ سے انگلینڈ ہجرت کر کے آئے تھے۔ اس کے والد ونسنٹ پیرونیٹ (Vincent Perronet) چرچ سے منسلک رہے اور خوبصورت زندگی گزاری۔ ونسنٹ کور نے بنیادی طور پر ویزلے کی سوچ کو قبول کیا اور دل سے انجیلی بشارت کا احیاء کیا۔ جس پر وہ بانوے سال کی عمر تک عمل پیرا رہے۔ ان کا بیٹا ایڈورڈ ان کے نقش قدم پر چلا وہ بھی چرچ سے وابستہ رہا۔ پیرونیٹ نے مذہبی گیتوں کے تین مجموعہ کلام شائع کیے۔ پہلا مجموعہ بائبل کے مختلف صحیفوں میں سے واقعات کی منظوم شاعری پر مشتمل ہے۔ دوسرا مجموعہ کلام باقاعدہ مذہبی گیتوں پر مبنی ہے جبکہ تیسرے مجموعہ کلام میں بائبل کی آیات، اخلاقی قدروں اور پاکیزہ تخیل کو مرہون منت رکھا گیا ہے۔

ان کے ایک گیت "Hail holy holy holy Lord" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"Hail him, they cry, ye sons of light,
Of joy th'eternal spring;
Praise Him who formed you by His might,
Rejoice, the Lord is king"(۵۰)

ترجمہ:

اے نور کے بیٹے! تجھے سلام! وہ پکارتے ہیں
ابدی بہار کی خوشی
اُس کی حمد ہو جس نے تجھے اپنی قدرت سے بنایا
خوشی کرو، رب بادشاہ ہے!

Augustus Montague Toplady (آگسٹس مونٹیگ ٹوپلاڈی : ۱۷۴۰ء تا ۱۷۷۸ء):

ریورنڈ آگسٹس مونٹیگ ٹوپلاڈی پہلے انگریزی دور کے عظیم گیت نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے والد ایک آرمی آفیسر میجر رچرڈ ٹاپلاڈی (Major Richard Toplady) تھے۔ ٹوپلاڈی ابھی شیر خوار ہی تھے کہ ان کے والد کارتھیجینا (Carthagena) کے محاصرے میں شہادت پا گئے۔ ان کی والدہ زبردست کردار کی حامل خاتون تھیں۔ وہ جلد ہی آئرلینڈ چلی گئی اور ٹوپلیڈی نے ٹرنٹی کالج، ڈبلن سے گریجویشن کیا۔ ان کا ۱۷۶۲ء

میں انگریزی وزارت میں تقرر ہوا۔ وہاں انہوں نے تقریباً چودہ سال خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد وہ لندن میں وزیر کی خدمات دینے لگے۔ ان کا انتقال اڑتیس سال کی عمر میں ہوا۔

ان کے ایک گیت "See whose glory fills the skies" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"See whose glory fills the skies;
Jesus, the light of the world!
Sun of righteousness, arise;
Jesus, the light of world!"(۵۱)

ترجمہ:

دیکھو کس کی شان میں آسمان بھرا ہے:
یسوع، دنیا کی روشنی!
صداقت کا سورج طلوع ہوا:
یسوع، دنیا کی روشنی!

2۔ دوسرا دور، مشنری اور انجیلی بشارت کا دور (۱۷۸۰ء تا ۱۸۵۰ء):

اس دور کو مذید چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ دوسرا دور اول ۲۔ دوسرا دور دوم ۳۔ دوسرا دور سوم ۴۔ دوسرا دور چہارم

i۔ دوسرا دور اول: اس دور کے اہم مذہبی گیت نگار یہ ہیں۔

Benjamin Beddome (بینجمن بیڈوم : ۱۷۱۷ء تا ۱۷۹۵ء):

بینجمن بیڈوم کا تعلق ہینلے، وارو کشائر (Henley , Warwickshire) سے تھا وہ ایک بپتسمہ دینے والے کا بیٹے تھے۔ ان کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے انہیں سرجن بنانے کا مشورہ دیا گیا مگر وہ روحوں کے علاج کے لیے زیادہ موزوں تھے۔ ۱۷۴۰ء میں وہ بورٹن، گلوسٹر شائر (Bourton, Gloucestershire) میں داخل ہوئے اور مرتے دم تک وہیں خدمت کرتے رہے۔ ایک ہی جگہ پر خدمت صرف ان کی اپنی شائستگی کی وجہ سے تھی۔ انہیں ترقی کی پیشکش کی گئی اور لندن بلایا گیا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس مقام سے کہیں کمتر مقام پر خدا کی خدمت کریں گے جہاں خدا نے انہیں رکھا ہے اور اس کی ہدایت کے بغیر وہ اپنے آپ کو اونچی جگہ پر داخل نہیں کر سکتے ہیں۔ بیڈوم نے آٹھ سو تیس مذہبی گیت لکھے۔ ان گیتوں میں ان کا موضوع روح القدس رہا ہے۔ جو انہیں دیگر گیت نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔

ان کے ایک گیت "God's ways are just, his counsel wise" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"God's ways are just, his counsel wise;
No darkness can prevent his eyes;
No thought can fly, nor thing can move,
Unknown to him that sits above. "(۵۲)

ترجمہ:

خُدا کی راہیں انصاف سے بھری ہیں اور اُس کی صلاح حکمت سے بھرپور ہے
کوئی اندھیرا اس کی آنکھوں کو روک نہیں سکتا
نہ کوئی سوچ اڑ سکتی ہے اور نہ چیز حرکت کر سکتی ہے
وہ جو اوپر بیٹھا ہے' اس کے لیے کچھ بھی نامعلوم نہیں

James Montgomery (جیمز مونٹگومری : ۱۷۷۱ء تا ۱۸۵۴ء):

جیمز مونٹگومری ۴ نومبر ۱۷۷۱ء کو ایر شائر (Ayrshire) میں پیدا ہوئے۔ جب وہ سولہ سال کے تھے تو ایک سبزی فروش کے پاس کام کرنے لگے جہاں سے وہ دو سال بعد بھاگ گئے۔ وہ نو عمری سے ہی گیت لکھ رہے تھے۔ ۱۷۹۰ء میں اپنے گیتوں کی اشاعت کے لیے لندن گئے۔ لیکن ہیریسن نامی پبلشر نے یہ گیت چھاپنے سے انکار کر دیا اور انہیں اپنے ساتھ دکانداری کے لیے رکھ لیا تب سے وہ اخباری کام میں مصروف ہو گئے۔ ۱۷۹۲ء میں وہ جناب گیلز (Gales) کے اسسٹنٹ کے طور پر شیفیلڈ (Sheffield) چلے گئے۔ انہوں نے اخبار میں گیتوں کی اشاعت شروع کی جس نے انہیں وسیع شہرت بخشی۔ انہوں نے مختلف جگہوں جیسا کہ رائل انسٹی ٹیوشن لندن' مذہبی اجتماعات، مشنری تنظیموں اور بائبل سوسائٹی میں شاعری کے لیکچر بھی دیے تھے۔ ۱۸۳۳ء میں ان کی ادبی کامیابیوں کو عالمی سطح پر پذیرائی ملی۔ حکومت نے انہیں دو سو پاؤنڈ سالانہ پنشن دی۔ چنانچہ انہوں نے ایک خوبصورت اور پرسکون بڑھاپا گزارا۔ مونٹگومری ۳۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو انتقال کر گئے۔ شیفیلڈ کے گرد و نواحی قصبوں تک میں ان کی موت کا سوگ منایا گیا ان کا بڑا جنازہ ہوا۔ عقیدت کی حد اتنی کہ ان کے اعزاز میں کانسی کا مجسمہ بنایا۔ ان کے مذہبی گیتوں کی تعداد تقریباً چار سو ہے۔ جو کئی مضامین کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان کے بہت سے گیت

ہر اچھی گیتوں کی کتاب میں موجود ہیں۔ ان کا سب سے مشہور اور سب سے پیارا گیت The New Jerusalem ہے۔

ان کے ایک گیت "Again, on this rejoicing day" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"Again, on this rejoicing day,
God's people in his temple meet,
To learn his will, to praise and pray
For praise is comely, prayer is sweet"(۵۳)

Harriet Auber (مس ہیریٹ اوبر :۱۷۷۳ء تا ۱۸۶۲ء):

مس ہیریئٹ اوبر لندن میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے چرچ آف انگلینڈ میں ایک رابطہ کار کی خدمات انجام دیں۔ انہوں نے پر سکون زندگی بسر کی اور ہرٹ فورڈ شائر (Hertfordshire) میں انتقال کر گئیں۔ انہوں نے "زبور کی روح" کے عنوان سے مذہبی گیتوں کی ایک کتاب شائع کی۔ وہ بلاشبہ عظیم مذہبی گیت نگاروں میں ایک بلند مقام کی حقدار ہیں اس کی وجہ ان کے دو عمدہ گیت ہیں۔ پہلا گیت ایک مشنری گیت ہے جو انہوں نے دیگر شعرا کی طرز پر ہی لکھا جو اس عہد کا مزاج تھا جبکہ ان کا دوسرا گیت دراصل نے زبور ۲۳ کی منظوم شکل ہے۔

ان کے ایک گیت "How blest the children of Lord" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"How blest the children of Lord
Who, walking in his sight,
Make all the precepts of his word
Their study and delight!"(۵۴)

ترجمہ:

خُداوند کے فرزند کتنے برکت والے ہیں
جو اس کی مرضی میں چلتے ہیں
اُس کے کلام کے تمام احکام بجالاتے ہیں
ان کا مطالعہ کرتے ہیں اور لذت سے بھرتے ہیں!

ii۔ دوسرا دور دوم: اس دور کے اہم مذہبی گیت نگار یہ ہیں۔

Reginald heber (ریجنلڈ ہیبر :۱۷۸۳ء تا ۱۸۲۶ء):

ریجینلڈ ہیبر' ۲۱ اپریل ۱۷۸۳ء کو مالپاس چیشائر(Malpas, Cheshire) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد پیشے اعتبار سے ریورنڈ تھے۔ وہ ایک دولت مند اور علمی آدمی تھے اس لیے ہیبر کو کبھی کمی نہ تھی وہ ہر شے سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ انہوں نے سترہ سال کی عمر میں آکسفورڈ کے بریزنوز کالج (Brazenose College Oxford) میں داخلہ لیا۔ اپنے پہلے سال میں ہی انہوں نے بہترین لاطینی گیت لکھنے کے نتیجے میں چانسلر کا انعام حاصل کیا۔ دو سال بعد انہوں نے بہترین انگریزی گیت لکھا اور نیوڈیگیٹ انعام(Newdigate Prize) حاصل کیا۔ انہوں نے اس کے علاوہ اور بھی اعزازات حاصل کیے۔ ان کا زمانہ طالب علمی شاندار کامیابیوں کے ساتھ گزرا۔ ۱۸۲۲ء میں وہ ایک مبلغ کے طور پر لنکنز اِن لندن چلے گئے۔ اگلے سال کلکتہ کا بشپ بنایا گیا اور یوں وہ اپنے مشنری کیریئر میں داخل ہو گئے۔ وہاں انہوں نے زندگی کے فقط تین سال گزارے۔ یہ جوش و خروش سے بھرپور' سفر' انتظامی امور اور مختلف مشقوں اور سرگرمیوں سے بھرپور تین سال تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ انہوں نے پہلے مقامی ہندو کو وزارت کا فرض سونپا۔ ۳ اپریل ۱۸۲۶ء کو وہ خدمت کے کسی کام میں مگن تھے کہ انہیں بہت تھکان ہوئی۔ اس روز وہ بیالیس افراد کو چرچ لے کر آئے۔ وہ بہت تھک چکے تھے سو تازہ دم ہو کر واپس آنے کے لیے وہ کچھ دیر آرام کرنے اپنے اپارٹمنٹ میں گئے اس درجے بدنی محنت کی وجہ سے ان کا بدن ابھی گرم تھا اور وہ فوراً ہی ٹھنڈے پانی سے غسل کے لیے چلے گئے۔ جب ان کا نوکر کمرے میں داخل ہوا تو اس نے انہیں مردہ پایا۔

ان کے ایک گیت "Bright king of glory, dreadful God!" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"Bright king of glory, dreadful God!
Our spirit bow before thy feet:
To thee we lift an humble thought,
And worship at thine awful seat."(۵۵)

ترجمہ:

جلال کے روشن بادشاہ، اے ہیبت کے خدا!
ہماری روحیں تیرے قدموں کے آگے جھکتی ہیں
ہم تیرے ایک عاجزانہ تخیل کو تخلیق کرتے ہیں
اور تیری مدح کرتے اور تجھے سجدہ کرتے ہیں

Thomas Hastings (تھامس ہاسٹنگ ۱۷۸۴ء تا ۱۸۷۲ء):

تھامس ہیسٹنگز ۱۵ اکتوبر ۱۷۸۴ء کو واشنگٹن، کنیکٹیکٹ (Wash- ington, Connecticut) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے سکول جانے کے لیے روزانہ چھ میل پیدل سفر کیا۔ کم عمری میں ہی ان میں شعری قابلیت تھی کہ ۱۸۱۶ء میں انہوں نے اپنی پہلی تصنیف "Musica Sacra " کی طباعت کی۔ ۱۸۳۲ء میں وہ نیویارک چلے گئے اور وہیں مقیم رہے اور ساری زندگی مقدس مذہبی گیتوں کے فروغ میں بسر کی۔ انہوں نے نہ صرف مذہبی گیت لکھے بلکہ ان کی دھنیں بھی بنائیں۔ ۱۸۳۰ء میں ان کا ایک عمدہ گیت "Rock of Ages" کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ ۱۸۶۵ء میں "Church Melodies" کے عنوان سے ان کی ایک کتاب شائع ہوئی تھی جسے نصاب کے طور پر بھی استعمال کیا گیا۔

ان کے ایک گیت "For every stormy wind that blows" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"For every stormy wind that blows,
From every swelling tide of woes,
There is a calm, a sure retreat;
No thought can fly, nor thing can move,
'Tis found beneath the mercy seat."(۵۶)

ترجمہ:

ہر آنے والی طوفانی ہوا سے
پریشانیوں کی ہر اک لہر سے
ایک پر سکون، یقینی اعتکاف ہے
جو رحم کے تخت کے نیچے پایا جاتا ہے

Phoebe hinsdale brown (فوئب ہنز ڈیل براؤن :۱۷۸۳ء تا ۱۸۶۱ء):

سادہ طبیعت براؤن واقعی اس حق کی مستحق ہے کہ اس کا نام اس عہد کے عظیم مذہبی گیت نگاروں میں شمار کیا جائے۔ اس کی زندگی غیر معمولی تلخیوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ کنان، نیویارک (Canaan, New York) میں پیدا ہوئیں۔ دو سال کی عمر میں ہی یتیم ہوئیں پھر ایک رشتہ دار نے ان کی پرورش کی۔ انہوں نے عام انسان سے شادی کی جو گھروں کا رنگ و روغن کرتا تھا۔ ان کے بیٹے نے ایک بار انہی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی ماں نے زندگی میں نہایت ظالمانہ سلوک اور مشقت کو برداشت کیا۔ لیکن اس نے ایک بیٹے (Rev. S. R. Brown,

D.D.) کی ایسی زبردست پرورش کی کہ وہ جاپان کا پہلا امریکی مشنری بنا۔ بعد ازاں اس کے دونواسے بھی اسی مشن میں شامل ہوئے۔

ان کے ایک گیت "Almighty God, your Word is cast" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"Almighty God, your Word is cast
Like seed into the ground;
Now let the dew of heav'n descend
And righteous fruits abound."(۵۷)

ترجمہ:

قادرِ مطلق خُدا، تیرا کلام قابلِ عمل ہے۔
زمین میں بیج کی طرح
اب آسمان کی شبنم کو اترنے دو
اور نیک پھل بہت ہیں

Robert grant (رابرٹ گرانٹ ۱۷۷۹ء تا ۱۸۳۸ء):

رابرٹ گرانٹ کا نام زبردست مذہبی گیت نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے ۔وہ اعلیٰ سیاسی ماحول میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی کے زیادہ تر سال اعلیٰ سرکاری عہدے پر گزارنے کے باوجود بھی انہوں نے اپنے عقیدے کے جوش اور سادگی کو ہمیشہ برقرار رکھا اور اپنے بعد آنے والوں میں وہ اپنی کتاب "Sacred Poems" کی بدولت مقبول ہوا۔ ان کے والد پارلیمنٹ کے رکن رہے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر تھے۔ رابرٹ گرانٹ نے ۱۸۰۶ء میں کیمبرج سے گریجویشن کیا۔ نو سال تک وکالت کی مشق کیا وروہ بھی پانچ سال تک پارلیمنٹ کا رکن رہے۔ ۱۸۳۱ء میں کونسلر بنے۔ ۱۸۳۴ء میں بمبئی کے گورنر بنے اور ۱۸۳۸ء کو ڈپوری، مغربی ہندوستان، (Dapoorie, Western India) میں انتقال ہوا۔ براؤن گرانٹ نے کئی گیت لکھے جس میں سے تین گیت اپنی جداگانہ طرز اور تخیل کی بنا پر زبان زدے عام ہوئے۔

ان کے ایک گیت "By thy birth, and by thy tears" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"By thy triumph o'er thr grave;
By thy power the lost to save;
By thy high majestic throne;

By the empire all thine own

Savior, look with piting eye;

Savior,help me, or I die. "(۵۸)

ترجمہ:

قبر پر تیری فتح سے

تیری کھوئے ہوؤں کو بچانے کی قدرت سے

تیرے عالی شان تخت سے

تیری ہی سلطنت کی طرف سے

اے نجات دہندہ، مجھ پر ترس بھری آنکھوں سے نگاہ کر

اے نجات دہندہ، میری مدد کر نہیں تو میں مر جاؤں گا

iii۔ دوسرا دور سوم: اس دور کے اہم مذہبی گیت نگار یہ ہیں۔

Charlot Elliott (چارلوٹ ایلیٹ: ۱۷۸۹ء تا ۱۸۷۱ء):

مس ایلیٹ انگریزی کی سب سے بڑی گیت نگار تصور کی جاتی ہیں۔ مس ایلیٹ بیاسی سال کی عمر تک زندہ رہیں۔ وہ برائٹن' انگلینڈ (Brighton, England) میں پیدا ہوئیں۔ جہاں ان کی زندگی کا بیشتر حصہ گزرا۔ وہ خاموش طبع تھیں۔ اپنا زیادہ وقت مذہبی اور ادبی سرگرمیوں میں گزارتیں۔ ۱۸۲۲ء میں ڈاکٹر کریسر مالان (Dr.Cresar Malan) ایلیٹ کے گھر پر تشریف فرما تھے۔ ایک شام جب وہ بات چیت کر رہے تھے تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ خود کو واقعی میں ایک سچی مسیحی سمجھتی ہے؟

اس سوال نے لمحہ بھر کے لیے انہیں پریشان کر دیا۔ اور اسے کہنے لگیں کہ مذہب ایک ایسا معاملہ ہے جس پر وہ بحث نہیں کرنا چاہتی۔ ڈاکٹر مالان نے اپنے معمول کے شیریں لہجے میں جواب دیا کہ اگر انہیں ناگوار گزرا ہے تو وہ اس موضوع کو آگے نہیں بڑھائیں گے لیکن وہ دعا کریں کہ وہ مسیح یسوع کو اپنا دل دے اور اس کے لیے ایک کارآمد کارکن بن کر خدمت کرے۔ کئی دنوں کے بعد نوجوان خاتون نے وزیر کے ساتھ اپنے ناگہانی سلوک پر

معذرت کی اور اعتراف کیا کہ ان کے سوال نے اسے پریشان کیا تھا۔ وہ مسیح کو تلاش کرنے کا طریقہ نہیں جانتی وہ کہنے لگی کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ میری مدد کریں۔ ڈاکٹر مالان نے کہااس کے پاس اسی طرح آؤ جیسی تم ہو۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ ایک دن یہی سادہ سا خیال شعر میں ڈھل جائے گا اور ساری دنیا کے لبوں پہ ہو گا۔ یوں ان کے ایمان کی زندگی شروع ہو گئی۔ انہوں نے کئی ادبی تحائف حاصل کیے۔ انہوں نے ایک سو پچاس مذہبی گیت لکھے جن میں سے زیادہ مقبول "Just As I Am " تھا جسے اس نے ۱۸۳۶ء میں تخلیق کیا۔

ان کے ایک گیت "Just as I am, without one plea" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"Just as I am, without one plea,
But that thy blood was shed for me,
And that thou bidd'st me come to thee,
O lamb of God, I come , I come."(۵۹)

ترجمہ:

جیسا کہ میں ہوں، بغیر کسی التجا کے
لیکن یہ کہ تیرا خون میرے لیے بہایا گیا
اور یہ کہ تم مجھے اپنے پاس آنے کا حکم دیتے ہو
اے خدا کے برّہ، میں آتا ہوں، میں آتا ہوں

John keble (جان کیبل : ۱۷۹۲ء تا ۱۸۶۶ء):

کیبل جان فیئر فورڈ، گلوسٹر شائر کے ایک پادری کا بیٹے تھے۔ ان کے والد بڑی قابل شخصیت کے حامل انسان تھے۔ انہوں نے اپنے دو بیٹوں' جان اور تھامس کو خود تعلیم حاصل دی جب تک وہ کالج نہیں گئے۔ وہ ایک ساتھ آکسفورڈ میں داخل ہوئے اور جان کیبل کے شاندار مستقبل کا آغاز ہوا۔ ۱۸۰۶ء میں انہوں نے کارپس کرسٹی کالج میں وظیفہ حاصل کیا۔ کیبل اس وقت صرف انیس سال کا تھا۔ اگلے سال انہوں نے لاطینی اور انگریزی گیتوں کی تخلیق کے سلسلے میں یونیورسٹی کے انعامات بھی ملے۔ ۱۸۱۶ء میں انہیں انگریزی پادری کے عہدے پر فائز کیا گیا۔

۱۸۱۸ء تا ۱۸۲۳ تک وہ اوریل کالج میں ٹیوٹر رہے پھر اپنی والدہ کی موت کے بعد انہوں نے آکسفورڈ چھوڑ دیا اور فیئر فورڈ واپس آ گئے تا کہ وہ اپنے والد اور دو بہنوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ انہوں نے کئی انتہائی دلکش پیشکشوں کو ٹھکرا دیا کیونکہ وہ اپنے خاندان کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ ۱۸۳۶ء میں وہ ان پریشانیوں سے رہائی کے بعد ہر سلے میں آباد ہوئے۔ کیبل چرچ کیلینڈر کی پیروی کرتے تھے ۔ وہ ہر دن کی مناسبت سے گیت لکھتے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہمیں متعدد موضوعات پر مبنی گیتوں کا اثاثہ ملتا ہے۔ "The Morning Hymn" اور "The Evening Hymn" کے عنوان سے ان کے زبان زدے عام گیت ملتے ہیں جو اپنے عہد کی خوبصورت یاد ہیں۔

ان کے ایک گیت "Blest are the pure in heart" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"Blest are the pure in heart,
For they shall see their God;
The secret of the Lord is theirs,
Their soul is christ's abode."(۶۰)

ترجمہ:

مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں
کیونکہ وہ اپنے خدا کو دیکھیں گے
وہ خدا کے راز سے واقف ہیں
ان کی روح مسیح کا مسکن ہے

Henry Francis Lyte (ہنری فرانسس :۱۷۹۳ء تا ۱۸۴۷ء):

لائٹ یکم جون ۱۷۹۳ء کو سکاٹ لینڈ میں کیلسو (Kelso) کے قریب ایڈنم (Ednam) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ۱۸۱۴ء میں ٹرنٹی کالج' ڈبلن (Trinity College, Dublin) سے گریجویشن کیا۔ یہاں انہوں نے انگریزی شاعری میں تین الگ الگ بار انعام حاصل کیا۔ ۱۸۱۵ء میں وہ باقاعدہ طور پر خدمت کے لیے مقرر ہوئے اور کئی جگہوں پر خدمات انجام دینے کے بعد ۱۸۲۳ء میں لوئر برکسہم، ڈیون شائر، انگلینڈ میں (Lower Brixham, Devonshire, England) آباد ہو گئے۔ جہاں وہ اخیر عمر تک آباد رہے۔ ۱۸۴۷ء میں وہ خالق

حقیقی سے جا ملے۔ لائٹ نے بہت سی سختیاں جھیلیں اور صعوبتیں اٹھائیں۔ ان کے پیاروں کو دھوکہ دیا گیا ان کے عزائم ناکام بنائے گئے اور ان کی صحت نسبتاً کم عمری میں ہی خراب رہنے لگی۔ ان کے مذہبی گیت ان کے اپنے مذہبی تجربات کا نتیجہ ہیں۔ تلخیوں کے باوجود ان کے گیتوں میں ان کا اظہار اس قدر نزاکت سے کیا گیا ہے کہ ذاتی عنصر کی بڑی احتیاط سے پردہ پوشی ہو گئی ہے۔ لائٹ نے زبوری گیتوں کا ایک مجموعہ شائع کیا جس کا عنوان "زبور کی روح" ہے۔

جب گیت نگاری میں لائٹ کے قد کا اندازہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان کے شعر پاکیزہ تخیل سے ملبوس ہو کر آتے ہیں وہ صحائف سے تخیل کو اخذ کرتے ہیں۔ ان کے خیالات مقدس تحریر کے الفاظ کی بازگشت میں ملبوس تھے۔ وہ بڑی نفاست سے محاورات کو برتتے ہیں۔ خوبصورتی سے منظر کشی کرتے ہیں اور بلاشبہ روحانی حقائق کی گہری بصیرت کے حامل ہیں۔

ان کے ایک گیت "Abiding, oh, so wondrous sweet!" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"Abiding, oh, so wondrous sweet!
I'm resting at the Savior's feet;
I trust in Him, I'm satisfied,
I'm resting in the Crucified!"(۶۱)

ترجمہ:

ہمیشہ قائم رہنے والا "اوہ" تو حیرت انگیز پیارا!
میں نجات دہندہ کے قدموں میں آرام پا رہا ہوں
مجھے اس پر بھروسہ ہے، میں بے حد مطمئن ہوں
میں مصلوب مسیح میں آرام کر رہا ہوں!

iv۔ دوسرا دور چہارم: اس دور کے اہم مذہبی گیت نگار یہ ہیں۔

Sara Flower Adams (سارا فلاور ایڈمز :۱۸۰۵ء تا ۱۸۴۸ء):

سارا فلاور بنجیمن فلاور کی بیٹی تھیں۔ جو بذاتِ خود ایک مصنف تھے انہوں نے (The Cambridge Intelligencer) میں ایڈیٹر کی خدمات انجام دیں۔ انہوں نے ولیم برجز ایڈمز (William Bridges Adams) نامی ایک آدمی سے شادی کی جو کہ پیشہ ور انجینئر تھا اور لندن میں سکونت اختیار کی۔ یہاں وہ ایک پادری ریورنڈ ولیم جانسٹن فاکس (Rev. William Johnston Fox) کی سرپرستی میں روحانی زندگی گزارنے

لگی۔ اس پادری نے ۱۸۴۱ء میں ہیمنز اینڈ اینٹکمز(Hymns and Antkems) کے عنوان سے ان کی ایک کتاب شائع کی۔ یہ کتاب تیرہ گیتوں پر مبنی تھی۔ انہی گیتوں میں سے چند گیت آج بھی نہ صرف انگریزی گرجاگھروں میں گائے جاتے ہیں بلکہ زبان زدے عام بھی ہیں۔ ان کے ایک گیت "A parting hymn we sing" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"A parting hymn we sing
Around your table, Lord;
Again our grateful tribute bring,
Our solemn vows record."(۶۲)

ترجمہ:

ایک جداگانہ گیت جو ہم گاتے ہیں
تیری پاک میز کے ارد گرد، اے رب!
ایک بار پھر ایک شکر گزار خراج تحسین جو ہم تجھے پیش کرتے ہیں
ہمارے پختہ عہدوں کا نشان ہے

Horatius Bonar(ہور ٹیئس بونر :۱۸۰۸ء تا۱۸۸۹ء):

ہور ٹیئس بونر ۱۹ دسمبر ۱۸۰۸ء کو ایڈنبرا(Edinburgh) میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد جیمز بونار (James Bonar) ایکسائز(excise) کے وکیل تھے اور طبیعت کے اعتبار سے ایک متقی آدمی تھے۔ ان کے والد کے آباؤ اجداد کئی نسلوں تک چرچ آف سکاٹ لینڈ کے پادری رہے۔ اس لیے یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی کہ انہوں نے ابتدائی جوانی میں ہی اپنے آپ کو مسیح کے نام کر دیا اور خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ ان کی ابتدائی تعلیم ان ہی کے آبائی شہر میں ہوئی اور وہیں ایڈنبرا یونیورسٹی میں مکمل کی۔ انہوں نے شروع شروع میں سنڈے سکول کے بچوں کے لیے گیت لکھے۔ روحانی موضوعات کو جامعیت سے گیتوں میں پرونا ہی ان کا کمال رہا ہے جس سے ان کے گیتوں میں خوبصورتی آتی ہے۔ ان کے ہاں وسیع مضامین ملتے ہیں۔ وہ زیادہ تر کفارہ' گناہوں کی معافی اور نجات کو موضوعِ سخن بناتے ہیں۔

ان کے ایک گیت "A mind at perfect peace with God" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"A mind at perfect peace with God,
Oh! What a word is this!

A sinner reconciled thro' blood;

This, this indeed is peace!"(۶۳)

ترجمہ:

خُدا کے ساتھ کامل سکون میں آرام پانے والا ایک تخیل

اوہ! یہ کیسا کلام ہے!

ایک گنہگار نے خون کے وسیلہ صلح پائی

یہ واقعی آرام ہے!

Henry alford (ہینری الفورڈ: ۱۸۱۰ء تا ۱۸۷۱ء):

ہینری الفورڈ ۷ اکتوبر ۱۸۱۰ء کو لندن میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک انگریزی چرچ میں پادری کی خدمات سر انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے کیمبرج کے ٹرینیٹی کالج(Trinity College, Cambridge) سے گریجویشن کیا۔ کئی عہدوں پر بڑی کامیابی کے ساتھ خدمات انجام دینے کے بعد وہ ۱۸۵۷ء میں کینٹربری (Canterbury) کے ڈین کی خدمات سر انجام دینے لگے اور اپنے آخری دم تک چودہ سال وہیں خدمت کرتے رہے۔ان کو گویا اسی جگہ کی وابستگی سے یاد کیا جانے لگا وہ ہر جگہ صرف "ڈین الفورڈ" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ گویا ان کا اصل نام محض دستاویزات میں ہی دفن ہو گیا تھا۔ڈین ایلفورڈ صاحبِ علم اور باذوق آدمی تھے۔وہ متقی طبع کے مالک تھے۔ ڈین ایلفورڈ نے بہت سے مذہبی گیت لکھے۔جو اپنے اندر تخیل کی خوبصورتی سمیٹے ہوئے تھے۔

ان کے ایک گیت "Lo, the stroms of life are breaking" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

" Lo, the stroms of life are breaking

Faithless fears our hearts are shaking;

For our succor undertaking,

Lord and my Savior, help us!"(۶۴)

ترجمہ:

دیکھو، زندگی میں غم طوفان ٹوٹ رہے ہیں

ایمان کو ڈگمگانے والے خوف سے ہمارے دل کانپ رہے ہیں

ہماری مدد کے لیے

خُداوند اور نجات دہندہ، ہماری مدد کریں

3۔ تیسرا دور۔ عقیدت اور تجربات کا دور (۱۸۵۰ء):

تیسرے دور کے نامور گیت نگار:

Frederick William Faber (فریڈرک ولیم فیبر : ۱۸۱۴ء تا ۱۸۶۳ء):

فیبر ایک انگریز پادری کے بیٹے تھے۔ وہ ۲۸ جون ۱۸۱۴ء کو (Yorkshire) یوک شائر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ۱۸۳۶ء میں بالیول کالج آکسفورڈ (Baliol College Oxford) سے گریجویشن کیا اور اگلے ہی سال خدمت کے لیے انکی تقرری ہو گئی۔ ۱۸۴۳ء کو وہ ایلٹن، ہنٹنگڈن شائر (Elton, Huntingdonshire) کے ریکٹر بن گئے۔ انہوں نے ۱۸۴۹ء میں لندن میں قیام کیا اور پھر وہیں رہائش پذیر رہے۔ ان کا انتقال ۲۶ ستمبر ۱۸۶۳ء کو ہوا۔

ڈاکٹر فیبر نثر اور شاعری دونوں میں بہت بڑا نام ہیں۔ ان کے گیتوں کے بہت سے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ وہ الفاظ کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ معنی کی نئی صورتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ ان کی زبان میں شیرینی ملتی ہے۔ ان کا تخیل انتہائی غیر معمولی تھا۔ انہوں نے خیال کو بیان کرنے کے لیے اصطلاحات کو بخوبی نبھایا۔ وہ سادہ الفاظ استعمال کرتے۔ ان کے گیت تاثر سے بھرپور ہوتے ہیں۔ فیبر نے بہت سے گیت لکھے جن میں سے بہت سے بے حد مقبول ہوئے۔

ان کے ایک گیت "See whose glory fills the skies" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"Holy Ghost, come down upon Thy children,

Give us grace and make us thine;

Thy tender fires within us kindle,

Blessed Spirit,Dove divine."(۱۵)

ترجمہ:

اے روح القدس، اپنے بچوں پر نازل ہو

ہم پر فضل کر اور ہمیں اپنا بنا

ہمارے اندر تیری آگ بھڑک رہی ہے

بابرکت روح، کبوتر الٰہی

Edward Caswall (ایڈورڈ کیسوال:۱۸۱۴ء تا۱۸۷۸ء):

ایڈورڈ کیسوال یکم جولائی ۱۸۱۴ء کو ہیمپشائر(Hampshire)میں پیدا ہوئے۔ان کے والد ایک پادری تھے۔ان کی تعلیم بریزنوز کالج آکسفورڈ(Oxford Brazenose College)میں ہوئی۔انہوں نے آنرز کے ساتھ گریجویشن کیا۔۱۸۴۰ء کو خدمت کے لیے ان کی تقرری ہوئی۔دس سال کی خدمت کے بعد وہ رومن چرچ میں داخل ہوئے۔انہوں نے نیو مینز اوٹریٹری برمنگھم (New man's Orator Birmingham)میں شمولیت اختیار کی اور اس کے بعد اپنی زندگی کے آخر تک اپنے آپ کو اپنے تقرری کے فرائض کے لیے وقف کر دیا۔انہوں نے متعدد گیت لکھے جو اپنے عہد کے مقبول گیت رہے ہیں۔

ان کے ایک گیت "All ye a certain cure who seek" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"All ye a certain cure who seek

In trouble and distress,

Whatever griefs the spirit break,

Or sins the soul oppress:"(۲۶)

ترجمہ:

تم سب جو ایک خاص علاج کی جستجو کرتے ہیں

مصیبت اور پریشانی میں

کچھ بھی غم ہو اور روح زخمی ہو جائے

یا گناہوں سے روح پر ظلم ہوتا ہو

John Mason Neale (جان میسن نیل : ۱۸۱۸ء تا۱۸۶۶ء):

نیل ۲۴ جنوری ۱۸۱۸ء کو لندن میں پیدا ہوئے۔ان کے والد بھی ایک پادری تھے۔انہوں نے ٹرینیٹی کالج کیمبرج(Trinity College, Cambridge)میں داخلہ لیا جہاں جلد ہی انہوں نے اپنی کلاس میں بہترین طالب علم کا درجہ حاصل کیا۔انہیں بہت سے اعزازات سے نوازا گیا۔قابلیت کی انتہا کہ وہ قرون وسطی کے چرچ کے ادب کا ایک سرشار طالب علم بن گئے۔۱۸۴۶ء میں وہ سیک ویلے کالج (Sackville College) کے وارڈن بن گئے جہاں انہوں نے سالانہ ستائیس پاؤنڈ کی معمولی تنخواہ پر ملازمت کو آخری دم تک جاری رکھا۔نیل نے تخیل کو

جدت عطا کی اور نئی نئی اصطلاحات کو گیتوں میں برت کر معنی آفرینی سے کام لیا۔ انہوں نے کئی گیت لکھے جو لوگوں میں عام ہوئے اور چرچ میں گائے جاتے رہے۔

ان کے ایک گیت "After three days Thou didst rise" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"After three days Thou didst rise

Visible to mortal eyes;

First the Eleven worshipped Thee,

Then the rest in Galilee:

Then a cloud in glory bore

Thee to Thine own native shore."(٦٧)

ترجمہ:

تین دن کے بعد آپ جی اٹھے

اے فانی آنکھوں پر ظاہر ہونے والی ذات

پہلے گیارہ نے تیری تمجید کی

پھر باقی گلیل والوں نے

پھر جلال میں بادل چھا گئے

تجھ پر تیرے اپنے آبائی ساحل پر

Cecil Frances Alexander (سیسل فرانسس الیگزینڈر :۱۸۱۸ء تا ۱۸۹۵ء):

سیسل فرانسس الیگزینڈر ایک ہونہار خاتون تھیں۔ یہ دراصل ریورنڈ ڈاکٹر ولیم الیگزینڈر کی اہلیہ تھیں جو ڈیری آئرلینڈ (Ireland'Derry) میں بشپ کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے نظموں کی بہت سی جلدیں شائع کیں لیکن بچوں کے لیے گیت لکھنا ان کا کمال فن رہا ہے۔ The Burial of Moses ان کا مشہور گیت ہے۔

ان کے ایک گیت "All things beautiful and fair" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"All things beautiful and fair,

Earth and sky and blomy air;

Sunny field and shady grove,

Gently whisper, God is love!"(۶۸)

ترجمہ:

تمام چیزیں خوبصورت اور دلکش ہیں

زمین و آسمان اور ٹھنڈی ہوا

دھوپ والا میدان اور سایہ دار باغ

آہستہ سے سرگوشی کرتا ہے "خدا محبت ہے!

۶۔برصغیر میں مذہبی گیت نگاری:

1۔برصغیر میں مسیحیت کا آغاز:

یسوع مسیح کے جی اٹھنے کے بعد ان کے شاگردوں نے مسیح کی تعلیم کو جاری رکھا اور اس غرض سے وہ ساری دنیا میں پھیل گئے ان میں سے بہت سے قتل کر دیئے گئے تقریباً سبھی شاگردوں نے عشق مسیح میں جان کے نذرانے پیش کیے ۔انہی شاگردوں میں سے توما نامی ایک مقدس شاگرد تبلیغ کرتا ہوا برصغیر میں آیا۔ ٹیکسلا کے مقام پر ہمیں اس کی قبر بھی ملتی ہے۔برصغیر میں مسیحیت کا آغاز "مقدس توما" نے کیا۔

> "برصغیر میں مسیحیت کا آغاز پہلی صدی عیسوی سے ہوتا ہے یہاں کی قدیم ترین مسیحی جماعت جنوبی ہند کی سُریانی یا شامی کلیسیا ہے۔ مسیحی روایات کے مطابق مقدس توما (سینٹ تھامس) یہاں آئے اور مسیحیت کی بنیاد ڈالی۔"(۶۹)

پشاور کے قریب چارسدہ کے مقام پر مقدس پطرس (سینٹ پیٹرز) جو کہ یسوع مسیح کے ایک شاگرد تھے' کا مجسمہ ملتا ہے جو پانچویں صدی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مقدس توما کے بعد برصغیر میں مسیحیوں کی آمد کا سراغ اسی مجسمے سے ملتا ہے۔اس کے بعد ۱۲۹۱ء میں ایک اور کیتھولک راہب جان مونٹے رونیو نے ہندوستان کا رخ کیا اور یہاں تبلیغی خدمات انجام دیں۔ جان مونٹے رونیو کے بعد ۱۳۲۳ء میں ایک اور راہب اوڈرک نے جن کا تعلق ڈینے سے تھا' ہندوستان میں مسیح یسوع کی تبلیغ کی اور مسیحیت کو ہندوستان میں پھیلانے اور لوگوں کو نجات کی تعلیم دینے کے لیے

خدمت کی۔ ۱۵۱۰ء میں گوا کے مقام پر تگالیوں نے فتح کر کے مرکز کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اس مرکز سے پورے برصغیر میں مسیحی مبلغین کو بھیجا جاتا اور مسیحی تعلیم کو عام کیا جاتا رہا۔

2۔ مغلیہ دور میں غیر ملکی مسیحیوں کی ادبی خدمات:

۱۵۵۶ء میں اکبر بادشاہ کا دور سلطنت شروع ہوا۔ اکبر تخت نشین ہونے کے بعد ۱۵۷۵ء میں 'جب وہ مذہبی معاملات کی نئی راہیں تلاش کر رہا تھا اس کام کے شروع ہونے کے چند سال بعد ۱۵۷۹ء میں' مسیحی مبلغین کے مرکز گوا سے تین فادر باہم اکٹھے ہو کر دربارِ اکبر میں حاضر ہوئے۔ اکبر بادشاہ کے حکم پر ایک مسیحی لکھاری فادر جیروم نے ۱۶۰۲ء میں 'مراۃ القدس' کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی۔ چار حصوں پر مبنی یہ کتاب بنیادی طور پر داستان یسوع مسیح ہے۔ 'مراۃ القدس' کے بعد دوسری کتاب 'آئینہ حق نما' کے عنوان سے منظر عام پر آئی جس کی تکمیل جہانگیر بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد ہوئی اور اسے دربار جہانگیر میں پیش کیا گیا۔ ۱۶۰۴ء میں تیسری کتاب 'داستان احوال حوارین' کے عنوان سے جبکہ 'ادبی سلطنت' کے عنوان سے چوتھی کتاب شائع ہوئی جو ۱۶۰۹ء میں دربار جہانگیر میں پیش کی گئی ان کتابوں کے علاوہ فادر جیروم نے لغات اور گرامر کی کتابیں بھی لکھیں۔

> ''فادر صاحبان نے اردو' عربی اور سنسکرت زبان مقامی اساتذہ سے سیکھی۔ لندن کے سکول آف اورینٹل سٹڈیز میں ان کی کتابوں کے مسودات موجود ہیں۔''(۷۰)

اس کے بعد کئی ڈچ' فرانسیسی اور انگریز ہندوستان میں وارد ہوتے رہے۔ انہوں نے بھی اردو زبان کی طرف توجہ مبذول کی۔ بینجمن شیلزے ایک ڈچ لکھاری تھے۔ انھوں نے اردو گرامر کو سیکھا سمجھا اور پھر لاطینی زبان میں قلمبند کیا اور ۱۷۴۴ء میں کتابی شکل میں شائع کروایا۔ انہوں نے بائبل مقدس کا اردو میں ترجمہ بھی کیا جس کی چھپائی کا کام ۱۷۴۸ء میں مکمل ہوا۔ شیلزے زیادہ تر دکنی علاقوں میں مقیم رہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہمیں دکنی اردو کے اثرات زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کے بعد ہیڈلے کا نام تاریخ کے اوراق پر نمایاں نظر آتا ہے جنہوں نے ۱۷۷۲ء میں اردو زبان کی گرامر لکھی۔ اس کے بعد الیگزینڈر ڈف کا نام قابل ذکر ہے۔

> ''ڈف ۱۸۳۰ء میں برصغیر آئے انہوں نے مقامی اساتذہ سے سنسکرت' بنگالی اور ہندوستانی زبانیں سیکھیں۔ انہوں نے اردو گرامر لکھی جو لندن سے شائع ہوئی۔''(۷۱)

3۔ فورٹ ولیم کالج کے غیر ملکی مسیحی مصنف:

انیسویں صدی میں کئی ایسے کئی نام ملتے ہیں جنہوں نے زبان کی ترویج کے لیے عملی کاوشیں کیں۔ ڈاکٹر انور سدید 'اردو ادب کی مختصر تاریخ' میں کچھ اسی طرح کا ذکر کرتے ہیں:

> ''اردو قواعد نویسی اور فرہنگ سازی کی یہ ابتدا اتنی شاندار تھی کہ انیسویں صدی میں متعدد اردو مصنفین بھی اس اہم کام کی طرف راغب ہوئے۔ غیر ملکی کاوشوں سے اردو زبان کو بیش قیمت فائدہ ہوا۔''(۷۲)

اردو نثر کی ترویج کا سہرا جان گل کرائسٹ کے سر ہے۔ انہوں نے قابل لوگوں کو اکٹھا کیا اور کتابیں چھپوانے کا کام شروع کیا۔ ۱۷۹۰ء میں ان کی کتاب 'انگریزی ہندوستانی ڈکشنری' کے عنوان سے منظر عام پر آئی۔ تالیف کا سلسلہ بیس سال تک جاری رہا۔ ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا قیام ہوا۔ اس کالج کا مقصد بھی تصنیف و تالیف تھا۔ گل کرائسٹ نے دس کتابوں کی تالیف کی۔ فارسی افعال کا جدید نظریہ "ہندی الفاظ کی قرأت "عربی ہندی اور ہندی داستان گو اس کے علاوہ مشرق سے بھی ان کی یادگار تالیفات میں شمار ہوتے ہیں۔ ۱۸۲۰ء میں انہوں نے اردو رسالہ کی اشاعت کی۔

اس کے بعد گارساد تاسی جو فرانسیسی عالم تھے' قابل ذکر نام ہے۔ انہوں نے آثارالصنادید اور باغ و بہار کا فرانسیسی ترجمہ کیا۔ انہوں نے سترہ کتابیں لکھیں۔ ان کی یہ کتابیں مختلف موضوعات پر مبنی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی ادبی خدمات بھی بہترین ادبی ماخذات میں شمار کیے جاتے۔ 'کلیات ولی' اور 'مثنوی کا محور' کی تدوین و تالیف کا سہرا بھی کارساد تاسی کے سر جاتا ہے۔ یہ ان کے شاہکار کاناموں میں گنے جاتے ہیں۔ مسٹر فیلن نے مولوی کریم الدین دہلوی کے ساتھ مل کر 'طبقات شعرائے ہند' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جو شعرائے ہند کا تذکرہ ہے۔ ۱۸۰۶ء میں ہنری مارٹن نے انجیلی ترجمہ پیش کیا بعد ازاں سیرام پور کے مشنری پادریوں نے بائبل مقدس کا ترجمہ کیا جس کی پانچ جلدیں شائع کی گئی۔ اس کے علاوہ بھی کئی انگریزی مصنفین نے اردو ادب میں اپنی خدمات پیش کیں۔ بقول فادر فرانس ندیم:

> ''نامور مسیحی ادیب ماسٹر رام چندر دہلوی جو مولانا محمد حسین آزاد' مولوی ذکاءاللہ' ڈپٹی نذیر احمد اور پیارے لال آشوب کے استاد تھے۔ اور انہوں نے دہلی کالج میں گراں قدر علمی و ادبی خدمات سر انجام دیں۔ عجائب روزگار (۱۸۴۷ء) اصول علم ہیت (۱۸۴۸ء) اور تزکرہ کاملین (۱۸۴۹ء) آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ یوسف (خان بہادر) متوفی (۱۸۶۱ء) واجد علی شاہ کے توپ خانے میں بیس سال خدمات انجام دے چکے تھے۔ انہوں نے اردو میں "سیر و سفر" کے نام سے سفر نامہ لکھا۔ جو ۱۸۴۷ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ جیمز کارکرن

جو بدیسی مسیحی تھے۔(۱۸۶۴ء) میں انہوں نے تاریخ ممالک چین ' دو جلدوں میں لکھی۔اس کتاب کی زبان بڑی سلیس "رواں" با محاورہ اور آسان ہے۔ جگہ جگہ فارسی اور اردو کے اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔لوئیس ڈی کوسٹا نے ٹائرر کی تاریخ' لب التواریخ' کے نام سے لکھی۔ یہ ترجمہ ۱۸۳۰ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔'جام جہاں نما'کلکتہ میں لوئس کوسٹا کی فارسی اور اردو غزلیں شائع ہوئی تھیں۔"(۴۳)

4۔برصغیر کے غیر ملکی شعرا:

برصغیر میں کئی ایسے شعرا کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے اردو، فارسی اور سنسکرت زبان سیکھی اور پھر ان زبانوں میں شعر کہنے لگے۔ یہ شعرا اپنے عہد کے مقبول شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ان شعرا نے نہ صرف شعر گوئی کی بلکہ ان کے دیوان بھی چھپے۔ان میں سے چند نامور شعرا کا ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔

الیگزنڈر ہیڈرلی آزادؔ:

برصغیر کے عظیم نامور شاعر مرزا اسد اللہ خان کے شاگردوں میں چند غیر ملکی شاگرد بھی شامل تھے۔ان شاگردوں میں الیگزنڈر ہیڈرلی کا نام زیادہ قابل ذکر ہے۔ الیگزنڈر ہیڈرلی آزادؔ ایک فرانسیسی تھے۔ان کا ذکر لالہ سری رام ایم اے کے تذکرے ' تذکرہ مے خانہ جاوید'میں ملتا ہے۔ آپ ۱۸۳۹ء کو پیدا ہوئے۔ الیگزنڈر ہیڈرلی آزادؔ کا دیوان "دیوانِ آزاد" کے نام سے ملتا ہے۔ یہ دیوان ۱۷۰ صفحات پر مشتمل تھا۔اسے ۱۸۶۳ء میں احمدی آگری نے شائع کیا ۔اس کا ایک نسخہ 'سرکاری کتب خانہ رامپور' میں بھی دستیاب ہے۔ الیگزنڈر ہیڈرلی کا ذکر عبدالماجد دریا آبادی کے مقالاتِ ماجد نے بھی میسر ہے۔

فراؔسو:

اصل نام فراڈ گوڈ گوٹ لیب کاین تھا'جب کہ فراسوؔ تخلص کرتے تھے۔ فراؔسو جرمن تھے۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۵ مارچ ۱۷۷۰ ءہے۔ فراؔسو نے شاہ نصیر سے تلمذ کیا۔ فراؔسو نے نظم و نثر کی بیس سے زیادہ کتب کی تصنیف و تالیف کی۔ان میں مثنویاں ،دیوانِ فارسی، قصائد، دیوانِ غزلیات، اردو لغات، انشائیے وغیرہ مقبول کتابیں ہیں۔ شاعری میں زیادہ پسندیدہ صنف قصائد رہی۔زیادہ تر قصائد ہی لکھے۔

جارج شوؔر میرٹھی:

آپ ۱۸۲۳ میں پیدا ہوئے۔ رشتے میں فرآسو کے نواسے تھے۔ ان کے چھ اردو دیوان ،ایک فارسی دیوان جبکہ ایک طویل مثنوی شائع ہوئی۔ انجمن پنجاب کی تحریک نے نظم کو فروغ دیا۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کا سہرا ڈاکٹر لائٹنر کے سر جاتا ہے جو گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے۔

''انجمن پنجاب کے زیر اہتمام نئی شاعری کے دس مشاعرے ہوئے جو ۱۹ اپریل ۱۸۷۴ سے ۱۳ مارچ ۱۸۷۵ تک جاری رہے۔ اگرچہ مارچ ۱۸۷۵ میں مشاعرہ بند کر دیا گیا لیکن نئے انداز کی نظم نگاری کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے ربع چہارم میں عبد الحلیم شرر نے 'دل گداز' اور بیسویں صدی کے ربع اول میں شیخ عبد القادر نے "مخزن" کے ذریعے اردو نظم میں موضوع اور ہیئت کے تجربے کیے۔ مذکورہ بالا حقائق ثابت کرتے ہیں کہ جدید نظم کی ترقی میں ڈاکٹر لائٹنر کا بڑا اہم کردار ہے۔ جس کے باعث نظم نگاری کی ترقی کے امکانات روشن ہوتے گئے۔''(۷۴)

5۔ برصغیر میں مسیحی گیت نگاری اور نامور مذہبی گیت نگار:

برصغیر میں انگریزوں نے مسیحیت کو پھیلانے کے لیے بہت سے انگریزی مذہبی گیتوں کو اردو زبان میں منتقل کیا۔ بائبل مقدس سے زبور کی کتاب کو پنجابی اور اردو میں منظوم کیا گیا۔ اس سلسلے میں بہت سے شعرا نے اپنی اپنی خدمات پیش کیں۔ اردو زبان کی نشوونما اور ارتقا کے مراحل کے حوالے سے ڈاکٹر کنول فیروز کہتے ہیں کہ :

''اردو کی ابتدائی نشوونما میں جہاں مسلمان مشائخ اور صوفیا نے قابل قدر کام کیا وہیں اس طریق عمل کو فروغ دین کی غرض سے مسیحیوں نے بھی قبول کیا۔ چنانچہ مسیحی مبلغین نے جو (ابتدا میں مغربی ممالک سے برصغیر میں آئے) تبلیغی ضرورتوں کے مطابق مقامی اور الہامی کتابوں کے تراجم اردو میں کیے۔''(۷۵)

برصغیر میں ابتدائی دور کے چند نامور گیت نگار کا ذیل میں ذکر ملتا ہے۔

پادری ڈاکٹر امام الدین شہباز:

آپ ۱۸۴۵ کو سیالکوٹ کے گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۶ء میں پادری کے لیے تقرری ہوئی۔ ۱۸۸۲ء تا ۱۸۹۱ء تک انہوں نے زبوروں کو منظوم کر کے زبوری گیتوں میں ڈھالا۔ ڈاکٹر شہباز کا پہلا ایڈیشن ۱۹۰۵ میں منظر عام پر آیا۔ یہ ایڈیشن فارسی رسم الخط میں شائع ہوا تھا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۲۵ء میں چھپا۔ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۷ء کا عرصہ انہوں نے پنجابی زبوری گیتوں کو رومن رسم الخط میں شائع کرنے کی تگ و دو میں گزارا۔ انہوں نے کئی اردو گیت بھی لکھے۔ ۱۸۹۲ء میں "غذائے روح" کے عنوان سے ان کی ایک اور کتاب بھی چھپی۔ یہ کتاب ۱۵ گیتوں پر مبنی تھی۔

ڈاکٹر صاحب کے زبوری گیت خواہ اردو کے ہوں یا پنجابی کے فی الحقیقت مسیحی عقائد کے تناظر میں لکھے گئے۔ انہوں نے کئی موضوعات کو شعری سخن میں ڈھالا۔ شکر گزاری ،توبہ، حمد و ستائش ،تکلیف، یسوع مسیح پسرِ خداوندی، یسوع مسیح بے پدر تخلیق اور اس کے ساتھ ساتھ تصوف اور روحانیت ان کے نمایاں مضامین رہے۔ ۱۹۳۵ میں وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

پادری رحمت مسیح واعظؔ:

آپ ۱۸۵۷ء کو نارووال میں پیدا ہوئے ۔'راحتِ دل' کے عنوان سے مذہبی گیتوں پر مبنی ان کی ایک کتاب ۱۸۸۸ء میں چھپی۔ یہ کتاب ۳۵ گیتوں پر مبنی تھی اس کتاب کے بارہ ایڈیشن چھپے۔ یہ ایڈیشن واعظؔ کی زندگی میں ہی چھپے۔ بارھواں ایڈیشن واعظؔ کے ۲۲۹ جبکہ دیگر شعرا کے ۴۲ مذہبی گیتوں پر مبنی تھا۔

> ''واعظؔ کے گیتوں کا موضوع مسیحی ایمان کی سچائیاں ہیں ۔ آپ نے مسیحی علم الہیات کو گیتوں کے قالب میں ڈھالا ہے۔ آپ نے بائبل مقدس کی صداقتوں کو بڑی عمدگی کے ساتھ شعری پیرہن عطا کیا ہے۔''(۷۶)

پیارے لال شاکرؔ:

پیارے لال شاکرؔ کے ۱۳ مارچ ۱۹۸۰ء کو کنکر گھڑی میں پیدا ہوئے۔ شاعری کے ساتھ صحافت سے بھی وابستگی رہی ہے۔ آپ کئی رسائل و جرائد کے لیے ادارت کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان رسائل و جرائد میں زمانہ کانپور، ادیب ،استقلال ،بچوں کی دنیا 'صدائے بشیر اور تحفہ زیادہ نمایاں ہیں۔

شاکرؔ میرٹھی:

شاکرؔ میرٹھی دراصل سرورؔ' محرومؔ' نادرؔ اور نظرؔ جیسے نامور شعرا کے ہم عصر شاعر ہیں ۔ آپ نے شوکت میرٹھی سے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سرورؔ جہاں آبادی اور منشی نوبت نظرؔ سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ اردو شاعری میں ایک ایسا موڑ بھی آیا جب نظموں میں منظر نگاری کو زیادہ اہمیت دی گئی اور اس پر خاص توجہ دی جاتی رہی ۔ یہ دور نیچرل نظموں کا دور کہلاتا ہے۔ شاکرؔ اسی گروہ سے تعلق رکھنے والے شاعر ہیں۔ آپ نے متعدد گیتوں کی صورت میں مذہبی شاعری کی ۔ مذہبی گیتوں کے حوالے سے " شہزادہ" کے عنوان سے آپ کا طویل گیت بے حد مقبول ہوا۔ اس گیت میں حضرت مسیح یسوع کی پیدائش کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ شاکرؔ نے زندگی کا آخری حصہ دہلی کے فیض بازار کے قریب 'بڑی عیسائی بستی 'میں بڑی کسمپرسی میں گزارا۔ ایسے میں مولانا ابوالکلام آزادؔ نے آپ کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے لیے پنشن کا انتظام کیا۔

بنی پرشاد صدؔا لکھنوی:

آپ ۱۸۵۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جوانی میں سینٹ جانسن کالج آگرہ کے پرنسپل کے سائے میں مسیحیت کو قبول کیا۔ آپ نے نوعمری میں شعر کہنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ نثر بھی لکھتے تھے۔ ترجمے سے بھی خاصا لگاؤ رہا۔ آپ ملٹن سے کافی متاثر تھے۔ آپ نے ملٹن کی بے حد مقبول کتاب Paradise Lost and Paradise Regained کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ "سمن مخزون" کے عنوان سے ۱۹۲۶ء میں آپ کی ترجمہ کی ایک اور کتاب شائع ہوئی۔ یہ کتاب بھی ملٹن ہی کی ایک کتاب 'سمسین اگونٹس' کا منظوم ترجمہ ہے۔

ریورنڈ فادر لباریوس پیٹرسن آزادؔ:

فادر لباریوس پیٹرسن آزادؔ ایک غیر ملکی مبلغ تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۲ فروری ۱۹۰۵ء کو ہوئی۔ ۲۲ مارچ ۱۹۳۶ء میں کہانت کی خدمات کے لیے آپ کی تقرری ہوئی۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو آپ نے برصغیر میں مذہبی خدمات کا آغاز کیا۔ 'نیا گیت گاؤ' کے عنوان سے آپ کی مذہبی گیتوں کی ایک کتاب منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں جبکہ دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں چھپا۔ ۱۹۷۷ء میں کتاب کا تیسرا ایڈیشن چھپا اور ۱۹۸۲ء میں چوتھے ایڈیشن کی طباعت کی گئی۔ کتاب کا چوتھا ایڈیشن میں فادر لباریوس کے ۸۴ مذہبی گیتوں پر مبنی تھا اس کے علاوہ "ہو شعنا" کے عنوان سے ان کی ایک اور کتاب شائع ہوئی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۳ء میں چھپا' ۱۹۷۸ء میں دوسرا' ۱۹۸۸ء میں تیسرا' ۱۹۹۰ء میں چوتھا اور ۱۹۹۲ء میں اس کتاب کا پانچویں ایڈیشن کی طباعت کی گئی۔

> ''فادر صاحب کے گیت خالص طور پر مذہبی اور روحانی رنگ لیے ہوئے ہیں۔ آپ کے بہت سے گیت کاتھولک گرجا گھروں میں گائے جاتے ہیں۔ آپ نے قاسم امرتسری اور ڈاکٹر جان جوزف کے ساتھ مل کر مسیحی گیت نگاری کے فروغ کے لیے بہت کام کیا۔''(۷۷)

فادر لباری اس پیٹرسن آزاد ۲۴ ستمبر ۱۹۷۳ء کو خالق حقیقی سے جاملے۔

پاکستان کے قیام سے قبل کی مسیحی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو مسیحی شعرا کے ہاں مذہب ،روحانیت اور اخلاقیات کا موضوع نمایاں ملتا ہے ۔ مسیحی شعرا نے مسیحی روایات، بائبل مقدس کے واقعات اور مسیحی عقائد کو شاعری میں جگہ دی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مسیحی تہواروں کو بھی موضوعِ سخن بنایا ۔ شمس العلماء علامہ پال ارنسٹ لکھتے ہیں:

> ''پراٹسٹنٹ اور کاتھولک مسیحیوں نے اردو ادب کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کیا ہے لیکن ابھی اور ادب خلق کرنے کی ضرورت ہے۔کاتھولک اردو ادب میں بائبل مقدس کی کتابوں کی تفاسیر نہیں ہے اور یہ ضرور ہونا چاہیں۔ مسیحی ادب پیدا کرنے کا کام ختم نہیں ہوا۔ یہ تو ابھی شروع ہوا ہے۔''(۷۸)

گیت دراصل سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی بھجن ، نغمہ یا نظم وغیرہ کے ہیں جنہیں گا کر پیش کیا جائے۔ پاک وہند میں اس سے مراد وہ نغمے لیے جاتے رہے ہیں جن کا خاص طور پر عورت کے دلی جذبات سے واسطہ ہو۔ مگر اس کے علاوہ بھی اس کی اقسام ہیں مثال کے طور پر وہ گیت جو خصوصاً خدا، دیوتاؤں ، نبیوں ،ولیوں اور بزرگوں کے اوصاف پر مبنی ہوتے ہیں اور حمد وثنا سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ان میں اکثر میں حالات وواقعات کو بھی پیش کر کے منظر نگاری اور عقیدت کے عمدہ نمونہ بنا کر منظر عام پر لایا جاتا ہے جس سے موصوف کی بڑائی ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ اس کی شان میں اضافہ کیا جاتا ہے۔یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ حمد وثنا کے نغمات کو گیت کہا جاتا ہے۔ انہی حمد وثنا کے گیتوں کی مذید تفصیل میں جایا جائے تو وہ گیت جو خدا کی ذات یا حضرت مسیح یسوع سے متعلق ہوں انہیں مسیحی گیت کہا جاتا ہے یا وہ گیت جن کا کوئی نہ کوئی تعلق حضرت مسیح یسوع کی ذات سے جڑتا ہے جیسے حضرت مریمؑ ، فرشتہ کا پیغام اور اس کے بعد حضرت مریمؑ کی شکر گزاری ، مسیح یسوع کے معجزات ،تصلیب وغیرہ جیسے مضامین سے بھرپور گیت بھی مسیحی گیتوں کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایسے گیت جو خدا کے احکامات کو موضوع سخن سمیٹے ہوئے ہوں وہ بھی مسیحی گیت کہلاتے ہیں الغرض حضرت یسوع مسیح، انجیل اور بائبل سے جڑے ہر واقعے پر مشتمل شاعری مسیحی گیت کے زمرے میں آتی ہے۔

ان مسیحی گیتوں کی روایت قدیم گیت نگاری سے جا ملتی ہے جو یونان سے شروع ہوتی ہے۔ یہ شاعری دیوتاؤں کی تعظیم میں کی جاتی رہی ہے۔ قدیم یونانی دور میں کھیلوں کے انعقاد کے لیے بھی گیت گا کر نوجوانوں کو جوش اور ولولہ سے بھرا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں مذہبی گیتوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے اس کے علاوہ مذہبی گیتوں کے مقابلے بھی اکثر سننے میں آتے ہیں۔ پھر بنی اسرائیل کے دور میں مذہبی گیت کا حوالہ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ہاں ملتا ہے جب وہ قلزم پار کر رہے تھے۔ اور فرعون کو شکست ہوئی تو بنی اسرائیل کے ہاں جیت کے جشن سے متعلق شاعری ملتی ہے۔ بعد ازاں یہی تاریخ مذید آگے جا کر حضرت حضرت داؤد کے ہاں مذید کھل کر سامنے آتی ہے جب ہیکل میں عہد کا صندوق رکھا جانے کا وقت آتا ہے تو حکم خدا کے عین مطابق لاویوں کے خاندان سے ساز بجانے والے اور گانے والوں کا انتخاب ہوتا ہے جو زبوروں کو منظوم کر کے گاتے نظر آتے ہیں۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خدا خود اپنی حمد ساز اور آواز پر چاہتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور رہی کہ لاویوں کا خاندان نہایت معتبر اور معزز تصور کیا جاتا رہا۔ حقیقت میں وہ خدا کی طرف سے ہی بڑا بابرکت خاندان رہا۔ پھر حضرت داؤد کے عہد میں ایسی درسگاہوں کا پتہ بھی ملتا ہے جس میں موسیقی اور مذہبی گیتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مذہبی گیتوں کا کسی بھی مذہب میں اہم کردار بھی ہے اور ایک منفرد مقام بھی۔ حضرت داؤد کے عہد کے بعد ایک عرصے تک مذہبی گیتوں پر خاموشی چھا گئی ایسا بابل کی قید کے عہد میں ہوا۔ بابل سے رہائی کے بعد یہ سلسلہ پھر رواں ہوا اور مسیح یسوع کی پیدائش تک یہ یونہی رواں رہا۔

مسیح یسوع کے عہد میں ان کی تصلیب 'موت' تیسرے روز جی اٹھنے اور آسمان پر جانے کے بعد ان کے شاگردوں نے مسیحی یسوع کی بشارت اور تبلیغ کا سلسلہ ابتدائی رسولی کلیسیا کی بنیاد رکھ کر شروع کیا یہ کلیسیا مسیحی تعلیم کو فروغ دینے میں بے حد معاون ثابت ہوئی۔ یہیں سے خالصتاً مسیحی گیتوں کی شروعات ہوئی۔ اس عہد میں سات مشہور گیت منظر عام پر آئے۔ جن میں سب سے پہلے فرشتے کا پیغام بہت اہمیت رکھتا ہے اس گیت میں اس واقعے کی منظر نگاری کی گئی ہے جس میں فرشتہ خدا کا پیغام لے کر مریم کے پاس آتا ہے اور اسے خوشخبری دیتا ہے۔ پھر ایک اور گیت مشہور ہوا جس میں خدا باپ اور بیٹے اور روح القدس کی تقدیس کی گئی۔ اس گیت کو تقدیس کا گیت کہا گیا۔ تیسرا گیت بھی قدوسیت کا گیت ہے مگر یہ فرشتوں کے تقدیس کے الفاظ پر مبنی ہے۔ چوتھا اہم گیت ہالیلویاہ کا گیت ہے یعنی خدا اور اس کے برّے کی تعظیم کا گیت۔ پانچواں اہم گیت زبور ۱۴۸ کی منظوم صورت ہے اور چھٹا

گیت اس وقت کی منظر کشی کرتا ہے جب مریم اور یوسف (مریم کا شوہر) یسوع مسیح کی پیدائش کے ساتویں روز انہیں پہلی بار ہیکل میں لے کر آئے تو خدا کا ایک راستباز بندہ ان کی راہ دیکھ رہا تھا۔ شمعون نامی یہ آدمی یسوع مسیح کو دیکھ کر خدا کی شکر گزاری کے الفاظ بیان کرتا ہے۔ کچھ ایسے ہی الفاظ اور واقعے کا تذکرہ اس گیت میں بھی ملتا ہے۔ اور ساتواں اہم گیت ان الفاظ کا بیان ہے جب فرشتہ خدا کا پیغام دیتا ہے تو مریم خدا کی شکر گزاری میں چند الفاظ کہتی ہے۔ ان گیتوں کا یہ سلسلہ تیسری صدی تک ایسے ہی جاری رہا اس کے بعد اسکندریہ کے کلیمینس کے گیت بے حد مقبول ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ اوریجن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

مسیحی گیت نگاری میں پھر ایک اور دور شروع ہوا جسے یونانیوں کی مسیحی گیت نگاری کہا جانے لگا۔ اس دور میں گریگوریئیس کا نام سر فہرست ہے۔ اس کے بعد اناتولیز بھی کسی طور پیچھے نہ رہے اور بعد ازاں سینٹ اینڈریو، سینٹ کاساس، سینٹ جان، سینٹ سٹیفن اور ان کے علاوہ سینٹ جوزف کے نام بے حد مقبول ہوئے۔ پھر لاطینی گیت نگاروں کا عروج شروع ہوا۔ ان گیت نگاروں میں ہیلری کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کے پیش رو ایمبروز، پروڈنٹیئس، کلنی کے برنارڈ، ہرمینیس کون ٹریکٹس، مینز کا بشپ، سیلانو کا تھامس، ستابیت میتر، جیکبس ڈی بینیڈکٹس اور فارتینیس بھی کسی طور کم نہیں۔ اس عہد میں خوبصورت کلام لکھا گیا۔ لاطینی گیت نگار گیارھویں اور بارھویں صدی تک گیت نگاری کی دنیا میں عروج کی بلندیوں کو چھوتے رہے۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں یہ سلسلہ دھیرے دھیرے زوال کی طرف مڑنے لگا جبکہ لاطینی مذہبی گیت پندرھویں میں بالکل نابود ہو گئے۔ ان کے بعد جرمن گیت نگار بہت دلکشی سے تاریخ کے اوراق پر ابھرے۔ ان گیت نگاروں میں قابل ستائش نام ہینرک کا ہے اور ان کے پیچھے پیچھے لوکاس، بشپ کولن، بوہیمین بشپ، لوتھر مارٹن، پال گیرہارٹ، نکولس لڈوِگ، کاؤنٹ وان زنزینڈوف اور سیٹا کے نام آسمان کی بلندیوں کو چھوتے نظر آتے ہیں۔ پھر زبوری گیتوں کا سلسلہ شروع ہوتا نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں فرانس سب سے آگے ہے وہیں سے زبوری گیتوں کا آغاز ملتا ہے۔ فرانس میں زبوری گیتوں کے آغاز کا سہرا ماروٹ کے سر جاتا ہے۔ ماروٹ کا اثر انگلستان تک قبولیت کے در کھولتا ہے اور وہاں بلند پایہ گیت نگار جنم لینے لگتے ہیں۔ ان گیت نگاروں میں مائلز کور۔ ڈیل، جارج بکانن، تھامس سٹیم ہولڈ اور جان ہاپکنز کے نام زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ انگلستانی زبوری گیتوں کے بعد اسکاچ زبوری گیتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسکاچ کے چند نامور گیت نگاروں میں کنگ جیمز اول، ولیم الیگزینڈر، ارل آف سٹرلنگ، چارلس اول کے نام کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ پھر زبوری گیتوں کی روایت کا سلسلہ امریکہ میں بھی رواج پانے لگا اور یوں امریکی زبوری گیتوں کی

شروعات ہوئی ۔زبوری گیت نگاری کے بعد ایک بار پھر جدت کی طرف رجحان بڑھا۔ اور جدید گیت نگاری میں انگریزی عہد نے بے حد خدمات سر انجام دیں۔ اس عہد کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلا دور جسے نظریاتی اور تدریسی دور بھی کہا جاتا ہے، یہ دور ۱۶۵۰ء تا ۱۷۸۰ء تک محیط ہے۔ اس دور کو مذید تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بشپ کین، جوزف ایڈیسن اور آئزک واٹس کے نام پہلے دور اول کے نامور شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں ۔پہلے دور دوم میں فلپ ڈوڈرج، چارلس ویزلے اور مس اینا سٹیل کے نام قابل ستائش رہے ۔ جان نیوٹن، ولیم کاؤپر، ایڈورڈ پیرونیٹ اور ان کے ساتھ ساتھ ریورنڈ آگسٹس مونٹیگ ٹوپلاڈی کے نام پہلے دور سوم کے نامور شعرا میں شمار کیے گئے۔ اور یوں دوسرا دور شروع ہوا۔ اس دور کا سلسلہ ۱۷۸۰ء تا ۱۸۵۰ء تک جاری رہا۔ یہ دور مشنری اور انجیلی بشارت کا عہد کہلاتا ہے۔ اس دور کو چار ذیلی ادوار میں بانٹا جاتا ہے۔ دوسرے دور اول سے بینجمن بیڈوم، جیمز مونٹگومری اور مس ہیریئٹ اوبر جیسے عظیم گیت نگاروں کی کونپلیں پھوٹیں ۔ دوسرا دور دوم ریجنلڈ ہیبر، تھامس ہاسٹنگ، رابرٹ براؤن اور براؤن گرانٹ جیسے بلند نظر شاہکاروں کو منظر عام پر لے کر آیا۔ دوسرے دور سوم میں مس چارلوٹ ایلیٹ، جان کیبل اور ہنری فرانسس لائٹ کے نام قابل قدر رہے۔ سارا فلاور ایڈمز، ہور ٹیئس بونر، ہینری الفورڈ جیسے عظیم نام دوسرے دور چہارم کی تاریخ رقم کرتے نظر آنے لگے۔ اور تیسرے دور تک خوبصورت گیت سامعین کی نذر کرتے رہے۔ پھر تیسرا دور شروع ہوا یہ دور ۱۸۵۰ء پر محیط ہوا۔ اسے عقیدت اور تجربات کا عہد قرار دیا جاتا ہے ۔ فریڈرک ولیم فیبر، ایڈورڈ کیسوال، جان میسن نیل اور ان کے علاوہ سیسل فرانسس الیگزینڈر کے نام اس عہد میں ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھے جاتے رہیں گے۔

ابتدائی رسولی کلیسا کی بنیاد کے بعد مسیح یسوع کے شاگردوں نے ساری دنیا میں مسیح یسوع کی بشارت کی خدمات سر انجام دیں۔ اس سلسلے میں ان کا ایک شاگرد برصغیر میں تبلیغ کے سلسلے میں آیا۔ یہ وہی توماؔ ہے جس نے مسیح یسوع کے ہاتھوں اور پیروں کو اپنے ہاتھ سے چھو کر اس کے جسم کو محسوس کر کے اسے زندہ مانا تھا۔ توماؔ کے آثار ٹیکسلا کے مقام پر بھی ملتے ہیں۔ پانچویں صدی کے آس پاس کے کسی سال میں مسیح یسوع کے ایک شاگرد جس کا نام پطرس تھا' کا مجسمہ چارسدہ کے مقام پر ملتا ہے۔ پھر مختلف ادوار میں راہبوں کا قیام اور تبلیغ کے آثار ملتے ہیں۔ یوں پاک وہند میں مسیح کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ مسیحی عبادت کا اہم حصہ مسیحی گیت ہیں سو یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہاں گیت نگاری کا آغاز مسیحی مبلغین نے کیا۔ بعد ازاں اردو میں بھی گیت لکھے جانے لگے ان گیت نگاروں میں پادری ڈاکٹر امام الدین شہباز، پادری رحمت مسیح واعظؔ، پیارے لال شاکر، شاکرؔ میرٹھی، بنی پرشاد صداؔ

لکھنوی اور ان کے ساتھ ساتھ ریورنڈ فادر لباریوس پیٹر سن آزادؔ کے نام سنہرے حروف سے لکھے جاتے ہیں اور گیت نگاری کے فروغ میں ان کی خدمات کو ہمیشہ سے ہی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

خداوند نے جتنے بھی انبیا دنیا میں بھیجے سب نے انسانیت، امن اور محبت کا پیغام دیا۔ تمام انبیا آدمی کو انسان بنانے اور انسانی اقدار سے آشنائی کا درس دیتے رہے۔ بقول غالب

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

سو تمام انبیا، اولیا اور خدا کے ہدایت یافتہ بندے آدمی کو انسان بنانے کی کوشش میں سر گرداں رہے۔ ہر مذہب نے انسان کو امن، محبت، بھائی چارے اور آپسی ہم آہنگی کا درس دیا۔ یعنی تمام مذاہب کا درس انسانیت اور ہم آہنگی رہا۔ آدمی سے انسان تک کے سفر میں جو چیز معاون ثابت ہوئی وہ مکالمہ تھا خواہ وہ خداوند کا انبیا کے ذریعے اپنی مخلوق سے مکالمہ ہو یا خدا کے ہدایت یافتہ بندوں کا اس کی مخلوق سے مکالمہ۔ خدا نے جہاں اپنے بندوں کو بہت سی صفات عطا کیں وہیں محبت و اپنائیت کا جذبہ، راہ حق کی تلاش و جستجو کی تڑپ، انسانی اقدار کی بحالی اور ترویج کا جذبہ کے علاوہ کئی ایک خصوصیات سے نوازا اور ان کے اظہار کے لیے مکالمے کی اہلیت بھی عطا کی۔ اور اسی اہلیت کی بدولت انسان اپنے جذبات و احساسات کا احسن اور لطیف اظہار کرتا ہے جو ادب کہلاتا ہے۔ یعنی مذہب کے بعد ادب وہ واحد چیز ہے جس کا موضوع انسان اور انسانیت ہے۔ جیسا کہ معروف مغربی نقاد میتھیو آرنلڈ نے کہا تھا کہ "ادب تنقید حیات ہے" یعنی ادب انسان، زندگی اور اس کے نشیب و فراز کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور پھر آرنلڈ کا یہ قول کہ "ادب وہ واحد چیز ہے جو مذہب کی جگہ لے سکتا ہے" اس بات کی دلیل ہے کہ مذہب اور ادب ایک نہیں تو ایک سی خصوصیات کے حامل ضرور ہیں۔ یوں اگر مذہب ہم آہنگی اور بھائی چارے پر زور دیتا ہے تو ادب بھی وہی کام سر انجام دیتا ہے اور ہر عہد میں شعرا اور ادبا اس عہد کے تقاضوں کو ادبی خدمات سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ فراز کہتے ہیں

شاعری تازہ زمانوں کی ہے معمار فراز
یہ بھی اک سلسلۂ 'کن فیکوں' ہے، یوں ہے

حوالہ جات

۱۔ جامع اللغات، جلد چہارم، مرتب خواجہ عبدالحمید، ۱۹۳۵ء، ص ۳۴۱

۲۔ فیروز اللغات اردو جامع نیا ایڈیشن، مرتبہ الحاج مولوی فیروزالدین، فیروز سنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۵۸۷

۳۔ جدید نسیم اللغات، مرتبین، سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، سید قائم رضا نسیم امروہی، آغا محمد باقر نبیرہ آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز ایجوکیشن، ۱۹۸۱ء، ص ۶۷۷
۴۔ فرہنگ کاروان، مرتبہ فضل الہیٰ عارف، لاہور مکتبہ کارواں، ۱۹۶۲ء، ص ۶۴۹
۵۔ نور اللغات، جلد چہارم، تالیف مولوی نور الحسن نیّر، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۳۵۵
۶۔ فرہنگ آصفیہ، جلد چہارم، مولوی سید ممتاز علی صاحب، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۶۹ء، ص ۱۴۹
۷۔ رئیس اللغات باتصویر، نسیم امروہی، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، ۱۹۶۳ء، ص ۷۶۱
۸۔ سٹینڈرڈ اردو ڈکشنری، طبع دوم، آغا محمد باقر، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، ۱۹۵۱ء، ص ۶۵۵
۹۔ گلزار معنی، خواجہ دل محمد صاحب، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، ۱۹۵۹ء، ص ۵۹
۱۰۔ فیروز اللغات اردو جامع' مولوی فیروز الدین حصہ دوم، فیروز سنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۲۵
۱۱۔ جی ایم فیلکس قاصر امرتسری، گیت ارتقا اور دورِ جدید "گیتوں کا ارتقاء" ، بشمولہ اچھا چرواہا، جلد نمبر ۱۸ شمارہ ۵ ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۲۴۴
۱۲۔ ایف۔ ایس۔ خیر اللہ، قاموس الکتاب لغات بائبل، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، ۲۰۱۱، ص ۸۴۹
۱۳۔ جی ایم فیلکس قاصر امرتسری، گیت ارتقا اور دورِ جدید "گیتوں کا ارتقاء" ، بشمولہ اچھا چرواہا، جلد نمبر ۱۸ شمارہ ۵ ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۲۴۴
۱۴۔ جیمس شمعون (فادر)، عبادت میں اجتماعی نغمہ سرائی، بشمولہ اچھا چرواہا، جلد نمبر ۱۸ شمارہ ۵ ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۲۲۴
۱۵۔ نفیس اقبال' پاکستان میں اردو گیت نگاری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۴
۱۶۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، خروج، ۱۵ باب، ۱ تا ۶ آیات، ص ۶۷
۱۷۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، اتواریخ، ۱۶ باب، ۸ تا ۱۰ آیات، ص ۴۰۹
۱۸۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، اتواریخ، ۲۳ باب، ۴ تا ۵ آیات، ص ۴۱۶
۱۹۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، اتواریخ، ۱۵ باب، ۱۹ تا ۲۲ آیات، ص ۴۰۸
۲۰۔ Cofe.anglican.org. Archived from The Book of Common Prayer, the original on 2010-11-26. Retrieved 2012-03-11, 1662
۲۱۔ Divine Worship: The Missal, Commission Anglicanae Traditiones, Congregation for the Doctrine of the Faith and Congregation for Divine Worship, 2015, P. 122

(PDF). The Church of England. 1662.The Book of Common Prayer ـ۲۲
Retrieved 11 April 2022
https://hymnary.org/text/christ_the_lord_to_us_said ـ۲۳
https://hymnary.org/text/my_soul_doth_magnify_the_lord_and_my_sp ـ۲۴
https://hymnary.org/text/glorify_the_lord_all_you_works_of_the_lo ـ۲۵
https://hymnary.org/text/lord_now_let_thy_servant_depart_chant ـ۲۶
https://catalog.obitel-minsk.com/blog/2017/02/hymns-and-poems-of-st-gregory-of ـ۲۷
https://hymnary.org/text/the_day_is_past_and_over ـ۲۸
https://hymnary.org/text/christian_dost_thou_see_them ـ۲۹
https://hymnary.org/text/the_day_of_resurrection_earth_tell_it ـ۳۰
https://hymnary.org/text/christ_is_born_tell_forth_his_fame ـ۳۱
https://hymnary.org/text/art_thou_weary_art_thou_languid?extended=true ـ۳۲
https://hymnary.org/text/let_the_saints_new_anthems_raise ـ۳۳
https://hymnary.org/text/rejoice_the_year_upon_its_way ـ۳۴
https://hymnary.org/text/before_the_ending_of_the_day_neale ـ۳۵
https://hymnary.org/text/bethlehem_of_noblest_cities ـ۳۶
https://hymnary.org/text/lord_jesus_christ_our_lord_most_dear ـ۳۷
https://hymnary.org/text/christ_in_the_bands_of_death_was_laid ـ۳۸
https://hymnary.org/text/all_my_heart_with_joy_is_springing ـ۳۹
https://hymnary.org/text/be_present_with_thy_servants_lord ـ۴۰
https://hymnary.org/text/be_with_us_this_day_to_bless_us ـ۴۱
https://hymnary.org/text/all_praise_to_thee_my_god_this_night ـ۴۲
https://hymnary.org/text/when_all_thy_mercies_o_my_god ـ۴۳
https://hymnary.org/text/a_broken_heart_my_god_my_king ـ۴۴
https://hymnary.org/text/a_present_god_is_all_our_strength ـ۴۵

۴۶۔ https://hymnary.org/text/a_fountain_of_life_and_of_grace

۴۷۔ https://hymnary.org/text/a_mother_may_forgetful_be

۴۸۔ https://hymnary.org/text/as_once_for_jonah_so_the_lord

۴۹۔ https://hymnary.org/text/come_let_us_lift_our_joyful_eyes

۵۰۔ https://hymnary.org/text/hail_holy_holy_holy_lord_let_powers_immo

۵۱۔ https://hymnary.org/text/christ_whose_glory_fills_the_skies

۵۲۔ https://hymnary.org/text/gods_ways_are_just_his_counsels_wise

۵۳۔ https://hymnary.org/text/again_on_this_rejoicing_day

۵۴۔ https://hymnary.org/text/how_blest_the_children_of_the_lord

۵۵۔ https://hymnary.org/text/bright_king_of_glory_dreadful_god

۵۶۔ https://hymnary.org/text/from_every_stormy_wind_that_blows

۵۷۔ https://hymnary.org/text/almighty_god_thy_word_is_cast

۵۸۔ https://hymnary.org/text/by_thy_birth_and_by_thy_tears

۵۹۔ https://hymnary.org/text/just_as_i_am_without_one_plea

۶۰۔ https://hymnary.org/text/blessed_are_the_pure_in_heart_for

۶۱۔ https://hymnary.org/text/abiding_o_so_wondrous_sweet

۶۲۔ https://hymnary.org/text/a_pQarting_hymn_we_sing

۶۳۔ https://hymnary.org/text/a_mind_at_perfect_peace_with_god

۶۴۔ https://hymnary.org/text/lo_the_storms_of_life_are_breaking

۶۵۔ https://hymnary.org/text/for_all_within_us_good_and_holy

۶۶۔ https://hymnary.org/text/all_ye_who_seek_for_sure_relief

۶۷۔ https://hymnary.org/text/after_three_day_thou_didst_rise

۶۸۔ https://hymnary.org/text/all_things_beautiful_and_fair

۶۹۔ یوسف جلیل (ڈاکٹر)، برصغیر میں مسیحیوں کی ادبی خدمات، کاتھولک ادارہ ادبیات پاکستان، ۱۹۷۶ء، ص ۶۱

۷۰۔ انور سدید (ڈاکٹر)، اردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، النور پرنٹرز لاہور، فروری ۱۹۹۱ء، ص ۱۷۲

۷۱۔ یوسف جلیل (ڈاکٹر)، برصغیر میں مسیحیوں کی ادبی خدمات، کاتھولک ادارہ ادبیات پاکستان، ۱۹۷۶ء، ص ۶۱
۷۲۔ انور سدید (ڈاکٹر) اردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، النور پرنٹرز لاہور، فروری ۱۹۹۱ء، ص ۱۷۲
۷۳۔ فرانسیس ندیم (فادر)، یہ دیس ہمارا ہے، ادارہ ہم آہنگ پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۲۸۱
۷۴۔ انور سدید (ڈاکٹر)، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) ۱۹۹۶ء، ص ۳۵۵
۷۵۔ کنول فیروز (ڈاکٹر) اردو ادب میں مسیحیوں کا قیام۔ مشمولہ، "کاریتاس" لاہور، جلد ۸۔ شمارہ ۸ اگست ۱۹۹۷ء، ص ۶
۷۶۔ اسلم برکت (پادری)، تاریخ کلیسیائے پاکستان، سینٹ پیٹر پبلی کیشن سوسائیٹی کلارک آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۳۵۷
۷۷۔ عمانوایل نذیر مانی (فادر) مؤلف، عالم اور درویش، مکتبہ عناویم پاکستان، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص
۷۸۔ جوزف اقبال بسمل، اردو ادب میں مسیحی ادیبوں کا کردار، سینٹ پیٹر پبلی کیشن سوسائیٹی کلارک آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۱۰

باب دوم:

مسیحی شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری

مسیحی گیت نگاری سے مراد ایسا موضوع سخن ہے جس میں شعرا مسیح یسوع اور ان کی زندگی سے جڑے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ خدا اور روح القدس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہ موضوع نہایت وسیع تعارف رکھتا ہے کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے نت نئے مضامین کو اپنایا ہی نہیں بلکہ اپنے اندر سمویا بھی ہے۔ دور حاضر میں وہ تمام شاعری جس میں بائبل مقدس کے واقعات' آیات اور معجزات اسی زمرے میں آتی ہے۔ زیر بحث باب میں مسیحی شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے ان شعرا کے کلام کو دو حصوں میں رکھ کر پرکھا جائے گا۔

الف۔ انجیلی آیات و مسیحی عقائد کے تناظر میں:

یہاں مسیحی شعرا کے کلام کو انجیلی آیات و مسیحی عقائد کے تناظر میں پرکھا گیا ہے یعنی مختلف مسیحی عقائد کے اعتبار سے شعرا نے اپنے خیالوں کو کس طرح برتا ہے۔ یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت یسوع المسیح کی تخلیق بے پدرانہ ہے۔ ان کا کوئی جسمانی باپ نہیں ہے بلکہ وہ پسر خداوند ہیں یعنی خدا کے بیٹے ہیں ۔ اس کے علاوہ وہ ابن مریم کہلائے۔ اور ان کی ذات معجزاتی صفات سے بھرپور ذات ہے۔ ان کو خدا نے ایک خاص مقصد کے تحت اس دنیا میں بھیجا۔ وہ سارے جہان کی مخلصی کے لیے اس دنیا میں آئے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے صلیب جیسی لعنتی موت گوارا کی۔ ان کی وفات ہوئی اور وہ دفنائے گئے اور تیسرے روز مُردوں میں سے جی اٹھے۔ چند روز تک مختلف لوگوں پر ظاہر ہوئے اور اس کے بعد آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے اور جیسا ان کو دنیا والوں نے جاتے دیکھا ویسے ہی ان کو آتا بھی دیکھا جائے گا یعنی ان کی آمد ثانی ابھی باقی ہے۔ وہ اپنے ایماندار بندوں کو جو اس کی دلہن ہیں کو لینے کو آئیں گے۔ یہ مختلف مسیحی عقائد ہیں جن کا ذیل میں ذکر ملتا ہے۔

بے پدر تخلیق:

اس حقیقت سے ہر گز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت یسوع مسیح کو ربِ کائنات نے بِنا باپ کے تخلیق کیا ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں انجیل مقدس میں ملتا ہے کہ مقدسہ مریم کی منگنی یوسف نامی شخص سے ہوئی تھی اور اس سے پہلے کہ ان کی شادی ہوتی مقدسہ مریم خدائے قدوس کے فضل سے حاملہ ہوئیں اور ان کو خدا نے ایک بیٹے سے

نوازا جو یسوع مسیح کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش میں کسی مرد کا عمل دخل نہیں بلکہ وہ خدا کی بے پدر تخلیق ہیں۔ انجیل مقدس سے اس کی گواہی ملاحظہ ہو:

''اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے کر آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اس کے بیٹا ہو گا اور تو اس کا نام یسوعؔ رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔۔۔۔۔ پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتہ نے اسے حکم دیا تھا اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا۔ اور اس کو نہ جانا جب تک اس کے بیٹا نہ ہوا اور اس کا نام یسوعؔ رکھا۔''(۱)

یعنی بے شک ربِ کائنات قادر مطلق ہے اور اس کے لیے ایک انسان کو بِنا باپ کے تخلیق کرنا مشکل نہ تھا اور یہ اس کی بڑی قدرت ہے جسے حضرت یسوع مسیح کے روپ میں دیکھا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت یسوع مسیح کو ''ابنِ مریم'' بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت مریم حضرت یسوع مسیح کی مقدسہ ماں کا اسمِ گرامی ہے اسی حوالے سے غالبؔ کا زبان زدِ عام شعر ملاحظہ ہو:

؎ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

زیرِ بحث مقالے میں حضرت یسوع مسیح کے لیے جا بجا 'ابنِ مریم' کی ترکیب ملتی ہے۔ ذیل میں ان شاعروں کا ذکر ملتا ہے جن کے ہاں 'حضرت مسیح یسوع خدائے قدوس' کی بے پدر تخلیق کا اعتراف نمایاں ہے۔

ذیل میں اسی حوالے سے مسیحی شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

ذاکرؔ میرٹھی:

ذاکؔر میرٹھی کا اصل نام ٹامس شیرنگ جبکہ ذاکؔر تخلص کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۷ء میں موضع گنگیر تحصیل حسن پور ضلع مراد آباد میں ہوئی۔ آپ ۱۸۹۵ء میں تعلیم کی غرض سے میرٹھ آئے۔ تعلیمی سلسلہ میرٹھ میں ہی رہا۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو میرٹھ میں اُسی سکول میں بطور مدرس خدمات انجام دیں جہاں سے حصول تعلیم رہا لیکن کچھ عرصہ کے بعد پولیس میں بھرتی ہو گئے اور وہاں بھی کچھ عرصہ خدمات کے بعد ملازمت چھوڑ دی۔ پھر انجیل کی منادی کے جذبے سے دل سرشار ہوا اور عمر بھر اسی خدمت میں مشغول رہے۔

ذاکؔر میرٹھی کو لڑکپن سے ہی نظمیں نہ صرف پڑھنے بلکہ انہیں ازبر کرنے کا شوق بھی تھا۔ یہی شوق ان کو نظمیں لکھنے تک لے گیا۔ خوب نظمیں کہتے۔ اس وقت کی مشہور کتابِ سراج دہاج سے علم و عروض بھی سیکھا۔ شروع شروع میں جناب صوفؔی میرٹھی اور بعد ازاں حضرت نادؔر شاہجہاں پوری سے بھی اصلاح کا سلسلہ جاری رہا۔ ذاکؔر کا کلام ایک مدت تک مختلف مسیحی جرائد کی زینت بنتا رہا۔ ذاکؔر بڑے پُر گو شاعر تھے۔ عُمر کے اخیر حصے میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور چند ماہ بعد ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء کو کھتولی (ضلع مظفر نگر) میں آپ جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کی زبان بے حد سادہ اور صاف ہے جبکہ آپ کا کلام شاعرانہ رعایتوں سے ماورا ہے۔ آپ نے صرف منادی کے مقصد کے حصول کے لیے شاعری کی۔

بے پدر تخلیق کے اعتقاد کے حوالے سے شاعری کو جانچنے کی کوشش کی جائے تو یہ مظہر صاف دکھائی دیتا ہے کہ ذاکؔر اس عقیدہ پر یقینِ کامل رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع "ابنِ مریم" ہیں جو بِنا باپ کے پیدا ہوئے یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں یہ ترکیب عام ملتی ہے اس حوالے سے ذاکؔر کے کلام سے ایک شعر بطور مثال ملاحظہ ہو:

؎ حقیقت تو ہے یہ اے ابنِ مریم

نشاطِ عمر ہے بیکار تجھ بن [۲]

اس شعر میں "ابنِ مریم" کی ترکیب اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ذاکؔر حضرت مسیح یسوع کو بے پدر تخلیق مانتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ وہ اس بات کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع کے بغیر ان کا جیون' ان کے گزرے ہوئے ایام اور سب مسرتیں حقیقتاً حضرت مسیح یسوع کے دم سے ہیں۔ ذاکؔر اس پورے گیت میں حضرت مسیح یسوع کے بغیر اپنی تصور کی بے معنی تصویر بھی بناتے نظر آتے ہیں وہ حضرت مسیح یسوع کے بغیر خود کو غریب' بے کس اور لاچار تصور کرتے ہیں اور خود سے سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ حالت زار میں وہ کس رخ سفر

کریں؟ کس طرف جائیں؟ کیونکہ جس زندگی میں حضرت مسیح یسوع نہیں وہ زندگی کیا زندگی ہے؟ ایسے ہی کئی سوال انہیں بے بس اور لاچار بنا دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابنِ مریم کے ہجر میں ان کا دل بیمار ہے اور وہ دیدارِ ابنِ مریم چاہتے ہیں اور اسی غم میں ان کا دل بے قرار ہے اور ان کی آنکھیں دریا کی طرح بہہ رہی ہیں۔ اور حضرت مسیح کے دیدار کی چاہت کے سہارے وہ زندہ ہیں وگرنہ ان کا دل ہر پل پریشان ہوتا ہے۔ اگر کوئی خواہش تازہ دم کرتی ہے یا اگر تمنا ان کو مسرت عطا کرتی ہے تو وہ حضرت مسیح کے ساتھ بِتانے والے چند پل ہیں جن کے سہارے ان کی قسمت بدلتی ہے۔ ایسا ہی ذکر اور ایسی ہی تمنائیں ان کے گیتوں میں عام ملتی ہے۔

ذاکؔر کے دل میں ابنِ مریم کے لیے ایسی تمنائیں اور ایسے جذبات کا ہونا' ان کی حضرت مسیح یسوع سے مسیحی لگن اور عقیدت کا زندہ ثبوت ہیں۔ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہم پر یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کیونکہ انہوں نے منادی اور تبلیغ کی غرض کے لیے اپنی ملازمت چھوڑی اور تاحیات خدمتِ حضرت یسوع مسیح میں وقف رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں بھی ہمیں ایسے ہی مضامین ملتے ہیں جیسے مدکوز بالا گیت میں دیکھا کہ وہ ابنِ مریم کے بغیر جینے کا تصور کس رنگ سے کرتے ہیں اور وہ ابنِ مریم کے بغیر خود کو کہاں پاتے ہیں؟ ذاکؔر کے گیتوں کے مذید مطالعے سے اُن کے ایک اور گیت "بڑا دن" میں بھی ہمیں "ابنِ مریم" کی ترکیب ملتی ہے۔ اس ترکیب کے استعمال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ذاکؔر کامل ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع کنواری مریم سے پیدا ہوئے اور ان کی تخلیق میں کسی مرد کا کوئی عمل دخل نہیں تھا بلکہ وہ خدا کے فضل سے کنواری مریم سے پیدا ہوئے یعنی ان کی تخلیق بے پدر تھی۔ گیت "بڑا دن" سے ذاکؔر کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ جہاں میں آ کے تو نے ابنِ مریم خاص رحمت کی

شفاعت کا ترے سے بندھ گیا سہرا مبارک ہو (اردو کے مسیحی شعرا: ص ۱۵۴)

یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح یسوع کی پیدائش بِنا باپ کی ہوئی اور اسی کا تذکرہ مذکورہ بالا شعر میں ملتا ہے۔ ذاکؔر حضرت مسیح یسوع کی پیدائش کو رب کی خاص رحمت تصور کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح یسوع نے اس جہاں میں آ کے ہم بے کسوں پر اپنی خاص رحمت نچھاور کی ہے کیونکہ یہ بھی مسیحی عقیدہ ہے کہ بنی نوع انسان گناہ کا مرتکب تھا اور ضروری تھا کہ اس کا کفارہ کیا جاتا سو اس خاص عمل کے لیے حضرت یسوع مسیح کا اس جہاں میں آنا لازم و ملزوم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شفاعت کا یہ سہرا حضرت یسوع مسیح کے سر سجا۔ ذاکؔر کے اس گیت میں "ابنِ مریم"

کے اس جہاں میں آنے اور ہم پر بارانِ رحمت برسانے کا قصہ بڑی جامعیت سے ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابنِ مریم کے آنے کی دھوم چار سو مچی ہوئی تھی اور ہر طرف ان کی آمد آمد کے چرچے ہو رہے تھے۔ اس گیت میں وہ خصوصاً تارا چمکنے کے لمحات کو بھی بڑی عمدگی سے مبارک کہتے ہیں کہ جس کی رہنمائی میں دور دراز کے مجوسی حضرت یسوع مسیح کو سجدہ کرنے کو آئے کیونکہ یہ مجوسی بھی حضرت یسوع مسیح کی اس شاندار حقیقت کو جانتے تھے جس کا تذکرہ ذاکر کرتے ہیں۔ مذید یہ کہ ذاکر اقرار کرتے ہیں کہ ابنِ مریم کے آنے سے ہر طرف نور ہی نور بکھر گیا اور صحرا گلستان میں تبدیل ہو گئے۔

ثمر دہلوی:

ثمر دہلوی کا اصل نام وکٹر۔ آئی۔ نیوٹن جبکہ ثمر تخلص کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش ۲۱ جون ۱۸۹۹ء کو دہلی میں ہوئی۔ ثمر دہلوی کی والدہ کو اردو' فارسی' انگریزی اور ریاضی پر عبور حاصل تھا اس لیے آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور پھر مذید تعلیم کے لیے مراد آباد چلے گئے۔ علم الہیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے سہارن پور گئے اور درس گاہِ مسیحی الہیات 'سہارنپور سے استفادہ کیا۔ آپ نے فلسفۂ ہنود (ہندوؤں سے متعلق) پادری بی بی رائے صاحب جبکہ فلسفۂ مشہود مناظر پادری عبدالحق صاحب سے سیکھا۔ ثمر دہلوی برطانوی فوج کے سند یافتہ میر منشی تھے اور انگریزوں کو اردو پڑھانے کی خدمات بھی سر انجام دیتے رہے۔ عمر کا آخری حصہ دہرہ دون میں مستقل سکونت میں گزارا۔ آپ نے ۱۳۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء کی صبح امرتسر میں انتقال کیا۔

ثمر دہلوی کے مضامین اور نظم و نثر برصغیر کے بیشتر مسیحی اور غیر مسیحی اخبار و رسائل کی زینت بنتے رہے۔ ثمر نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور عمدہ نمونے پیش کیے۔ آپ کے والد پادری ایم۔ سی۔ نیوٹن بھی شاعر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بھی کہنہ مشق شاعر تھے۔ نادر شاہجاں پوری سے تلمذ تھا اسی لیے زبان شستہ اور با محاورہ تھی۔ بلند پرواز تخیل کے مالک تھے۔ چست بندشوں اور دل آویز ترکیبوں کے مالک تھے۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب بھی وہ دکھ درد کا شکار ہوتا ہے تو افسردگی کی کیفیت اس کے چہرے پر صاف عیاں ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اس کے بالکل برعکس بھی ہوتا ہے یعنی چہرے پہ افسردگی کی بجائے کوئی مذید مسکرانے میں محو ہو جاتا ہے۔ لبوں پہ حد درجہ مسکان کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی درد' کوئی تکلیف یا کوئی رنج

ہے جس کو چھپانے کی کوشش میں کوئی شخص زیادہ مسکرا رہا ہے۔ ایسی ہی کیفیت اکثر شعرا نے اپنی شاعری میں بیان کی ہے۔ دکھ اور تکلیف کی یہ کیفیت بعض اوقات انسان کو کسی کے سامنے اپنا حال بیان کرنے پر مجبور کر دیتی ہے ۔ کوئی ایسی ہستی جس سے اسے محبت ہو اور یقین اور اعتبار ہو کہ وہ ضرور اس کے غم کا مداوا کرے گا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان پریشانی کی حالت میں خدائے رب ذوالجلال کے حضور اپنے غم رکھ دیتا ہے اور اس سے اس سارے دکھ درد اور رنج والم کا مداوا چاہتا ہے۔ ثمؔر دہلوی کے گیت ''وفورِ شرمساری'' پر غور کریں تو یہاں بھی ثمؔر یہی بات کرتے نظر آتے ہیں کہ میں روز وشب رو رو کر گزار رہا ہوں۔ اسی آہ وزاری میں ثمؔر حضرت یسوع مسیح سے فریاد کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ میری آہ و زاری پر نظر کیجیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرا دل آنسوؤں میں نہایا ہوا ہے۔ مذید کہتے ہیں کہ اے عیسیٰ تو میری طرف دیکھ اور میری آنکھوں سے بہنے والے اس سیلاب کی طرف نگاہ کر۔ ثمؔر کہتے ہیں کہ میرا دل میرے گناہوں کے بوجھ سے تھک چکا ہے اور کوئی نہیں جو میری اس حالت میں میرا ساتھ دے لیکن اے مسیؔح میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں کہ تو میری فریاد پر کان لگائے گا۔ اور میری عمر جو غموں کا بار اٹھاتے گزر گئی ہے اب تُو ہی اس پر نظر کرے گا اور مجھے جواب دے گا۔

ثمؔر کے اس گیت میں ہمیں 'اعتراف' کی جھلک نظر آتی ہے کہ وہ جب حضرت مسیح کو پکارتے ہیں تو وہ اپنے دل پر سالوں سے پڑے گناہوں کے اس بوجھ کو جسے وہ اٹھاتے اٹھاتے تھک چکے ہیں' کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں اور حضرت مسیح کو ہی اپنے دکھ اور درد میں پکارتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حضرت مسیح کی صفات یاد دلاتے ہوئے انہیں پکارتے ہیں۔ حضرت مسیح کو اکثر شعرا نے 'ابنِ مریم' کہہ کر پکارا ہے۔ اس گیت میں بھی ثمؔر حضرت مسیح کو 'ابنِ مریم' کہہ کر پکارتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎جان اپنی نذر کی فدیہ میں عالم کے لیے

ابنِ مریم کی ذرا یہ جاں نثاری دیکھیئے [۳]

اس گیت میں ثمؔر جہاں 'دیکھیئے' کی ردیف کا بھرپور استعمال کرتے ہیں اور اپنے دکھوں اور غموں کو دیکھنے کی فریاد کرتے نظر آتے ہیں وہیں گیت میں ذرا آگے بڑھ کر حضرت مسیح کے اوصاف بتاتے ہوئے 'ابنِ مریم' کی ترکیب استعمال کرتے ہیں۔ اس ترکیب سے یہ صاف عیاں ہوتا ہے کہ ثمؔر دہلوی بھی اس حقیقت اور عقیدے پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت یسوع مسیح کی تخلیق بِنا باپ کے ہوئی۔ آپ کو ربِ کائنات نے اپنی قدرت سے کنواری

مریم سے پیدا کیا۔ حضرت مریم جو ایک نیک اور نہایت راستباز خاتون تھیں ‘انہیں خدائے قدوس نے اسی خاص مقصد کے لیے چنا۔ ان کی منگنی یوسف نامی شخص سے ہوئی جو یہودی خاندان سے تھا لیکن ان کی شادی سے قبل ہی خدائے مطلق نے اپنی قدرت سے مریم کو اولادِ نرینہ سے نوازا۔ انجیلِ مقدس میں یہ قصہ کچھ یوں ملتا ہے کہ مریم ابھی اپنے شوہر سے نہ ملی تھی یعنی ابھی ان کی شادی نہ ہوئی تھی کہ خداوند کے فرشتہ نے مریم کو یہ پیغام دیا کہ اُس پر خُدا کی طرف سے فضل ہوا ہے اور وہ عورتوں میں مبارک ہے اور خداوند کے فرشتہ نے مریم کو بتایا کہ اُس کا بیٹا ہو گا اور اُس کا نام عمانوایل رکھے جس کا معنی ہے خدا ہمارے ساتھ۔ دوسری طرف جب یوسف کو خبر ہوئی کہ مریم حاملہ ہے تو اُس نے چپکے سے مریم کو چھوڑ دینے کا منصوبہ بنانا ہی چاہا تو خدا کے فرشتے نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کے بتایا کہ یہ فضل اُس کی بیوی پر خُدا کی طرف سے ہوا ہے۔ اس لیے وہ اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آنے سے ہر گز نہ ڈرے۔ اس طرح یوسف نے مریم سے شادی کی۔ اور جب تک مریم نے اولاد کو جنم نہ دیا‘ اسے نہ جانا۔ یہی وجہ ہے کہ پیدا ہونے والی اولاد ’ابنِ مریم‘ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہ حضرتِ مسیح یسوع کی خوبی ہے کہ خُدا نے اسے اپنی قدرت سے بنا باپ کے تخلیق کیا اور یہاں اس گیت میں بھی ثمؔر دہلوی نے بھی اِس وصف کا اقرار کرتے ہوئے انہیں ابنِ مریم ہی پکارا ہے۔ ثمؔر کہتے ہیں کہ اس ابنِ مریم نے سارے عالم کے لیے‘ سارے عالم کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ ابنِ مریم کی اس جاں نثاری کا منظر دیکھنے والا ہے۔

میگؔ اجمیری

آپ کا نام ایم۔ ایم۔ فلپ اور تخلص میگؔ تھا۔ آپ ۴نومبر ۱۹۱۴ء کو اجمیر میں پیدا ہوئے۔ چھٹی جماعت سے ہی فارسی کو بطور اختیاری مضمون پڑھنا شروع کیا۔ ۱۹۳۲ء میں مشن ہائی اسکول اجمیر سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ کالج اجمیر سے انٹر کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ ٹیلی فون ایکسچینج میں بطور آپریٹر ملازم ہوئے۔ شعر گوئی کی طرف زمانہ طالب علمی سے ہی مائل رہے۔ شعر گوئی میں حضرت ابوالخیال نادؔر شاہجان پوری سے تلمذ رہا۔ اُن کی وفات کے بعد ریحاؔنی لکھنوئی سے اصلاح لیتے رہے۔ فنِ شاعری اور زبان کی طرف رجحانات نے انہیں زبان اور فن کا شیرانی بنایا۔ ٹیلی فون کے محکمے سے وابستہ ہوئے تاکہ روزگار کمایا جاسکے۔ ۱۹۱۴ء میں ٹیلی فون کے محکمے سے ریٹائرڈ ہوئے اور پنشن لینا شروع کی۔ اس کے بعد اپنا سارا وقت صرف شاعری کی

خدمت میں صرف کرنا شروع کر دیا۔ کلام صاف اور سلجھا ہوا ہوتا۔ تخیل بلند ہوتا تھا اکثر رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہا۔ میگؔ اجمیری کے گیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے زیادہ تر گیتوں میں تصلیب اور ایسٹر کے مضامین ملتے ہیں۔ ان کے ہاں صلیب کا تقدس وافر مقدار میں ملتا ہے خَصوصاً تصلیب کے ہر جز کو انہوں نے کمال ہنر مندی سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے ہر منظر ' ہر لمحہ ' جو صلیب کے راستوں میں پیش آیا ہے ' کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

جزئیات نگاری میں میگؔ نے خوب قلم اُٹھایا۔ تصلیب کے ان مناظر میں انہوں نے بھی 'ابنِ مریم' کی ترکیب کا استعمال کیا ہے۔ قیامت پر قیامت ، اعجاز، روئے جلال، نرزبانِ محتبر اور انجام حیات ان کے زیادہ مشہور گیت ہیں جو تصلیب اور ایسٹر جیسے مضامین کا احاطہ کرتے ہیں۔ اپنے گیت ' اعجاز مسیحا' میں میگؔ اجمیری حضرت مسیح یسوع کے معجزات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اقرار کرتے حضرت یسوع مسیح نے سارے جہاں کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ اس نے صلیبی موت کو قبول کیا اور قبر میں اُترنے کے بعد بھی اُسے ہماری مخلصی کا خیال رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اُس مقصد کو جو ربِ کائنات کی عطا تھا ملحوظِ خاطر رکھا اور مر کر جی اُٹھا۔ یہ جی اُٹھنا بھی کسی کرشمے اور اعجاز سے کم نہ تھا۔ میگؔ کہتے ہیں کہ

؎ ابنِ مریم مجھ کو تجھ پر ناز ہے

مر کے جی اُٹھنا ترا اعجاز ہے (۴)

میگؔ کے گیت ' اعجاز مسیحا' کے اس شعر کے پہلے مصرع میں ہی میگؔ اس عقیدے کے معترف ہیں کہ حضرت یسوع مسیح ابنِ مریم ہیں یعنی میگؔ اس حقیقت کو ماننے والے ہیں کہ آپ نے بنا باپ کے جنم لیا۔ آپ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع کو خُدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بنا باپ کے کنواری مریم کے بطن سے پیدا کیا۔ اس پیدائش سے حضرت یوسف یا کسی اور مرد کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ مریم کو تمام عورتوں میں مبارک رتبہ نصیب ہوا۔ میگؔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انہیں اُس ذات مبارک پر فخر ہے جس نے بنا باپ کے جنم لیا۔ میگؔ کے نزدیک وہ ہستی کس قدر مبارک اور معتبر ہے جس کی مریم کے بطن سے پیدائش ہوئی۔ اور یہ پیدائش خدائے ذوالجلال کے فضل کی بدولت ہوئی۔ یہ ایک کرشمہ تھا' ایک معجزہ تھا جس پر میگؔ ناز کرتے ہیں اور اس سے بھی آگے دیکھا جائے کہ ابن مریم کی ساری زندگی سے متعلق بے شمار معجزے سامنے آتے ہیں مثال کے طور پر وہ روگیوں کو ان کی تکلیف سے نجات دیتے تھے پھر صلیبی موت کو قبول کرنا اور مر کر زندہ ہونا بھی ایک

کرشمہ ہے' ایک انوکھی بات ہے کیونکہ اب سے پہلے روئے عالم پر ایسا واقعہ نہیں سُنا تھا کہ کوئی مر گیا ہو اور تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھے۔ اسی امر کو میگؔ اپنے گیت 'اعجاز مسیحا' میں بیان کرتے ہیں۔ میگؔ اسی عقیدت میں مذید کہتے ہیں کہ تو میرے دِل سے آشنا ہے اور میں ہر طرف تری آواز سنتا ہوں۔

میگؔ کے گیتوں کا مذید مطالعہ کریں تو اُن کے گیت "روئے جلالی" میں بھی ہمیں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ میگؔ حضرت یسوع مسیح کو 'ابنِ مریم' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں یہ شعر دیکھئے:

؎ جی اُٹھا ہے ابنِ مریم قبر خالی دیکھئے

چشم بینا سے اجل کی خستہ حالی دیکھئے (پیغام حیات: ص۱۲۸)

میگؔ اپنے گیت "روئے جلالی" میں حضرت یسوع مسیح کو "ابنِ مریم" مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں وہ حضرت یسوع مسیح جو ابنِ مریم ہے وہ قبر میں نہیں ہے بلکہ وہ اعلانیہ طور پر کہتے ہیں کہ ذرا اُس یسوع مسیح کی قبر کا نظارا کیا جائے تو وہ خالی ملتی ہے کیونکہ ابنِ مریم جی اُٹھا ہے اور اس جی اُٹھنے کے سبب سے موت شرمندہ ہے اور خستہ حال ہے اور اس کی خستہ حالی کا نظارہ قابلِ دید ہے کیونکہ موت کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر بغور دیکھا جائے تو جہاں ایک طرف یہ بڑی خوشخبری ہے کہ یسوع مسیح ابنِ مریم جی اُٹھے ہیں وہاں اُس کے برعکس دوسری طرف موت کا منہ دیکھنے والا ہے جو نہایت خستہ حال ہے اس گیت میں میگؔ ابنِ مریم کے جی اُٹھنے کا مضمون بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابنِ مریم کے جی اُٹھنے سے ہی زندگی کے درخت جھومتے ہوئے دکھائی دینے لگے کیونکہ انہیں ان کے مالی یعنی ابنِ مریم نے اپنے خون سے سینچا ہے اور میگؔ کہتے ہیں کہ زندہ ہونے کے بعد وہ ابنِ مریم لوگوں پر ایک خاص مقررہ وقت تک دکھائی دیتا رہا ہے۔ اب بھی وہ روئے جلال رکھتا ہے اور ہمیشہ ہی روئے جلالی رہے گا۔ اور اس کے خون کے وسیلہ سے سارے جہاں نے نجات پائی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر اِک ذرہ اس لال رنگ پر رشک کرتا ہے۔

واقؔف جالندھری:

آپ کا اصل نام ایڈون داس جبکہ واقؔف تخلص کرتے تھے۔ آپ ۲۸ اپریل ۱۹۱۹ء کو جالندھر چاؤنی میں پیدا ہوئے۔ ایف اے کا امتحان پاس کیا اور پھر ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ زمانہ طالب علمی سے شاعری کا شوق تھا۔ ۱۹۳۶ء میں جناب محمود جالندھری سے فنِ شاعری میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان کی وفات

کے بعد علامہ سیماب اکبر آبادی سے اصلاح کا سلسلہ شروع کیا۔ جالندھر سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "صلیب " کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۹۴۸ میں جالندھر ریڈیو میں ملازمت ملی۔ ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو مستقل طور پر جالندھر میں ہی سکونت اختیار کی۔ شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری کے بھی شیدائی تھے۔ نثر نگاری میں "ڈرامہ" اور "افسانہ نگاری" کی طرف زیادہ تر رجحان رہا۔ شاعری میں دیکھا جائے تو ان کا کلام لغزشوں سے پاک ' صاف ' شستہ ' تخیل بلند ' جدت سے بھرپور اور دلکش ہوتا۔ ان کے ہاں چُست ترکیبیں ملتی ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں کل ہند مسیحی مصنفین کانفرنس نے واقفؔ جالندھری کو "روحِ سخن" کے خطاب سے نوازا تھا۔

واقفؔ جالندھری کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو ہم اس نتیجے تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں کہ اُن کے ہاں صلیب سے عقیدت اور تصلیب کا مضمون صاف نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں بیش بہا گیت ایسے ملتے ہیں جن میں وہ حضرت یسوع مسیح سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں وہ اپنے گیتوں میں مسیح یسوع کو صلیب دینے کا مرحلہ وار ذکر کرتے نظر آتے ہیں۔ اُن کے ہاں جزئیات نگاری صاف جھلکتی ہے۔ تصلیب کے ساتھ وہ قیامت المسیح کے مضمون کو بھی قلم کی زینت بناتے ہیں۔ اُن کا گیت 'زندہ ہوا' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے تصلیب کے حوالے سے دیکھا جائے تو اُن کے گیت غم نوازی، فرمانِ صلیب، گتسمنی، کہاں جاتے اور تیرے سوا اہمیت کے حامل ہیں۔

واقفؔ خواہ اقیامت المسیح اور تصلیب کے مضمون باندھتے ہوں یا عید ولادت المسیح کا ذکر چھیڑ رہے ہوں اُن کے کلام میں اکثر ہی ہمیں "ابنِ مریم" کی ترکیب ملتی ہے۔ مثال کے طور پر اُن کے ایک گیت 'پرَتوِ حسنِ ازل' سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ ایک دن مٹ جائیں گی ہستی کی ساری کلفتیں

ابنِ مریم چارہ سازِ بیکساں ہو جائے گا(۵)

اِس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت یسوع مسیح معجزاتی صفات سے پُر شخصیت ہیں۔ وہ جب تک اِس جہاں میں زمینی خدمات سر انجام کرتے رہے انہوں نے بے شمار معجزات کیے وہ بے کس اور بے چاروں کے چارہ گر رہے اور محض تب تک ہی نہیں آج بھی بنی نوع انسان انہیں چارہ گر ہی جانتا ہے۔ محض مسیحی ہی نہیں بلکہ غیر مسیحیوں

میں بھی حضرت یسوع مسیح کو چارہ گر کے طور پر مانا جاتا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ واقؔف اقرار کر رہے ہیں بے شک 'ابنِ مریم بے کسوں کے چارہ ساز ہیں اور ضرور ہے ایک دن ان کے وسیلے ہستی کی ساری کلفتیں دُور ہو جائیں گی۔

واقؔف کا 'پرتو حسن ازل' مسیح یسوع کو حسن ازل کے پرتو کا اقرار ہے۔ وہ ان کو اپنی بے چارگی میں چارہ گر مانتے ہیں انہیں ہی وہ ' ابنِ مریم' کہتے ہیں کیونکہ وہ معترف ہیں اور اسی عقیدہ کو ماننے والے ہیں کہ یسوع مسیح کنواری مریم سے پیدا ہوئے اور ان کی تخلیق میں کسی بشر کا عمل نہیں بلکہ وہ خُدا کی قدرت سے پیدا ہوئے۔ یہاں جب واقؔف یہ تذکرہ کرتے ہیں کہ چارہ ساز بیکساں نہیں تو اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان کے وسیلے سے بہت سے بے کسوں کی مرادیں بر آئیں تھیں۔ بہت سے لاچاروں کو چارہ مل جاتا تھا اور وہ واپس نئی زندگی پاتے تھے اور آسودہ ہوتے اور اس کی حمد و ثنا کرتے جب کہ دیکھنے والے حیران ہوتے تھے کہ یہ کیسی عجیب صفات کا مالک ہے جو روگیوں کے روگ دور کرتا اور ان کو بہبودگی عطا کرتا ہے۔

یونؔس جالندھری:

اصل نام یونؔس مسیح اور تخلص یونؔس تھا۔ آپکی پیدائش ۱۹۲۳ء میں جالندھر میں ہوئی۔ نجی معاملات کی وجہ سے تعلیم کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے مگر شاعری کے شیدائی تھے اور یہی شوق انہیں بلندیوں تک لے گیا۔ شاعری میں جناب محمودؔ جالندھری کے شرفِ تلمذ سے مستفید ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں شاعری کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کا کلام اس درجہ مقبول عوام ہوا کہ آپ کو" شاعر عوام "کہا جانے لگا۔ آپ نے پنجابی اور اردو دونوں زبانوں میں خوب شعر کہے۔ جو زبان زدے عام ہوئے۔

یونؔس کے گیتوں کا مطالعہ کریں تو ان کے ہاں بھی بار بار 'ابنِ مریم' کی ترکیب ملتی ہے۔ یونؔس کے گیتوں میں عید قیامت المسیح کا مضمون زیادہ نمایاں ہے۔ دوسری طرف اُن کی حضرت یسوع مسیح سے عقیدت صاف جھلکتی ہے یہ وہی ذات ہے جس سے وہ عشق کرتے ہیں اور سودائی ہیں۔ توصیفِ مسیحا' بڑا دن' ایسٹر' تصویرِ وفا اور فخر کی بات اُن کے مشہور گیت ہیں۔ یونؔس اپنے گیت ' توصیف مسیحا' میں مسیح یسوع کی حمد و ثنا کرتے نظر آتے ہیں ان کا گیت 'بڑا دن' عید ولادت المسیح کا مضمون اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے ۔اس کے ساتھ ساتھ ان کا گیت ' ایسٹر' مسیح

یسوع کے جی اُٹھنے کا تذکرہ ہے ۔اپنے گیت 'تصویر وفا' میں بھی یونسؔ نے مسیح یسوع کے جی اُٹھنے کا ذکر کیا ہے اس گیت میں وہ مسیح کو "فرزندِ مریم" کہتے ہیں شعر ملاحظہ ہو:

؎ ہو گیا پورا کلام پاک میں لکھا ہوا

جی اُٹھا فرزندِ مریم موت شرمائی ہے آج (۶)

یہاں یونسؔ نے ابنِ مریم کی ترکیب کا استعمال نہیں کیا بلکہ وہ مسیح یسوع کو فرزندِ مریم کہہ کر پکارتے ہیں اور اس عقیدہ کا اعتراف کرتے ہیں کہ جیسے یسوع مسیح نے کہا تھا کہ اِس ہیکل کو تین دن میں کھڑا کر دوں گا' تو لوگ متعجب تھے لیکن وہ اپنے بدن کی بابت کہتا تھا سو اُس نے تیسرے دن مردوں میں سے زندہ ہو کر کلام پاک کی اس بات کو پورا کیا۔ اس شعر میں یونسؔ مسیح یسوع کے اسی کلام کا اشارہ کرتے ہیں کہ اُس نے آج کے دن موت کو شرمندگی عطا کی اور جب کلام پاک کا لکھا ہوا حرف حرف سچ ثابت ہو گیا تو موت شرماتی پھر رہی ہے اور کوئی جگہ کوئی کونہ ڈھونڈتی ہے کہ جہاں جا کر وہ اپنا منہ چھپائے۔ گیت 'تصویر وفا' میں وفائے فرزندِ مریم کی بڑی خوبصورتی سے تصویر کشی کی گئی ہے۔ یہاں ذکر ہے فرزندِ مریم نے موت پر فاتح ہو کر ذرے ذرے کی چمک سے عیاں کیا ہے کہ اُس کی ذات آج بھی شانِ مسیحائی سے لبریز ہے۔ اُسے موت کچھ نہ کہہ سکی بلکہ وہ فرزندِ مریم ہے جو بے پدر تخلیق ہے اور ممکن نہیں خُدا کی اس پُر جلال ہستی کو موت کچھ کہہ سکے۔ یہ گیت یونسؔ کی مسرت و تسکین کا عکس بھی دکھاتی ہے وہ بڑے والہانہ انداز سے بیان کرتے ہیں کہ چونکہ آج کے روز فرزندِ مریم جی اُٹھا تو ہم مل کر کیوں نہ اُس خوشی کا جشن منائیں کہ رب کائنات نے ہم پر رحمت برسائی ہے اور یہ ابرِ رحمت جہان تشنہ پر ٹوٹ کر خوب برسا ہے۔ اور اتنا برسا ہے کہ افسردہ دِلوں کی اُمید بر آئی ہے۔ اُن کے ایک گیت 'فخر کی بات' سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

؎ ہے تمنا مجھے یہ کہہ کے پکارے دُنیا

ابنِ مریم کا یہ سودائی ہے (پیغام حیات: ص ۱۵۹)

یونسؔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں ایک ہی اُمنگ ہے کہ لوگ مجھے "ابنِ مریم" کا سودائی کہہ کر پکارے۔ گیت 'فخر کی بات' میں بھی وہ یہی تمنا کرتے ہیں کہ انہیں سارے عالم میں ابنِ مریم کا سودائی کہا جائے یعنی ساری دنیا

میں مشہور ہو جائے کہ وہ یسوع مسیح سے شدید قلبی تعلق رکھتے ہیں اور اس عشق کا چرچا ہر جا ہو۔ اس گیت میں وہ مسیح یسوع کے جی اُٹھنے کے معجزے کا ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے تصلیب کے ہر مرحلے کو پار کیا اور تیسرے دِن مُردوں میں سے جی اُٹھے یہی اُن کے لیے فخر کی بات ہے کہ یسوع مسیح ناصری نے موت پر ظفر پائی ہے اور اس فخر کی بدولت وہ یسوع مسیح کے عشق میں گرفتار ہیں اور چاہتے ہیں کہ دُنیا میں اس محبت کا چرچا کرے تا کہ اس چرچے سے یسوع مسیح ناصری کی تبلیغ ہوتی رہے۔

ہمآ میرٹھی:

اصل نام ہینری ولیم ابراہام جبکہ ہمآ تخلص کرتے ہیں۔ آپ ۱۱ اپریل ۱۹۳۵ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ساتویں جماعت سے شعر گوئی کرنے لگے یہاں تک کہ نویں جماعت میں اردو اور تاریخ کے پرچے منظوم انداز میں دیئے۔ بی۔ اے تک حصولِ تعلیم کے لیے مختلف محکموں میں ملازمت کی۔ غصہ، ضد اور تلون مزاجی نے کسی ایک جگہ ٹکنے نہ دیا آخر کار پولیس میں ملازم ہوئے۔ دلیری، ایمانداری اور جواں مردی کی بدولت جلد ہی ترقی کی اور ریلوے پولیس اسٹیشن ہاؤس افسر بن گئے۔ زندگی میں کئی پریشانیوں کا سامنا رہا لیکن بلند حوصلے سے ہر مشکل کو پار کیا اور کبھی مڑ کر پیچھے نہ دیکھا۔ پولیس کی ملازمت جاری رکھی اور مدھیہ پردیش میں ریلوے پولیس سے ریٹائر ہوئے۔

شاعری کا اس قدر شوق تھا کہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ جنون اُن کے رگ وپے میں سمایا ہوا تھا۔ پولیس کی زبردست ملازمت کے باوجود بھی شعر گوئی کے لیے وقت نکال ہی لیتے۔ ہمآ کا شمار نآدر شاہ جہان پوری کے عزیز ترین شاگردوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی۔ وہ وقت کے تقاضوں کے مطابق جدید شاعری کی طرف بھی راغب تھے۔ جدت اس کی طبعیت کا خاصہ تھا۔ اشعار میں مضمون کو باندھنے کے لیے بڑی مہارت سے راہیں نکالتے۔ تلون مزاجی کی بدولت ان کے کلام میں بھی شباب کے ولولے اور دلیری کے عناصر جابجا ملتے ہیں۔ انہوں نے سماج کی اصلاح کے لیے بھی قلم اُٹھایا۔ زبان شستہ اور صاف ہے۔ ہمآ میرٹھی مسلسل نظم نگاری کے شیدائی اور تاریخ گوئی کے مشتاق ہیں۔ شعر گوئی کے علاوہ نثر نویسی میں بھی زور کلام دکھایا۔ کئی افسانے اور مکالمے تحریر کیے۔ 'کہکشاں' کے نام سے ایک مکالمہ تحریر کیا جس میں یورپی شعرا کا تزکرہ ہے یہ اُن کی بہت بڑی کاوش ہے۔ ۱۹۸۰ء میں انجمنِ کل ہند مسیحی اور اردو مصنفین نے آپ کو 'ادیبِ ملت' کے خطاب سے نوازا گیا۔ اندور سے اپریل

۱۹۸۳ء میں 'مسیحی دَور' کے نام سے ایک رسالہ شائع ہونا شروع ہوا۔ اس رسالے میں آپ نے بطور مدیر اعلیٰ اپنی خدمات سر انجام دیں۔ الغرض عمر کے آخری حصّے تک آپ نے خود کو ادب کے لیے مختص کر دیا۔

ہمآ میرٹھی کے گیتوں کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ انہوں بڑی خوبصورتی سے اور والہانہ انداز میں حضرت مسیح یسوع کے اوصاف جابجا گنوائے ہیں ان کے ہاں خوبصورت بند شیں ملتی ہیں۔ ان کے مشہور گیتوں میں تصلیب مسیح، مسیح مصلوب، جستجوئے مسیح اور جلوہ مسیح قابلِ ذکر اور قابلِ تحسین گیت ہیں۔ ان کے گیتوں میں یہ اقرار بھی ملتا ہے کہ یسوع مسیح مبارک مریم کی اولاد ہیں اُن کے گیت 'مسیح مصلوب' سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

؎ مریم کا دل ہے شورشِ دریا لیے ہوئے
بہتے ہیں اشک, خون تمنا لیے ہوئے(۷)

اس شعر میں ہمآ نے حضرت مریم کے دل کا حال بیان کیا ہے۔ ان کے گیت 'مسیحِ مصلوب' میں یسوع مسیح کے تصلیب کی بہت خوبصورت جزئیات نگاری کی گئی ہے۔ ہمآ نے تصلیب کے ہر جزو کا کمال ہنر مندی سے تذکرہ کیا ہے۔ مذکورہ بالا شعر میں ہمآ بیان کرتے ہیں کہ آج کے دن حضرت مریم کا دل شورش دریا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے ۔ ان کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج اس کے لال کو صلیب دی جا رہی ہے۔ گیت کا نام بھی 'مسیح مصلوب' ہے یعنی اس گیت میں مسیح یسوع کی مصلوبیت کا تذکرہ ہے۔

ہمآ لکھتے ہیں چونکہ مریم کے ارمانوں کا خون ہوا ہے اس لیے وہ حیرتوں کا مینار بنے کھڑی ہیں اور زار و قطار روئے جا رہی ہے کیونکہ ایک طوفان نے اُن کے دل کو گھیر رکھا ہے۔ طوفانی آندھیوں کی لپیٹ میں بے چاری ماں اپنے دل پر قابو نہیں رکھ پا رہی۔ ان کے دل کا یہ اندوہِ غم آنکھوں کے راستے اشک بن بن بہہ رہا ہے۔ حضرت مریم اس لیے اشک بار ہیں کیونکہ اسی گیت میں ہمآ نے صلیب پر لٹکے ہوئے مسیح یسوع کی منظر کشی کی ہے۔ ابن مریم جب صلیب پر لٹکائے گئے اور جب ایک سپاہی نے ان کی پسلی پر بھالا مارا تو پسلی سے خون اور پانی بہنے لگا۔ اِسی گیت میں ہمآ نے تصلیب کا ایک اور واقعہ قلم بند کیا کہ جب مسیح یسوع کو صلیب دی گئی تو اُن کے دائیں اور بائیں دو ڈاکوؤں

کو بھی مصلوب کیا گیا۔ ان دو ڈاکوؤں میں سے ایک مسیح ناصری کے معجزوں سے واقف تھا اور اُس نے مرنے سے پہلے یسوع مسیح سے کہا کہ جب وہ اپنی بادشاہت میں جائے تو اسے بھی یاد رکھے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اُسے یقین تھا کہ یسوع مسیح بے گناہ ہیں اور وہ رب کائنات کا اوتار ہیں اور ابدی زندگی کے مالک بھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ڈاکو صلیب پر مرتے دم بھی آبِ حیات پا گیا۔ ہمآ کے گیت 'مسیح مصلوب' میں ہمآ نے بڑی مہارت سے یسوع مسیح کی تصلیب کو بیان کیا ہے جس کا آغاز ہی اس بات سے کرتے ہیں کہ مریم کا دل شورش دریا سے لبریز ہے اور اس کی تمناؤں کے خون کے سبب اُس کے اشک بہے جا رہے ہیں۔ اسی گیت سے ایک شعر ملاحظہ کریں:

؎ جی اُٹھنے کا مسیح کے مریم کو ہے یقین

آنکھیں ہیں منظر پس فردا لیے ہوئے (پیغام حیات: ص ۱۵۵)

اِس شعر میں ظاہراً یہی معنی سمجھ میں آتا ہے کہ مسیح یسوع کے جی اُٹھنے کا حضرت مریم کو مکمل ایمان تھا اور ان کی آنکھیں آنے والے کل کے لیے بیتاب تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ یسوع مسیح کو موت کچھ نہیں کہہ سکتی۔ مسیحی ایمانیات کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ شعر اس بات کی دلیل ہے اور ہمآ بھی اِس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ چونکہ مریم اس حقیقت سے سو فی صد واقف تھیں کہ یہ اولاد رب کی معجزانہ تخلیق ہے جس کا باپ کوئی بشر نہیں ہے۔ اس لیے وہ منتظر تھیں کہ جلد ہی مسیح یسوع موت پر فاتح ہوں گے۔ اور جی اُٹھیں گے اسی سبب ہمآ کہتے ہیں کہ مریم کو ان کے جی اُٹھنے پر کامل یقین تھا۔ ان کی آنکھیں منتظر تھیں کہ آئندہ دِنوں کے خوبصورت مناظر کو دیکھ سکیں جب یسوع المسیح جی اُٹھیں گے۔

حاکم سنگھ راہیؔ لدھیانوی:

آپ کا اصل نام حاکم سنگھ تھا جبکہ راہیؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ ۱۶ جون ۱۹۳۶ء کو بھاولہ ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ بی۔ اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۵ء میں الٰہ آباد سے علم الٰہیات کا امتحان پاس کیا اور پادری کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ راہیؔ کو شاعری کا شوق کم سنی سے تھا۔ آپ اُردو کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان میں بھی شعر کہتے تھے۔ الٰہ آباد میں مرحوم پادری نادر شاہ نادرؔ سرمدی بنگلوری کی صحبت نے اس شوق میں مزید اضافہ کیا۔ شعر

کہتے اور انہی سے اصلاح لیتے مگر بھی الٰہ آباد سے رخصت کے بعد اصلاح کا سلسلہ بھی ٹوٹ گیا۔یہی وجہ ہے کی اکتسابِ فن نہ ہو سکا۔ آپ کی زبان سادہ، سلیس اور نہایت سادہ تھی البتہ کہیں کہیں پنجابی جھلک نمایاں ہو جایا کرتی تھی۔ آپ کا کلام خالصتاً حقانی تھا۔ بہت سے مسیحی رسالوں میں آپ کا نمونۂ کلام شائع ہوتا رہا۔ 'شمع حیات' کے عنوان سے آپ کا ایک مجموعہ کلام منظر عام پر آیا۔ شاعری کے ساتھ ساتھ نثر کی طرف بھی خاصا رجحان تھا۔ 'حسین دھوکہ' کے عنوان سے آپ کا ایک ہندی ناول بھی شائع ہوا۔

راہیؔ کے گیتوں کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ان کا دل اس ایمان کامل پر بڑی مضبوطی سے قائم تھا کہ حضرت یسوع مسیح نے کنواری مریم سے جنم لیا اور ان کی تخلیق میں کسی مرد کا کوئی عمل دخل نہیں تھا بلکہ وہ قدرتِ خداوندی سے بِن باپ کے کنواری مقدسہ مریم کے بطن سے پیدا ہوئے یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام 'ابنِ مریم' کی ترکیب سے بھرا پڑا ہے اسی حوالے سے ان کے گیت 'توصیفِ مسیحا' سے شعر ملاحظہ ہو:

؎ کر دیا آزاد تو نے ہم کو ہر اِک خوف سے

تیری ہم پر ابنِ مریم یہ عنایت ہو گئی(۸)

یہاں راہیؔ بڑی خوبصورتی سے اقرار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع کی بدولت ہی ہمارے دل و دماغ پر چھائے ہوئے خوف کے بادل چھٹ گئے۔ ایسا اس لیے ہوا کہ 'ابنِ مریم یعنی کی ہم پر خاص نظر کرم کی کار فرمانی ہے ورنہ ہم اس لائق تو نہ تھے پھر بھی اس کا خاص کرم ہے کہ اس نے ہمیں تمام فکروں اور خوف سے نجات عطا کی۔ راہیؔ کہتے ہیں کہ دراصل یہ یسوع مسیح کی ہم پر رحمت ہے اور اس رحمت کا اصل سبب وہ اُس محبت کو گردانتے ہیں جو اس ذاتِ باری کو ہم سے ہوئی تھی وہ ہمیں آزاد کرنے کے لیے اس دنیا میں آئے۔ اور اس کے آنے سے ہماری اندھیری دنیا میں نور ہی نور ہوا۔ وہ ہماری خاطر عالم بالا پر سے دھرتی پر اُترا۔ یہی نہیں بلکہ اس زمین پر وہ عام سی جگہ یعنی چرنی میں جلوہ فرما ہوا تاکہ بے کسوں اور لاچاروں کو خوشنودی مل سکے۔ اِسی عقیدے کے حوالے سے راہیؔ کے گیت 'بڑا دن' میں ایسی ہی ایک اور مثال ملتی ہے۔

؎ وہ نغمہ سنا دو زمانے کو راہی

جو خود ابنِ مریم سنانے کو آیا (اردو کے مسیحی شعرا: ص ۱۶۳)

راہیؔ یہاں بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت یسوع مسیح اس دنیا میں امن کا پیغام لے کر آئے۔ راہیؔ کہتے ہیں وہی پیغام جو مسیح بذات خود سنانے آئے وہ پیغام کیوں ناں اے راہیؔ تم سارے جہاں کو سناؤ؟ راہیؔ اقرار کرتے ہیں کہ مسیح جو خالقِ دو جہاں کی بے پدر تخلیق ہیں وہ زمیں والوں کے لیے نئی زندگی لے کر آئے۔ ہم پر بھی وہ اپنی بیش بہا محبت کو برسانے آئے۔ وہ مصورِ دو جہاں کی تصویر بن کر اس دھرتی پر اُترے اور وہ بے پدر اس لیے ہے تاکہ خالقِ حقیقی کے جلوے کو ہم پر ظاہر کر سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع ہمارے لیے اس دھرتی پر آئے تاکہ ہم نجات پا سکیں اور وہ اُس دیوار کو جو خُدائے قدوس اور عین ہمارے بیچ حائل تھی اسے گرانے آئے تاکہ سب انسان زندگی پائیں اور فنا کا دور فنا ہو جائے۔

پسر خداوندی:

'پسر' کے معنی ہیں 'بیٹا' اور 'پسر خداوندی' کے معنی 'خدا کا بیٹا'۔ پسر خداوندی کی ترکیب اس مسیحی عقیدے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضرت مسیح یسوع خدائے قدوس کے بیٹے ہیں۔ باغ عدن میں آدمؔ اور حواؔ سے جو گناہ سرزد ہوا اس کی تلافی کے لیے خدا کو عورت کی نسل سے کسی بشر کا تولد لازمی تھا۔ جو سارے جہاں کے گناہ کا کفارہ کرے اور اس کے لیے خدائے مہربان نے اپنے بیٹے کو چنا۔ اس کا یہ ہرگز معنی نہیں کہ اس امر کے لیے خدا نے شادی کی جیسا کہ کئی دیوتاؤں کے ہاں ایسے مظاہر ملتے ہیں بلکہ مسیحی عقیدے میں اس کے برعکس بھید ہے کہ اس نے مبارک مریمؔ مقدسہ پر اپنا فضل کیا اور وہ معجزانہ طور پر حاملہ ہوئی۔ اور اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا یہ وہی لڑکا ہے جو مسیحی ایمان کے مطابق پسر خداوندی ہے یعنی خدا کا بیٹا' حضرت مسیح یسوع۔ بائبل مقدس کے مطالعہ سے جا بجا ایسے حوالہ جات ملتے ہیں جو اس امر کی دلیل ہیں۔ یہ وہی نکتہ ہے جس کے بنا مسیحی عقیدہ نامکمل اور بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ نئے عہد نامہ میں اسی حوالے سے یہ آیت ملاحظہ ہو:

> "اور یسوع بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس اوپر گیا اور دیکھو اس کے لیے آسمان کھل گیا۔ اور اس نے خدا کے روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔ اور دیکھو آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔" (۹)

ذیل میں اسی حوالے سے مسیحی شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

جیکب ڈین شآدؔ:

اصل نام جیمس جیکب اور شآدؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ کی پیدایش ۲۶ دسمبر ۱۸۶۳ء کو ینگسن آباد ضلع شیخوپورہ (پاکستان) میں پادری یعقوب کشن سنگھ کے ہاں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے میں حاصل کی۔ آپ نے فارسی اور انگریزی کے مضامین میں انٹر کا امتحان پاس کیا اور سرکاری ملازم ہو گئے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ فارسی اور اردو کے مضامین میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ زمانۂ طالب علمی سے ہی ادب سے خاصا لگاؤ رہا۔ ادب سے اسی لگاؤ اور گھر کے مذہبی ماحول کی بدولت آپ کا رجحان حمدیہ شاعری کی طرف ہونے لگا اور آپ اسی شاعری کے توسط سے خدا کی خدمت کرتے رہے۔ شاعری میں رسآؔ لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ استادِ محترم نے شآدؔ کو ' شیریں سخن ' کے خطاب سے نوازا۔ جیکب ڈین شآدؔ نے سرکاری ملازم ہوتے ہوئے کئی محکموں میں خدمات سر انجام دیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۰ء میں جب فوجیوں کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے خود کو اس خدمت کے لیے پیش کیا۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد میں پولیس ایکشن کے دوران ۱۰۰ مواضعات کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے صوبیدار کے عہدے پر مختص ہوئے۔ آخری ایام میں چنبہ کے گورنمنٹ آفس میں کلرک کی خدمات انجام دیں۔ شآدؔ کے گیتوں کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ وہ اس مسیحی عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح پسر خداوندی ہیں۔ شآدؔ کے ہاں زیادہ تر تصلیب کے مناظر ملتے ہیں۔ تصلیب کے ہر جزو کی منظر کشی جس طرح شآدؔ نے کی ہے شاید ہی کسی اور نے اس خوبصورتی کو نبھایا ہو۔ 'موت اور زندگی' اور 'عیسیٰ کا خون و بدن' اسی حوالے سے ان کے دو اہم گیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے ایک گیت میں شآدؔ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت یسوع مسیح رب کائنات کے فرزند ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو:

ندا یہ غیب سے آئی کہ یہ فرزند ہے میرا
دیا یوحن نے بپتسمہ تھا تجھ کو جب کہ پانی کا (۱۰)

یہاں شآدؔ نے بڑی خوبصورتی سے مسیح یسوع کے بپتسمہ کے واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے پیشتر کے حوالہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ یوحنا بیابان میں پکارا کرتا تھا اور لوگوں میں منادی کرتا تھا کہ وہ تو پانی سے بپتسمہ دیتا ہے لیکن اس کے بعد جو آتا ہے وہ روح القدس سے بپتسمہ دے گا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ بعد میں آنے والی ہستی مسیح یسوع کی ہے ۔ جب حضرت مسیح گلیل سے یردن کے کنارے یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پاس بپتسمہ کے لیے گئے تو نبی ہوتے ہوئے یوحنا جانتا تھا کہ مسیح کی حقیقت کیا ہے سو یوحنا نے خود یسوع مسیح کو بپتسمہ دینے سے انکار کیا اور کہا کہ وہ خود

مسیح سے بپتسمہ لینے کے لائق ہے لیکن حضرت مسیح یسوع نے نہایت انکساری سے جواباً یوحنا سے کہا کہ ساری راستبازی پوری ہو۔ سو اس غرض سے وہ ایسا ہونے دے سو یوحنا نے بلا تامل تعمیل کی اور لکھا ہے کہ جوں ہی یوحنا بپتسمہ دینے والے نے حضرت مسیح ناصری کو بپتسمہ دیا تو آسمان کھلا اور خدا کا روح کبوتر کی طرح یسوع مسیح پر نازل ہوا اور اس کے ساتھ ہی آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ مسیحی عقائد کے حوالے سے یہ واقعہ اس عقیدہ کی دلیل کے طور پر استعمال ہوتا ہے کہ وہی واحد ہستی ہے جو پسر خُداوندی کہلانے کی حقدار ہے۔ شاؔد نے یہاں بڑے کمال انداز سے ندا یہ غیب سے آئی' کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح پسرِ خُداوندی ہے۔ غیب سے آنے والے یہ الفاظ رب کائنات کے ہیں۔

نا ؔدر شاہ جہاں پوری:

آپ کا اصل نام جان البرٹ پال' اور نا ؔدر تخلص کرتے تھا۔ آپ ۲۶ فروری ۱۸۸۹ء کو ضلع شاہجہان پور کے ایک موضع راماپور میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ بہت ہی چھوٹے تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اور یوں لودھی پور ضلع شاہجہانپور کے مشن یتیم خانے میں آپ اور آپ کے ہمراہ آپکی دو بہنوں، دو بھائیوں اور ماں کی پرورش ہوئی۔ ۱۹۰۷ء میں انٹرنس پاس کیا۔ پھر کسی مشنری خاتون نے ہی آپ کا داخلہ لکھنؤ کے کرسچن کالج میں کرایا لیکن وہاں کے طلبہ کے رنگ ڈھنگ اور شان و شوکت کے سبب آپ احساسِ کمتری کا شکار ہونے لگے لہذا آپ نے لکھنؤ کے کرسچن کالج کو خیر آباد کہا اور قصّبہ تلہر میں بطورِ مدرس خدمات انجام دینے لگے۔ ۱۹۱۷ء میں اس ملازمت کو بھی خیر باد کہا اور سب چھوڑ چھاڑ کر جھانسی تشریف لے گئے اور پھر عمر کے آخری حصہ تک وہیں مقیم رہے۔ نا ؔدر کو شعر گوئی کا شوق طالب علمی کے زمانہ سے ہی تھا۔ بنارس میں قیام کے دوران پروفیسر الٰہی بخش قرین نیازی سے زانوئے تلمذ کیا۔ شروع شروع میں فارسی زبان میں طبع آزمائی فرمائی مگر ۱۹۱۴ء میں استادِ محترم کے ایما پر فارسی سے اردو میں شعر گوئی پر راغب ہوئے۔ اردو زبان میں شعر گوئی کے لیے علامہ خواجہ محمد عبد الرؤف صاحب عشؔرت لکھنوی کی شاگردی میں آئے اور ۱۹۱۷ء میں خود اپنے آپ کو استاد کہتے ہوئے اصلاح سے مستقنی کر دیا۔ نا ؔدر کا کلام اس عہد میں چھپنے والے تقریباً سبھی رسالوں میں چھپتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو ربِ کائنات نے شاعر تخلیق کیا ہے تو یہ غلط نہ ہو گا۔ اس ودیعتِ الٰہی کو نا ؔدر شاہ جہاں پوری کی جانفشانی درجۂ کمال کے عروج تک لے گئی۔ نا ؔدر کی

اخیر عمر نہایت تنگ دستی اور خستہ حالی میں گزری۔ آپ نے ۳۱ مئی ۱۹۶۲ کو خالقِ حقیقی سے وصال کیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے مسلمان ہندو اور مسیحی شاگردوں کی متعدد تعداد نے مرثیوں اور نوحوں کی صورت میں اظہارِ غم کیا۔

نادرؔ شاہ جہاں پوری کے گیتوں کا مطالعہ اگر مسیحی عقائد کے تناظر میں کیا جائے تو پسرِ خداوندی کے حوالے سے ان کے کلام میں جابجا ایسے اشعار ملتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ نادرؔ اس مسیحی عقیدے پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ یسوع مسیح ہی پسرِ خداوندی ہیں۔ اس حوالہ سے ان کے گیت 'اشکوں کی روانی' سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ آنکھ اگر ہے دار پہ دیکھو

ابنِ خدا کی بے سامانی[۱۱]

اِس گیت میں نادرؔ یسوع مسیح کے لیے 'ابنِ خدا' کی ترکیب کا بڑی خوبصورتی سے استعمال کرتے ہیں یہ اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ وہ یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور یہی اظہار اپنے کلام میں بڑی خوبصورتی سے نبھاتے نظر آتے ہیں۔ اس گیت میں نادرؔ حضرت مسیح کو ابنِ خدا کہتے ہوئے بڑی ہی دلکشی سے اُن کا صلیب کا سفر پیش کرتے ہیں۔ نادرؔ لکھتے ہیں کہ یہ وہ دردناک وقت تھا جس کا تصور ذہن میں لاتے ہی نادرؔ کی آنکھوں سے اشکوں کی روانی شروع ہو جاتی ہے اور وہ یہی سوچتے ہیں کہ اِس قدر کرب اور الم سے بھری داستان کو وہ کس طرح لفظوں کا پیراہن عطا کریں۔ نادرؔ جب صلیب پر نظر کرتے ہیں تو وہ سچ میں مسیح یسوع کی بے سروسامانی کا منظر دیکھتے ہیں۔ یہ بے سروسامانی کا منظر نادرؔ کی حالت کو اور بھی غمزدہ کر جاتا ہے۔ اس گیت میں وہ مسیح کے دُکھوں کا اظہار بڑے ہی خوبصورت انداز میں کرتے نظر آتے ہیں کہ میرے لیے ہی مسیح نے درد اور تکلیف کو برداشت کیا میرے لیے ہی وہ قربان ہوئے تاکہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو سکے۔ میرے قرمزی گناہ دُھل کر سفید پوشاک کی طرح ہو جائیں۔ یں وہ ایسا کرنے میں اِسی لیے قادر ہوا کیونکہ وہ ہی ابنِ خُدا ہے اور اسی کا اقرار نادرؔ کرتے ہیں۔ اِسی عقیدے کے حوالے سے نادرؔ کے گیت 'صلیب' سے ایک اور شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

؎ گر ابنِ خدا کی شہادت نہ ہوتی

تو ظاہر خدا کی محبت نہ ہوتی (۱۲)

یہاں بھی نآدر حضرت مسیح یسوع کو 'ابنِ خدا' کہہ کر پکارتے ہیں جو اس امر کی نشاندہی ہے کہ وہ حضرت مسیح یسوع کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور یہی اظہار وہ اپنے گیت میں کرتے ہیں۔ نآدر کہتے ہیں کہ اگر حضرت یسوع مسیح خدا کے حکم کی تعمیل نہ کرتے اور راہِ حق کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش نہ کرتے تو ہم خُدا کی ابدی محبت کو ہر گز نہ دیکھ پاتے۔ ہم پر خدائی محبت کا راز کبھی بھی افشاں نہ ہوتا اور ہم مرتکبِ گناہ ہی رہتے اور یوں آگ میں ہمیشہ کے لیے جلنا ہمارا نصیب ہوتا اور ہم فردوس کی بادِ صبا سے محروم ہی رہتے مگر یہ ابنِ خدا کی خاص عطا ہے کہ اُس نے ہم سے محبت رکھی اور اسی محبت کے اظہار میں ہمارے لیے قربان ہو کر ہمیں فردوس کا حق دار بنایا۔ وہ کہتے ہیں کہ ابنِ خُدا ہی کے توسط رحمت حق کو جوش آیا اور تبھی اُس نے ہمارے لیے دار کو قبول کیا۔ ان کے اِسی گیت 'صلیب' سے ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

؎ وہ کیوں اپنے بیٹے کو قربان کرتا

خُدا کو جہاں سے جو الفت نہ ہوتی (اردو مسیحی شعرا: ص ۲۸۴)

اِس شعر سے بھی یہ حقیقت واضح طور پر کُھل کر سامنے آتی ہے کہ نادر اِس عقیدہ پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع خدا کے بیٹے ہیں۔ تبھی وہ مذکورہ بالا شعر میں صاف لکھتے ہیں کہ اگر خُدا کو اس جہان سے محبت نہ ہوتی تو وہ کیوں اپنے بیٹے کو قربان کرتا۔ نآدر نے نہایت سادہ اور آسان الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے اس عقیدے کا کُھل کر اظہار کیا ہے کہ خُدائے قدوس کو روزِ اول سے ہی اس جہان سے محبت تھی۔ یہ اُس کی محبت ہی تھی کہ اُس نے ہر سُو آدم کے لیے خوبصورت جلوے بکھرا رکھے ہیں مگر جب یہی انسان مرتکب گناہ ہوا تو آدم اور خُدا کے بیچ ایک دیوار حائل ہو گئی جس کے گرانے کے لیے ضروری تھا کہ اس گناہ کا کفارہ ادا کیا جائے اور اس امر کے لیے ایک بے عیب برّے کی قربانی ہی لازم و ملزوم تھی سو مناسب تھا کہ بے عیب برہ کے طور پر خُدا خود اپنے بیٹے کو چنتا سو اُس نے ایسا ہی کیا اور بنی آدم کی محبت میں اُس نے اپنے اکلوتے بیٹے تک کو قربان کر دیا اور آدم اور خدا کے درمیان حائل اس دیوار کو گرا دیا پھر وہ پردہ جو خُدا اور آدمی کے بیچ تھا پھٹ گیا اور یوں آج آدم آزاد ہے اور فضل میں چُھپ چکا ہے۔

شآطر الٰہ آبادی:

اصلی نام شآطر الٰہ آبادی اور شآطر تخلص کرتے ہیں۔ آپ ۲۵ جنوری ۱۹۱۰ء کو فرخ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سولہ سال کی عمر سے شعر کہنے شروع کیے۔ ابتدائی تعلیم فرخ آباد سے حاصل کی۔ انٹر کے امتحانات کے لیے کانپور گئے وہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ فن شاعری سے بھی پھلنے پھولنے لگے۔ مولوی عبدالحق عروج کانپوری سے اصلاح لیتے رہے۔ تعلیمِ طب کی غرض سے لکھنو چلے گئے اور وہاں حضرت ابوالخیال نآدر شاہ جہاں پوری کا تلمذ اختیار کیا۔ آپ نادر شاہ جہاں پوری کے عزیز ترین شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ بھرواری ضلع الٰہ آباد میں پرائیوٹ میڈیکل پریکٹشیز رہے۔ آپ کو شآطر بھرواری کہہ کر بھی یاد کیا جاتا ہے آپ نے ۱۸ اگست ۱۹۷۴ء میں اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔

شآطر کی زبان شستہ، کلام صاف اور سلیس جبکہ نادری رنگ سے بھرا ہوا تھا۔ آپ کے ہاں مذہبی تلمیحات و اعتقادات کا بڑے پُرکشش اور دلکش انداز میں کئی نمونے میسر ہیں۔ تخیل کی بلند پرواز سے منظر کشی بھی بڑے کمال انداز سے کرتے ہیں۔ المختصر آپ کا کلام سادہ، شستہ اور دل میں اُترنے والی تمام خصوصیات سے بھرا ہوا ہے۔ شآطر کے گیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو اُن کے ہاں کرسمس، گڈ فرائیڈے، اور توصیف مسیحا، جیسے گیت نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ ان گیتوں میں انہوں نے خوبصورت انداز میں منظر کشی کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تخیل کی بلند پرواز کا احساس بھی ہوتا ہے۔ شآطر بھی اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح پسرِ خُداوندی ہیں یعنی آپ ربِ کائنات کے بیٹے کی حیثیت سے اس دُنیا میں آئے۔ اس حوالے سے ان کے گیت 'فتح مسیحائی' سے یہ شعر دیکھئے

۔

؎ جی اُٹھا ابنِ خدا مژدہ صبا لائی ہے

پھر سے ویرانہ عالم میں بہار آئی ہے[۱۳]

شآطر کا گیت 'فتح مسیحائی' درحقیقت مسیح کے جی اُٹھنے یعنی قیامت المسیح کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ مذکورہ بالا شعر جو اس گیت کا ابتدائیہ شعر ہے، میں آپ نے حضرت مسیح یسوع کے لیے 'ابن خُدا' کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اور اس استعمال سے معلوم پڑتا ہے کہ شآطر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح رب ذوالجلال کے بیٹے ہیں۔ وہ

معترف ہیں کہ ابن خُدا جی اُٹھا ہے یہ پیغام صبح کی ٹھنڈی ہوا کے توسط پھیل گیا۔ اسی پیغام کے توسط اس ویران دنیا میں بہار آئی ہے رنگ چھائے ہیں۔ اور ہر بشر رقص میں محو ہے کیونکہ مسیح زندہ ہوا ہے۔ اپنے گیت ' فتح مسیحائی' میں شاطر نے ایک اور شعر میں بھی دوبارہ حضرت مسیح کے لیے یہ ترکیب استعمال کی ہے کہتے ہیں:

؎ جی اُٹھا ابنِ خُدا بگڑی بنانے کے لیے

اب گہنگاروں، خطاروں کی بن آئی ہے (پیغام حیات: ص ۴۷)

یہاں بھی شاطر ایک بار پھر ابنِ خُدا کی ترکیب استعمال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں وہ جی اُٹھا ہے اور جی اُٹھا تا کہ بگڑی بن جائے اور دُنیا اور بنی نوع انسان، بنی آدم جو گناہگار اور خطاکار تھا اس کے گناہ دُھل سکیں۔ ان کے گیتوں کے مطالعے سے یہ بھی معلوم پڑتا ہے کہ وہ جہان کے گناہ اُٹھاتا ہے۔ جہان کے گناہ اُٹھانے کا مقصد یہی تھا کہ بنی آدم جو گنہگار تھا مخلصی پا جائے۔ یہی سبب شاطر نے بڑے خوبصورت انداز میں شعر میں پرویا ہے۔ شاطر کہتے ہیں کہ چونکہ اس کے جی اُٹھنے کے وسیلہ سے گنہگاروں اور خطاکاروں کی بگڑی بن گئی ہے اس لیے لازمی ہے آج کے روز اُس کا جی اُٹھنا' گھٹا بن کر اس دنیا پر برسا ہے اور چار سُو بہار آئی اور ہر طرف اس درجے تازگی اور روشنی ہے کہ میری آنکھیں ان شفاف نظاروں کی تاب کہاں لا سکتی ہیں۔ شاطر کے ایک اور گیت 'تصویرِ مغفرت' میں بھی ہمیں اِس ترکیب کا استعمال ملتا ہے شاطر لکھتے ہیں کہ:

؎ ابنِ خُدا کو نخلِ چلیپا پہ دیکھ کر

روزِ جزا کے ڈر سے عدو کیوں نہ مر گئے (پیغام حیات: ص ۴۳)

شاطر کا یہ گیت درحقیقت مسیح کے کفارے کی خوبصورت تصویر ہے اس گیت میں وہ اقرار کرتے ہیں کہ میرے گناہ کی خاطر اُس نے اپنی جان قربان کی' اُس نے میرے دام بھرے اور سب بگڑے کاموں کو سنوارا۔ شاطر ' نخلِ چلیپا' کا استعمال کر کے صلیب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اُس صلیب کی طرف جس پر حضرت مسیح یسوع کو لٹکایا گیا وہ سارے جہان کی خاطر قربان ہوئے تا کہ آدم کا خُدا سے رابطہ بحال ہو۔ خدا اور آدم کے مابین جو دیوار کھڑی تھی وہ گر جائے' جو پردہ حائل تھا وہ پھٹ جائے تا کہ آدم واپس براہِ راست خُدا سے بات چیت کر سکے ایسا

نہ ہوتا تو آج بھی اندھیرا چھایا رہا۔ یوں خدا اور انسان میں دُوری قائم رہتی مگر اُس نے خون کا نذرانہ پیش کر کے آدم کو رب سے قریب کیا۔ ایسا تب ممکن ہوا جب ابنِ خُدا یا پسرِ خداوندی قربان ہو گیا اور اگر وہ قربان نہ ہوتا تو ہر گز ممکن نہ تھا کہ آدم کا خُدا سے ملاپ ہوتا۔ آدم خُدا سے براہِ راست بات نہ کر پاتا بلکہ کوئی وسیلہ ڈھونڈتا کہ خُدا تک پیغام بھیج سکے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ابنِ خُدا نے راستے میں حائل اس بڑی دیوار کو اپنے خون کے وسیلہ سے گرایا اور اس رشتے کو دوام عطا کیا جو خُدا اور آدم کا روزِ اول سے قائم تھا۔ شآطر کے ایک اور گیت 'محوِ حیرت' کا مطالعہ کریں تو اس گیت میں بھی شآطر کہتے ہیں کہ:

؎ رو دیا ابنِ خُدا پہلے ضلالت دیکھ کر

پھر اسے رحم آ گیا انسان کی حالت دیکھ کر (پیغام حیات: ص ۷۲)

مذکورہ بالا شعر ان کے گیت 'محوِ حیرت' کا پہلا شعر ہے جس میں وہ گتسمنی باغ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جہاں حضرت مسیح کے پکڑوائے جانے سے قبل خُدا سے دُعا کی کہ اگر ممکن ہو تو موت کا یہ پیالہ ٹل جائے اس کے لیے حضرت مسیح یسوع کی نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی مرضی اور خوشنودی درجہ اول رکھتی تھی۔ اور تاریخ کے مطالعے سے یہ بھی معلوم پڑتا ہے کہ اس وقت جب وہ رو رہا تھا تو اس کی آنکھیں خون کی بوندیں ٹپکاتیں تھیں۔ یہاں شآطر یہی تذکرہ کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ رویا کیونکہ وہ آنے والی سخت پریشانیوں اور تکلیفوں سے واقف تھا مگر پھر بھی چونکہ اس کے دل میں بنی نوع انسان کے لیے محبت اور رحم تھا۔ تبھی نہ صرف اس جہاں کے لیے اور بنی آدم کے لیے صلیبی موت کی ذلت برداشت کی اور اس نے دغا نہ کی بلکہ وہ محبت و وفا میں کامل ٹھہرا اور اس نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا کہ جہان والوں کی مخلصی ہو اور اس کا فدیہ جان بنی آدم کی خلاصی کا سبب بنا۔ اِسی گیت سے آخری شعر ملاحظہ ہو:

؎ معجزہ یہ دیکھ شآطر' جی اُٹھا ابنِ خُدا

محوِ حیرت ہیں مخالف مُہر تربت دیکھ کر (پیغام حیات: ص ۷۲)

گیت 'محوِ حیرت' کے اختیام میں بھی شاؔطر نے حضرت مسیح کے لیے 'ابنِ خُدا' کی ترکیب کا استعمال کیا ہے ۔ وہ اقرار کرتے ہیں کہ ابنِ خُدا یعنی مسیح یسوع آج کے روز جی اُٹھے ہیں۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جب وہ زندہ ہوا تو قبر کا پتھر جو مہر تھا لڑھک گیا اور قبر خالی تھی۔ شاؔطر جی اُٹھنے اور قبر مہر کیے ہوئے پتھر کے لڑھکنے والے لمحات کو بڑی خوبصورتی سے مضمون کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جب مخالفوں نے یعنی اُس کو صلیب دینے والوں نے اُس کی قبر کا پتھر لڑھکا ہوا دیکھا تو حیران ہوئے کہ آخر یہ بڑا معجزہ کیسے ہو گیا کیونکہ یہ پتھر ایسا ہلکا بھی نہ تھا بلکہ یہ مُہر پتھر جسے اُٹھانا ایک دو یا تین آدمیوں کے بس کی بات نہ تھی آخر کیسے لڑھک گیا؟

طالؔب شاہ آبادی :

آپ کا اصل نام سموئیل وکٹر بھجن اور طالؔب تخلص تھا۔ آپ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو اپنے ہی وطن شاہ آباد (موجودہ آہِ بہار) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے بچپن اور جوانی کے ایام پنجاب (پاکستان) میں گزرے۔ آپ اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے ایک جیّد عالم تھے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی میں فارسی زبان و ادب میں ایم-اے پاس کیا اور پھر منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد آپ نے امریکہ کی ہارٹفرڈ یونیورسٹی سے اسلامیات میں بھی ایم-اے کیا اور پھر فارسی تعلیم میں مزید حصولِ علم کی غرض سے ایران کا رخ کیا اور تہران یونیورسٹی سے پی-ایچ-ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اسلامیات میں وسیع مطالعہ کرتے رہے۔ ۱۹۷۱ء میں حیدرآباد میں ہینری مارٹن انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے ڈائیریکٹر مقرر ہوئے۔ اسی انسٹیٹیوٹ کے زیرِ طبع سہ ماہی مجلّہ ہماؔ کے مدیرِ اعلی بھی رہے۔ بعد ازاں ہماؔ انہی کے زیرِ سایہ چھپتا بھی رہا۔

شاعری کے حوالے سے بحث کی جائے تو طالب شاہ آبادی کو زمانہ طالب علمی سے ہی شعر گوئی کا شوق تھا۔ آپ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے۔ فارسی زبان میں حیدرآباد دکن کے فرخ شیرازی سے تلمذ رہا اور اردو زبان میں علامہ منشی بشیر پرؔشاد لکھنوی مرحوم آپ کے استاد تھے۔ طالؔب شاہ آبادی کی زبان سادہ مگر چاشنی سے بھرپور تھی۔ آپ کی شاعری میں مذہب اہم ترین موضوع رہا۔ اوصافِ مسیحا کے بیان میں آپ کا تخیل بلندیوں کو چھوتا ہے۔ جزئیات نگاری کے اعلی نمونے آپ کے ہاں عام ملتے ہیں۔ شستہ الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں۔ نظم کے ساتھ ساتھ نثر بھی خوب کہتے ہیں ۔ نثر میں زیادہ تر رجحان افسانے و مقالات کی طرف ہے۔ بھولے کبوتر ہوشیار

سانپ، اُجالوں کے بادل، سر چشمہِ قرآن پر ریویو، آپ کی چند مشہور نثری کتابیں ہیں۔ جبکہ 'فغانِ سنگ' آپ کا شعری مجموعہ ہائے کلام ہے۔ اور اسی مجموعہِ کلام کو ۱۹۸۱ء میں مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے انعام بھی نوازا تھا۔

انجیلی عقائد کے حوالے سے جب طالب شاہ آبادی کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اِس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ طالؔب نے مسیحی عقائد کو مذہبی گیتوں میں بڑی خوبصورتی سے سجایا ہے۔ پسرِ خداوندی کا نکتہ ان کے کلام میں زیادہ نمایاں ہے اس حوالے سے طالب کے گیت 'ماورائے عدم' سے یہ شعر دیکھیئے:

؎ ابنِ اللہ نے تربت کا فسوں توڑ دیا

وہ شناسا بھی ہے، رہبر بھی ہے، جانباز بھی ہے[۱۴]

'ماورائے عدم' سے اخذ شدہ اِس شعر کے پہلے مصرے میں طالؔب بڑے صاف انداز میں حضرت یسوع مسیح کے لیے ' ابنِ اللہ' کی ترکیب استعمال کی ہے۔ جو اِس بات کی گواہی ہے کہ طالؔب کا ایمان کامل ہے کہ حضرت مسیح 'ابنِ اللہ' یعنی اللہ کے بیٹے ہیں۔ طالؔب کہتے ہیں کہ بے شک حضرت مسیح نے قبر پر فتح پائی ہے اور موت کا جادو جو چاروں طرف اپنی جیت کے نعرے بلند کر رہا ہے' ابنِ اللہ کے جی اُٹھنے سے تہس نہس ہوا اور ٹوٹ کر بکھر گیا اور اس بھی کچھ شک نہیں کہ ایسا بکھرنا اور ٹوٹنا ہی اُس کا مقدر اور نصیباں تھا۔ کیونکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ 'ابنِ اللہ' ہی رہبر ہے اور ہر پل' ہر لمحہ اور ہر گھڑی سے آگاہ بھی ہے۔ طالؔب کہتے ہیں کہ قبر ہی انسان کی آخری منزل تصور کی جاتی رہی ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ قبر انسان کی آخری منزل نہیں ہے بلکہ ایک اور جہان بھی ہے جو حدِّ عدم سے آگے کی منزل ہے اور طالؔب اِس حقیقت کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ حدِّ عدم سے آگے کی منزل میں سب سے پہلے جانے والی ہستی حضرت یسوع مسیح' ابنِ اللہ کی ہے جس کو سجدہ کرنے کی غرض سے لاکھوں قبیلے وہاں آن موجود ہوں گے۔ کیوں کہ حدِّ عدم سے آگے کی اِس منزل کو جانے والی ابنِ اللہ کی یہ ہستی موت پر ظفر پا کر وہاں تک پہنچی ہے اور اس میں بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس کے لیے موت پر ظفر پانا کوئی مشکل امر نہ تھا اِس لیے کہ وہ ابنِ اللہ ہے جو ہر امر پر قدرت رکھتا ہے۔ اِسی حوالے سے طالؔب شاہ آبادی کے ایک اور گیت 'صلیبی شہادت' سے یہ شعر دیکھئے:

؎ گو حقیقت میں تم خدا کے پسر، عاصیوں پر ہے ہر دم تمھاری نظر

اُن کے تم ہو ہمیشہ شریک سفر، جو تمھاری قیادت کے محتاج ہیں (پیغام حیات: ص ۹۴)

'صلیبی شہادت' کے اِس شعر میں بھی طالب بڑی بہادری سے حضرت یسوع مسیح کو 'خدا کے پسر' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ فی الحقیقت حضرت مسیح جو خدا کے پسر ہیں وہی عاصیوں کے لیے پیغامِ حیات لے کر آئے اور اِس میں کچھ شک نہیں کہ تیرے چاہنے والوں کو کبھی کسی شے کی کمی نہیں ہوتی کیونکہ جو تیری خواہش کرتے ہیں تُو ضرور اُن کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ تیرے سنگ تیری قیادت میں کاروان کو چاہتے ہیں تو اُن راہ گیروں کا شریکِ سفر بنتا ہے بلکہ یہ سلسلہ شریکِ سفر تک ہی نہیں رہتا بلکہ تُو جو پسرِ خداوندی ہے اُن کا قیادت کرنے والا بن جاتا ہے۔ ایسا اِسی لیے ممکن ہے کہ تو ہی قیادت اور رہبری کا حق رکھتا ہے اِس جہان پر نگاہ کریں تو تُو ہی ہر شے کی قیادت اور ہر نظام کی رہبری کرتا نظر آتا ہے سب اِس لیے ہے کہ تُو ہی پسرِ خداوندی ہے۔ تیرے سوا اور کون ہے جس کے نصیب میں رہبری اور قیادت ہو۔ رہبری اور قیادت کا اصل حق دار صرف خُدائے قدوس کی ذات ہے اُس کے علاوہ انبیائے کرام کو بھی یہ ودیعت حاصل ہے کہ وہ رہبری اور قیادت کی خدمات سر انجام دیتے ہیں مگر صحیح معنوں میں قیادت اور رہبری ربِ ذوالجلال کے اختیار میں ہے اور ان کے علاوہ پسرِ خُداوندی کو یہ حق حاصل ہے۔ پسرِ خداوندی کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے اِسی گیت سے ایک اور شعر دیکھئے:

؎ دار پر دشمنوں نے چڑھایا تجھے' تیرے لب اُن کے حق میں یوں گویا ہوئے

باپ! نادان ہیں یہ' انھیں بخش دے' یہ بھی تیری عنایت کے محتاج ہیں (پیغام حیات: ص ۹۴)

طالب شاہ آبادی اپنے گیت 'صلیبی شہادت' میں دراصل حضرت یسوع المسیح کی تصلیب کا جزئیاتی طور پر بڑی خوبصورتی سے اظہار کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا شعر میں وہ حضرت یسوع المسیح کے قریباً آخری لمحات کا تذکرہ کر رہے جب حضرت المسیح صلیب پر زخموں سے تار تار تھے اور وہ وقت زیادہ قریب آ رہا تھا جب اُن کا دَم نکلنا تھا ایسے میں انہوں اپنے باپ کو پکارا اور یہ الفاظ کہے کہ:

"اے باپ انہیں معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں اور انہوں نے اس کے کپڑوں کے حصے کیے اور ان پر قرعہ ڈالا۔"(۱۵)

مذکورہ بالا آیت کو طالبؔ شاہ نے اپنے گیت کے مذکورہ شعر میں بخوبی نبھاتا ہے۔ یہاں طالبؔ صاف طور بیان کرتے ہیں کہ حضرت یسوع المسیح جو خدائے قدوس کے بیٹے ہیں اپنے باپ کو پکارتے ہیں اور اپنے ستائے جانے والوں کی بخشش چاہ رہے ہیں اِس سے قبل کہ اُن کا دم نکلتا وہ اپنے ساتھ ظلم و ستم اور زیادتی کرنے والوں کو معاف فرماتے ہوئے اِس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ ایسا اِسی لیے ہوا کہ حضرت مسیح جانتے تھے کہ یہ لوگ اِس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ حضرت المسیح پسرِ خداوندی ہیں۔ وہ ایک خاص مقصد سے اِس روئے زمین پر آئے اور یہی وہ مقصد تھا کہ وہ جہان کا گناہ اُٹھاتے اور لعنتی موت قبول کرتے اور ستائے اور قربان کیے جاتے اِسی سبب سے انہوں نے اپنے ستانے والوں کے لیے خیر خواہی چاہی اور انہیں معاف کیا تاکہ اُن پر سزا کا حکم نہ ہو بلکہ وہ فضل میں چھپ جائیں کیونکہ پسرِ خداوند کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی ناحق کو سزا دے بلکہ وہ امن کا پیغامبر صلح کا شہزادہ ہے جو بخشش اور معافی کا علمبردار ہے۔

نحیفؔ دہلوی:

آپ کا اصل نام جولیس یونس اللہ بخش تھا جبکہ نحیفؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ ۷ ستمبر ۱۹۲۷ء کو ضلع میرٹھ کے موضع جھکولی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دہلی سے ہی حاصل کی اور وہیں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ تحصیل علم سے سبکدوش ہونے کے بعد دہلی میں ہی ملازمت کی اور تاحیات دہلی میں ہی مقیم پذیر رہے۔ شاعری کی طرف رجحان ۱۹۴۶ء میں ہوا۔ شعر کہنے کی غرض سے حضرت موجؔ زیبائی سے زانوئے تلمذ ہوا۔ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ موسیقی کا بھی شغف رہا یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام بڑا رواں اور موسقیت سے بھرپور ہے۔ نحیفؔ کا کلام سادہ، شستہ اور نہایت سلیس ہے۔ نحیفؔ زیادہ تر رعایتِ لفظی سے کام لیتے تھے۔ مضامین میں تخیل کی پرکاریاں اپنی مثال آپ تھیں۔

حضرت نحیفؔ دہلوی کے گیتوں کو اگر مسیحی عقائد کے تناظر میں دیکھیں تو مطالعے کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ پسرِ خداوندی کا مسیحی عقیدہ نحیفؔ کی شاعری میں جابجا ملتا ہے۔ نحیفؔ کے گیت 'ابنِ اللہ ابنِ انساں' سے یہ شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں کہ:

؎ کس طرح دنیا کو سمجھائے کوئی

ابنِ اللہ، ابنِ انساں جی اُٹھا[۱۶]

نجیؔف اِس شعر کے دوسرے مصرعے میں واضح طور پر حضرت مسیح یسوع کے لیے 'ابنِ اللہ' کی ترکیب استعمال کرتے ہیں۔ دراصل نجیؔف کا یہ گیت حضرت یسوع مسیح کے جی اُٹھنے کے مضمون کا بڑی خوبصورتی سے عکس دکھاتا ہے۔ نجیؔف بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح جو ابنِ اللہ ہیں در حقیقت وہ سلطانوں کے سلطان ہیں جو سولی پر قربان ہوئے اور پھر تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھے۔ مذکورہ بالا شعر میں وہ اِسی نکتہ کی طرف خاص اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے شک یہ سچ ہے کہ ابنِ اللہ موت پر ظفر پا کر جی اُٹھا ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جسے کوئی انسانی ذہن اتنی آسانی سے یقین تو کیا قبول بھی نہیں کر سکتا۔ مگر راہ حق کے شیدائی اِس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ربِ ذوالجلال جو معجزات کا خُدا ہے اُس کے لیے کچھ بھی کر گزرنا مشکل نہیں۔ وہ ہر عمل، ہر فعل اور ہر امر پر قدرت رکھتا ہے۔ نجیؔف اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے بیٹے کے جی اُٹھنے کے سبب ہی زندگی کو بھی زندگی عطا ہوئی اور اُس کے جی اُٹھنے سے اب دل کے سبھی ارمان پھر سے جی اُٹھے ہیں۔ نجیؔف کہتے ہیں کہ اگر ابنِ اللہ قربان نہ ہوتے اور نہ جی اُٹھتے تو ہر طرف اندھیرا ہی چھایا رہتا مگر یہ خُدائے مہربان کی مہربانی ہے کہ اس نے ہر طرف نور کے راج کے لیے اپنے بیٹے کو منتخب کیا کہ وہ قربان ہو اور درد و کرب سے گزرے اور تکلیفوں اور صعوبتوں کو برداشت کرے اور ستایا جائے اور ظلم سہے اور موت کا مزہ چکھے اور پھر لازم ہے کہ وہ موت کو شکست دے اور تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھے۔ اور ہر طرف اُسی کے نور کی کرنیں بکھریں۔ اِسی عقیدے کے حوالے سے نجیؔف کے ایک اور خوبصورت گیت 'ایمانِ صلیب' سے بھی یہ مثال ملاحظہ ہو:

؎ نورِ یزداں سے منور خانہ دل ہو گیا

کیوں نہ ہر ایمان سے بڑھ کر ہو ایمانِ صلیب[۱۷]

مذکورہ بالا شعر کے پہلے مصرعے میں نجیؔف نے حضرت یسوع مسیح کے لیے 'نورِ یزداں' کی ترکیب کا خوبصورت استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں یزداں کا نور یعنی ربِ کائنات خدائے قدوس کا نور یعنی خدا کا بیٹا۔ نجیؔف

کی اِس خوبصورت ترکیب کے استعمال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح یسوع کو نورِ یزداں یعنی یزداں کا نور تصور کرتے ہیں اور یہی عقیدہ انہیں کمال دانستی سے مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اپنی شاعری میں آپ کے لیے ایسی ترکیب کا بڑی شان سے استعمال کریں۔ اپنے گیت ' ایمانِ صلیب 'میں نحیف حضرت مسیحا کی شان بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع کے احسانِ صلیب کی عطائے خاص نے ہم گناہگاروں کو اس قابل بنایا کہ ہم اُس کے ثناخواں ہو گئے۔ ہمارے ہونٹ جو مدتوں سے سلے ہوئے تھے ' آپ کے احسانِ صلیب نے ان میں لرزش پیدا کی اور لرزش بھی ایسی کہ لب کیسے شاندار انداز سے حضرت مسیح یسوع کے ثناخوان بن بیٹھے۔ اور یوں چار سُو چھائے ہوئے اندھیرے کے بادل بالآخر چھٹ گئے۔ کیونکہ صلیب پر قربان ہونے والی ذات خود نور الٰہی ہے۔ اُس کی دار نے ہمارے ایمانِ صلیب کو ایسی مضبوطی عطا کی ہے کہ اس ایمان نے ہمارے تاریک دِلوں میں ہر سُو نور ہی نور بکھیر دیا ہے اور اسی نور کا احسان ہے کہ ہم جو مر تکب گناہ تھے آزاد ہوئے۔ اپنے اِس گیت میں نحیف نے صلیب پر ایمان لانے کے بعد نہ صرف اپنے جذبات اور وارداتِ عشق کی بڑی خوبصورتی سے منظر کشی کی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نحیف اِس گیت میں صلیب پر ایمان لانے والے سب سے پہلے شخص کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جو در حقیقت ایک ڈاکو تھا مگر جب وہ صلیب پر ایمان لایا تو سب سے پہلے اس نورِ یزداں کے نور کی رحمتوں کی بارش اُسی شخص پر برسی اور ایسی برسی جو اُسے فردوس کے راستے پر گامزن کر گئی۔

معجزاتی صفات:

روئے زمیں اس امر کے معترف ہیں کہ یسوع مسیح بیش بہا معجزاتی صفات سے معمور ہستی ہیں۔ ان کے چُھو لینے سے اندھے دیکھتے، لنگڑے چلتے، گونگے بولتے، کوڑھی شفا پاتے، بہرے بلکہ جنم کے بہرے سننے لگتے، مردہ زندہ ہوتے اور اور۔۔ اور بھی جانے کتنے معجزے۔۔ اور وہ بھی محض ان کے کہہ دینے سے۔۔۔ فقط اک بیان سے ۔۔ کلام سے۔ گویا جہان میں ان کا چرچا ہے کہ ان کے فقط کہنے سے ہی معجزے وجود میں آتے ہیں۔ اسی حوالے سے انجیل مقدس سے یہ آیات دیکھئے:

"جب شام ہوئی تو اس کے پاس بہت سے لوگوں کو لائے جن میں بدروحیں تھیں۔

اس نے روحوں کو زبان ہی سے کہہ کر نکال دیا اور سب بیماروں کو اچھا کر دیا۔"(۱۸)

ذیل میں یسوع مسیح کی معجزاتی صفات کے حوالے سے مسیحی شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

برٹی ٹرنی کامؔل:

اصل نام برٹی ٹرنی جبکہ کامؔل تخلص کرتے تھے۔کامل ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم۔اے تک تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے کرسچن ہائی سکول بدایوں کے پرنسپل کی خدمات بھی سرانجام دیں۔ شاعری میں رونؔق بدایوانی کے شاگرد ہوئے۔ آپ کا کلام صاف اور سادہ ہوتا۔ آپ نہایت عام فہم اشعار لکھتے۔اگرچہ آپ نے کم شاعری کی اور زیادہ تر وقت مصروفیات زندگی میں صرف ہوا مگر پھر بھی بیشتر رسالوں میں آپ کے فن پارے شائع ہوتے رہے۔کامؔل کے گیتوں کے مطالعے سے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں معجزاتی صفات کا مضمون زیادہ نمایاں ہے مثلاً ان کے گیت 'توصیف مسیحا' سے یہ مصرع دیکھئے:

؎وہ جس نے اپنی رحمت سے مریضوں کو شفا بخشی(۱۹)

اسی طرح اسی گیت سے ایک اور مصرع دیکھئے:

؎اور جس نے حکم سے اپنے چلائے سینکڑوں لنگرے(پیغام حیات:ص۲۵۲)

ان مصرعوں کی روشنی میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کامؔل اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ حضرت المسیح ان معجزاتی خوبیوں سے معمور ہستی ہیں یعنی ان کے پاس شفائے کامل کی امتیازی خصوصیات ہیں جو ان کو دیگر بہت سے انبیا سے جدا کرتی ہیں ان پر رحمت خداوندی رہی کہ وہ مریضوں کو شفا دیتے اور ان کو اچھا کرتے ہیں۔ چاہے یہ مریض جنم کے ہی کیوں نہ ہوتے' چاہے کسی گناہ کے مرتکب ہوتے الغرض یہ مریض کسی بھی حالت میں کیوں نہ ہوتے' حضرت مسیح یسوع کے لیے مشکل نہ ہوتا کہ مریضوں کو اچھا کرتے۔ معجزاتِ مسیح میں ایسا اور معجزہ لنگڑوں کو چلانا ہے۔ یہ بڑا مشکل لگتا ہے کہ کوئی شخص بچپن سے کبھی چل نہ سکا ہو اور پھر ایک دن اچانک کسی کے صرف کہہ دینے سے چلنے لگے۔ یسوع مسیح کے پاس لوگ لنگڑوں کو لاتے اور آپ انہیں شفائے کاملہ عطا کرتے یوں وہ چلنے لگتے بلکہ دوڑنے لگتے اور جھوم جھوم کر چلّا چلّا کر شکر خداوندی عطا کرتے کہ وہ جو کبھی ایک قدم نہ چل پائے'

آج چلنے پھرنے کے لائق ہوئے ہیں ۔الغرض کآمل اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت المسیح کی ذات معجزاتی صفات سے بھرپور شخصیت ہے اور انہوں نے بے شمار بیماروں کو اچھا کیا۔

جان انجلؔو:

اصل نام جان جبکہ انجلؔو تخلص کرتے تھے۔ آپ ۱۹۵۵ء کو شاہ جہان پور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے سے حاصل کرنے کے بعد روہلکھنڈ کے دفتر میں کلرک کی خدمات انجام دینے لگے۔زمانۂ طالب علمی سے ہی بڑے جوش و خروش سے حقیقی اشعار کی طرف زیادہ رجحان رہا ہے۔جوانی میں وصال کر گئے ۔آپ کے کلام میں جابجا متروکات کا استعمال بھی ملتا ہے۔کلام کے اعتبار سے بات کی جائے تو انجلؔو کے کلام میں جابجا حضرت یسوع المسیح کی معجزاتی صفات کے حوالے ملتے ہیں۔مثال کے طور پر ان کے گیت 'عیسیٰ کا نام' سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎مُردے جلا دیے لبِ جاں بخش سے تو پھر

مدحت طراز کیوں صفِ کروبیاں نہ ہو [۲۰]

حضرت مسیح کی ذات پاک ان امتیازی اوصاف سے معمور تھی کہ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھتے تو بیمار اچھے ہو جاتے تھے۔اندھے دیکھنے لگتے۔گونگے سننے لگتے یہاں تک کہ مُردے بھی جی اٹھے۔حضرت یسوع مسیح کے یہ اوصاف کسی خاص بشر پر ہی عیاں نہ تھے بلکہ ساری دنیا اس حقیقت سے آشنا ہے کہ حضرت مسیح بے شمار معجزاتی اوصاف رکھتے ہیں۔لوگ جنم کے اندھے کو لاتے اور وہ آپ کے حکم سے دیکھنے لگتا۔روگیوں کو لاتے تو روگی شفا پا جاتے۔یہی نہیں بلکہ وہ مُردوں کو بھی زندہ کرتے۔انہی معجزاتی اوصاف کا ذکر انجلؔو اپنے کلام میں کرتے نظر آتے ہیں کہ آپ کی ذات ایسی ذات ہے جس کے کہہ دینے سے مردہ جسموں میں بھی زندگی بھر آتی ہے۔یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کی موت ہو جائے اور اس کو مردہ قرار دیا جائے یا اس مردہ کی تدفین قریب ہو اور مردہ ایک حکم سے اٹھے۔یہ بھی ناممکن ہے مردہ کو قبر میں دفن ہوئے تین روز گزر جائیں اور وہ مردہ ایک حکم سے قبر سے باہر نکل آئے مگر یہ سب کہانی یا قصہ نہیں بلکہ حضرت مسیح یسوع کی زندگی کے سچے واقعات ہیں۔ آپ کے کہہ دینے میں ایسی طاقت ہے کہ وہ مردے جیتی جان ہوتے۔اسی حوالے سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

ممکن نہیں گناہ کے مرض سے کوئی بچے

دارالشفا مسیح کا اگر آستاں نہ ہو (اردو کے مسیحی شعرا: ص ۴۸)

حضرت یسوع مسیح کو گناہوں پر اختیار تھا اگر کوئی شخص کسی گناہ میں مبتلا ہوتا اور اس گناہ کے نتیجے میں اس کو کوئی روگ لگا ہوتا تو حضرت یسوع المسیح اس گناہ اور اس روگ سے بھی شفا دینے کی قدرت رکھتے تھے کیونکہ ایسا کرنا حضرت یسوع المسیح کے لیے ناممکن نہیں ۔بلکہ ضرور ہے کہ اس ذات کے وسیلہ گناہ گار کے گناہ دھل جائیں اور وہ اپنے گناہوں کی سزا میں مذید جکڑا نہ رہے۔وہ جھوم جھوم کر اقرار کرے کہ میرے خداوند نے مجھے میرے گناہوں سے شفاعطا کر دی ہے۔ مسیح یسوع کی ذات کو انجلو ؔ نے دارالشفا کہہ کر پکارا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انجلوؔ اس حقیقت سے واقف ہے کہ بلاشبہ آپ کی ذات ہر قسم کے گناہ سے پاک ہے اور اس کا اعتراف مذکورہ بالا شعر میں بھی ملتا ہے اور یہی حقیقت بھی ہے۔

تصلیب:

تصلیب مسیحی عقیدے کا لازمی اور بنیادی جزو ہے اس کے بغیر مسیحی عقیدہ ادھورہ اور نامکمل ہے۔ اس عقیدے کے مطابق حضرت مسیح اس دنیا میں ایک کنواری سے پیدا ہو کر آئے۔ آپ کی پیدایش سے بہت سی پیشن گوئیاں پوری ہوئیں۔ آپ نے بہت سے معجزے کیے اور پھر وقت مقرر پر صلیبی موت کو قبول کیا۔ صلیبی موت کے ہر مرحلے سے گزرے۔ کوڑوں سے چھلنی ہوئے۔ بدن تار تار ہوا۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں بھاری دار کاندھے پر رکھے ہوئے کوہ کلوری پر گرتے سنبھلتے چڑھتے رہے۔ آپ کو بے لباس کر کے کرتے پر قرعہ ڈالا گیا۔ سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا یہاں تک کہ پسلی میں نیزہ مارا گیا۔ اور پھر موت اور قریب آنے لگی لیکن شاہ دو عالم کی موت کا یہ المناک منظر یہ زمیں یہ کائنات کہاں دیکھ پاتی۔ سورج کی روشنی جانے کہاں منہ چھپا بیٹھی' ہر طرف اندھیرا چھا گیا' یکایک ایک بھونچال آیا اور ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے کی طرف پھٹ گیا۔ بائبل مقدس میں حضرت یسوع مسیح کی تصلیب کا ذکر ملاحظہ ہو:

> ''جب وہ اس جگہ پر پہنچے جسے کھوپڑی کہتے ہیں تو وہاں اسے مصلوب کیا اور بدکاروں کو بھی ایک کو دہنی اور دوسرے کو بائیں طرف۔ اور انہوں نے اس کے کپڑوں کے حصے کیے اور ان پر قرعہ ڈالا'' (۲۱)

ذیل میں مسیح یسوع کی تصلیب کے حوالے سے مسیحی شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

پی۔ڈی۔رفائؔل:

پی۔ڈی۔رفائؔل کا اصل نام پیرا ں دتہ جبکہ رفائؔل تخلص کرتے تھے۔آپ ۱۹۰۲ء کو سیالکوٹ کے قریب واقع ایک گاؤں 'روڑس' میں پیدا ہوئے۔یہ گاؤں سیالکوٹ سے آٹھ میل دور مغرب کی جانب نہر 'اپر چناب' کے قریب واقع ہے۔پی۔ڈی۔رفائؔل کے والد برطانوی فوج میں ملازم تھے۔آپ نے ابتدائی تعلیم ایم۔ایس۔مشن ہائی سکول کوئٹہ سے حاصل کی ۔والد کے تبادلوں کے سبب کئی چھاؤنیوں میں زندگی بسر کی ۔مڈل کا امتحان لاہور سے پاس کیا تو اگلا پڑاؤ میرٹھ میں ہوا۔میرٹھ میں میتھو ڈسٹ مشن سے وابستہ ایک خاتون مس لاؤس سے ملاقات ہوئی ۔ان سے حوصلہ افزائی پاکر آپ نے مبشروں کے تربیتی اسکول میں داخلہ لیا۔اور تین سال کے بعد آپ کو میرٹھ کے ایک پرائمری سکول کی ذمہ داری سونپ دی گئی اور ساتھ ہی مبشر انجیل کے طور پر بھی تقرری کی گئی۔والد کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنے آبائی وطن 'روڑس' واپس آگئے۔۱۹۴۷ء میں 'کاتھولک مذہبی گیتوں کی کتاب' کے عنوان سے آپ کی پہلی کتاب چھپی۔ یہ کتاب ۴۸ گیتوں پر مبنی تھی ۔'حمد اللہ' کے عنوان سے آپ کی ایک اور کتاب شائع ہوئی۔نثر میں ڈرامہ نگاری کی طرف رجحان رہا۔قتلِ یوؔحنا'ستارہ ایسی اور باپ کا پیار آپ کے شاہکار ڈرامے ہیں۔فیبولا کے نام سے آپ نے ناول بھی لکھا۔ان کی مذہبی اور ادبی خدمات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے طلائی تمغے سے بھی نوازا گیا۔آپ ۱۳ مئی ۱۹۷۷ء کو خالق حقیقی سے جاملے۔۱۹۹۰ء میں کیتھولک چرچ گھرانہ پاکستان نے ان کی عبادتی اور مذہبی گیتوں کو مرتب کرکے بعنوان 'مومن کے گیت' شائع کیا ۔اس انتخاب میں آپ نے اردو اور پنجابی گیت ملتے ہیں۔

رفائؔل کے گیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مسیح یسوع کے دکھوں کا بڑے کمال انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ان کے گیتوں میں مسیح یسوع کے کرب والم کی بڑی خوبصورتی سے عکاسی ملتی ہے۔ان کے دکھوں کے گیت میں سے چند اشعار مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں:

سر پاک پہ کانٹوں کا تاج دھرا
مہاراج صلیب اٹھا کر چلے
بیری آپہنچے، لیا پکڑ اُسے
کیا پیش کچہری میں جاکے اسے
ملا حکم صلیب چڑھادو اسے

یسوع بوجھ گناہ کا اٹھا کر چلے (۲۲)

رفائل کا یہ گیت حضرت مسیح یسوع کی تصلیب کی عمدہ عکاسی کرتا ہے۔ اس گیت کو پڑھ کر گواہی ملتی ہے کہ رفائل مسیحی عقیدۂ تصلیب کے معترف ہیں۔ وہ مانتے ہیں بلکہ اقرار کرتے ہیں کہ یسوع مسیح جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے ' کو صلیب دی گئی اور یہ سفر عملی طور پر تب شروع ہوا جب انہیں پکڑنے کے لیے رومی فوجی آئے۔ انہیں پکڑ کر عدالت میں پیش کیا گیا۔ پھر ایک عدالت سے دوسری عدالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور کرتے کرتے بالاخر لوگوں کے احتجاج پر برابا کی رہائی کے بدلے اس کو صلیب دینے کا حکم صادر ہوا۔ اور پھر اس نے بھاری صلیب اٹھا کر ہمارے قرمزی گناہوں کو دھونے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ اس نے ہماری محبت میں اپنے بدن پر مشقتیں اٹھائیں اور لہولہان ہو کر ہمارے لیے فدا ہوا۔ یہ اس کی محبت تھی جو اس نے اس جہان کے ساتھ رکھی اور یہ بھی رفائل کی قلبی عقیدت ہے کہ وہ حضرت مسیح یسوع سے اظہار وفا کر کے ان تمام مناظر کو بڑی خوبصورتی سے باندھتے نظر آتے ہیں۔

ان اشعار میں بھی رفائل نے بڑے خوبصورت انداز میں تصلیب کی منظر کشی کی ہے:

؎ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا محبت کا ثبوت
زندگی اوروں کو دے کر آپ مر جانے لگے
؎ کر گئی پرواز قفسِ عنصری سے جان جب
دہر پر چھائی تاریکی زلزلے آنے لگے

(پی۔ڈی۔رفائل، مومن کے گیت، کیپوچن گھرانہ پاکستان، ۱۹۹۰، ص۹۶)

رفائل کے ان اشعار سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ تصلیب کے ہر مرحلے کی کس کمال انداز سے منظر نگاری کرتے ہیں۔ یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ جب حضرت مسیح یسوع کو صلیب دی گئی تو اس نے بنی نوع کی محبت میں صلیبی موت کو قبول کیا اور اس سے بڑھ کر وہ اور کیا ثبوتِ محبت پیش کرتا کہ اس نے اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کر دیا۔ تاکہ اس کی موت سے اوروں کی زندگیاں بچ جائیں اور یہ جہان نجات پائے۔ تبھی تو اس نے جہان کے گناہوں کا بوجھ اٹھالیا اور جہان کو زندگی عطا فرمائی۔ اور یہ بھی مسیح کی مصلوبیت کا جزو ہے کہ جب انہیں صلیب دی گئی تو اس وقت دوپہر کا وقت تھا مگر سورج نے اپنا منہ چھپالیا اور چند گھنٹے اندھیرا چھایا رہا۔ اور ان کی روح پرواز ہوتے ہی ہیکل کا پردہ پھٹ گیا اور زمیں لرز گئی اور چٹانیں تڑک گئیں۔ اس کا حوالہ بائبل مقدس میں اس طرح ملتا ہے:

"اور دوپہر سے تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر کہا ایلی۔ ایلی۔ لما شبقتنی؟ معنی اے میرے خدا! اے میرے

خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ وہاں جو کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے۔ اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور سپنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چسایا۔ مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں کہ ایلیاہ اسے بچانے آتا ہے یا نہیں۔ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلّا کر جان دے دی۔ اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمیں لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں۔" (۲۳)

رفائلؔ نے زیادہ تر بائبل مقدس کے حوالہ جات کو شعری سانچوں میں ڈھالا ہے۔ مذکورہ بالا انتخاب بائبل کے حوالہ جات سے ہی اخذ کیے گئے ہیں۔ لیکن رفائلؔ کا کمال فن یہ ہے کہ وہ جزئیات نگاری کے ساتھ ساتھ منظر نگاری کی عمدہ مثالیں پیش کرتے ہیں۔

عاشقؔ مراد آبادی:

عاشقؔ مراد آبادی کا اصل نام جی۔ وی۔ بٹلر جبکہ عاشقؔ تخلص کرتے تھے۔ وہ ۲۱ مارچ ۱۹۲۱ء کو مراد آباد کے متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مختلف فنون اور دستکاریوں میں مہارت حاصل کرنے کی اسناد بھی حاصل کیں۔ ان کی صحت اکثر ناساز رہا کرتی تھی۔ ان کو کم عمری میں ہی دمے کا مرض لاحق ہوا۔ اسی مرض کے نتیجے میں وہ ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء کو وصال کر گئے۔ ان کے کلام میں کمال پایہ منظر نگاری کی ملتی ہے۔ گیتوں کے حوالے سے بات کی جائے تو ان کے گیتوں میں ہمیں تصلیب کا مضمون زیادہ ملتا ہے۔ یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح یسوع کو صلیب دی گئی۔ وہ تن تنہا جسم پر بھاری بوجھ اٹھا کر کوہ کلور تک چلتے رہے۔ اُنہیں کوڑوں سے لہولہان کیا گیا، ستایا گیا، ان کی داڑھی نوچی گئی، ان پر سیاست کی گئی، ہاتھوں اور پاؤں پر کیلیں ٹھونکیں گئی، پسلی میں بھالا لگایا گیا، سر پر خاردار تاج سجایا گیا، کپڑوں پر قرعہ ڈالا گیا الغرض ستائے جانے میں کسی طور بھی آدم نے کمی نہ چھوڑی۔ مسیح کی اسی تصلیب کی عاشقؔ نے بڑی ہی خوبصورتی سے منظر نگاری کی ہے۔ اس کا حوالہ ان کے گیت کئی گیتوں میں ملتا ہے اس حوالے سے ان کے گیت ' عیسیٰ مصلوب' سے یہ شعر دیکھیے:

تمانچے منھ پر مارے، تاج کانٹوں کا رکھا سر پر
کلیجہ منھ کو آتا ہے، اذیت یاد آتی ہے (۲۴)

یہاں عاشقؔ نے بڑی خوبصورتی سے حضرت المسیح کی تصلیب کے جزئیات کا بیان کیا ہے۔ انجیل مقدس میں مسیح یسوع کی تصلیب کے حوالے سے ایسی آیات ملتی ہیں جن میں ذکر ہے کہ حضرت یسوع مسیح کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر انہیں طمانچے مارے گئے اور ظلم کیا گیا اور اس سے سوال کیا گیا کہ اگر وہ نبی ہیں تو بتائیں کہ کس نے اس کو

تھپڑ مارا؟ انہیں کوڑے مارے گئے۔ انہیں لہولہان کیا گیا۔ ان کی داڑھی نوچی گئی۔ ان کے کپڑے پھاڑ دیے گئے الغرض تکلیف کی کوئی کمی نہ چھوڑی گئی۔ انہوں نے بھاری بھرکم صلیب اٹھائے کوہ کلوری کا سفر طے کیا۔ وہاں ان کے ہاتھوں اور پیروں پر کیل ٹھونکے گئے۔ ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔ ان کی پسلی میں بھالا مارا گیا یہ سب کچھ حضرت ناصری نے ہمارے گناہوں کے سبب سہا۔ یہی سب سہتے سہتے انہوں نے جان دے دی یہی عقیدہ تصلیب ہے جس کے ترجمان عاشقؔ مرادآبادی بھی ہیں۔

بدرؔ بریلوی

اصل نام فتح چند تھا جبکہ بدرؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ بریلی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اس لیے بریلوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شاہجہان پور کے مشن سکول سے حاصل کی۔ آپ کی عمر ۱۵ برس تھی کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے آپ نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر محنت مزدوری شروع کر دی اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو تعلیم دلوائی۔ ۱۹۴۵ء میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ فوج کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو اترپردیش میں ملازمت کرنے لگے۔ بریلی کے مسیحی مدرسۂ دینیات میں داخلہ لیا اور پادری کا کورس کیا۔ بدرؔ نے سولہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ آپ کے ہاں مناظر فطرت کی منظر نگاری عام ملتی ہے۔ ابتدا میں اورنگ آباد کے ظفرؔ اورنگ آبادی کے شاگرد ہوئے۔ بعد ازاں حضرت موجؔ زیبائی سے اصلاح سخن لی۔

بدرؔ کے گیتوں کا مطالعہ کریں تو بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں کئی موضوعات کو اشعار کے سانچوں میں ڈھالا گیا ہے۔ لیکن ان کے ہاں تصلیب کا رنگ نمایاں ہے۔ تصلیب کے تمام سلسلے کو آپ نے کمال انداز سے باندھا ہے۔ وہ ہر مرحلے کو، ہر اک شعر میں اس خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہیں کہ تصلیب کا ایک ایک جزو آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگتا ہے۔ ان کے ایک گیت سے یہ اشعار ملاحظہ ہو:

؎ میرے آقا، میرے منجی، میرے غمخوار چلے
سب گُنہ میرے اٹھا کر طرف دار چلے
؎ خون سے دھویا میرا منجی نے لباسِ ہستی
سرخ رو کرنے مجھے خود میری سرکار چلے (۲۵)

ان اشعار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بدرؔ بریلوی کو تصلیب کے مضمون سے کیسی عقیدت ہے۔ وہ اس عقیدے پر ایمانِ مکمل رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح نے سارے جہان کی خاطر صلیب اٹھائی اور جہان کے گناہ اٹھا کر وہ کلوری کی راہ پر گرتے سنبھلتے سفر کرتے رہے۔ حضرت مسیح یسوع کو منجی اور غمخوار کہتے ہوئے بدرؔ بریلوی اس عقیدے کی مکمل گواہی دیتے ہیں کہ حضرت مسیح ساری کائنات کے لیے منجی بن کر آئے۔ ان کے قربان ہونے کے وسیلہ ہی آدم جو مرتکب گناہ تھا' نجات یافتہ ہوا۔ ان کے قربان ہونے سے ہی' اس کے خون بہانے سے ہی آدم پاک صاف ہوا۔ وہ گناہ جو عدن میں سرزد ہوا تھا اور جس کے باعث آدم گناہ آلودہ ہوا اور خدائے قدوس سے دور ہوا۔ اس رشتہ کی بحالی حضرت مسیح یسوع کے خون بہانے کے باعث ہوئی ۔ بدرؔ یقین رکھتے ہیں کہ آدم کی بحالی کے لیے اور اس خدا سے دوبارہ وابستگی کے لیے حضرت مسیح نے خود کو پیش کیا اور گناہوں سے نجات عطا فرمائی۔

آمد ثانی:

آمد ثانی کے معنی ہیں 'دوسری آمد' یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت یسوع مسیح نے صلیب پر اپنی جان دی ۔ پھر انہیں قبر میں اتارا گیا ۔ حکومت وقت نے ان کی قبر کو مہر بند کیا ۔ یہودی روایات کے عین مطابق حضرت یسوع مسیح کی وفات کے تیسرے روز جب ان کی ماں مقدسہ مریم اور ان کے ہمراہ چند خواتین مسیح کی قبر پر گئیں تو انہوں نے قبر کے پتھر کو لڑھکا ہوا اور قبر کو خالی پایا ۔ یہ حوالہ انجیل مقدس میں کچھ ان الفاظ میں ملتا ہے:

> ''جب سبت کا دن گزر گیا تو مریمؔ مگدلینی اور یعقوب کی ماں مریمؔ اور سلوؔمی نے خوشبودار چیز مول لیں تا کہ اس پر ملیں۔'' (۲۶)

یہ عورتیں آپس میں یہ باتیں کرتی ہوئی آ رہی تھی کہ کون ہمارے لیے قبر سے پتھر کو ہٹائے گا کیونکہ وہ پتھر بہت بڑا تھا ابھی یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ انہوں نے قبر سے پتھر کو لڑھکا ہوا پایا اور وہاں انہوں نے ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے دیکھا ۔ وہ اس جوان کو وہاں دیکھ کر اور قبر کے پتھر کو بھی لڑھکا ہوا پا کر نہایت حیرت میں مبتلا تھیں مگر اس جوان نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم حیران نہ ہو کیونکہ تم جس کی تلاش میں ہو وہ یہاں نہیں ہے بلکہ وہ مصلوب ہونے والی ہستی جی اٹھی ہے۔ اس نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں اس کو رکھا گیا تھا اور انھیں بتایا کہ وہ یہاں نہیں ہے اور اس فرشتہ نے ان عورتوں سے یہ کہا کہ جاؤ اور اس کے سب شاگردوں کو خبر دو کہ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اور وہ تم کو گلیل میں ملے گا۔ یہ سبھی عورتیں جب یہ سب سن چکیں تو قبر سے

بھاگتی ہوئی گئیں ۔اس وقت ایک عجیب و غریب لرزش اور ہیبت ان پر طاری تھی ایسے میں حضرت مسیح ان پر ظاہر ہوئے اور عورتوں کو سلام کیا تو یہ عورتیں حضرت یسوع مسیح کے قدموں میں گریں اور قدم پکڑے اور اسے سجدہ کیا ۔وہ حیرت و خوف میں مبتلا حضرت مسیح یسوع کو دیکھ رہی تھیں۔ مگر حضرت یسوع مسیح نے ان کو تسلی دی اور ان سے کہا کہ وہ نہ ڈریں اور اس کے بھائیوں یعنی اس کے شاگردوں کو یہ خبر دیں کہ وہ سب گلیل میں اس سے ملیں سو وہ عورتیں شاگردوں کو یہ خبر دینے کو بھاگیں اور اس مقام پر پہنچی جہاں اس کے شاگرد روتے اور ماتم کرتے تھے اور انہیں یہ خبر سنائی تو وہ بھی حیرت میں مبتلا ہوئے۔ اور پطرس قبر تک دوڑتا ہوا آیا اور جب اس نے دیکھا تو وہاں صرف کفن تھا۔ پھر اسی دن وہ یروشلیم سے سات میل کے فاصلے پر واقع ہے اماؤس نامی گاؤں کی طرف جانے والے دو آدمیوں پر ظاہر ہوا۔وہ آدمی حضرت یسوع مسیح کی تصلیب اور جی اٹھنے والے معاملے پر گفتگو کر رہے تھے حضرت یسوع مسیح اسی موضوع پر ان سے بات کرتے کرتے ان کے گاؤں کے قریب پہنچے مگر انہوں نے اسے نہ جانا اور وہ آدمی حضرت یسوع مسیح کو اپنے گھر لے آئے کیونکہ شام ہو چلی تھی۔ اور دن ڈھلنے کو تھا اور جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے۔اس نے روٹی توڑ کر برکت دی اور ان کو دینے لگا تو انہوں نے حضرت یسوع مسیح کو پہچانا۔ مگر پھر وہ ان کی نظر سے غائب ہو گیا ۔وہ آدمی اسی گھڑی واپس یروشلم کو لوٹے اور اس کے شاگردوں کو یہ خوشخبری سنائی۔ابھی سب شاگردوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت مسیح ان کے درمیان ظاہر ہوئے۔ اور ان سے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو۔اور شاگرد گھبرائے کہ شاید کوئی روح ان کے بیچ آن کھڑی ہوئی مگر حضرت مسیح یسوع نے ان سے کہا کہ کیوں گھبراتے ہو؟ مجھے چھو کر دیکھ لو۔ کیونکہ روح کی گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی۔ حضرت یسوع مسیح نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے اور جب خوشی کے مارے ان کو یقین نہ آتا تھا اور وہ تعجب کرتے تھے تو حضرت یسوع نے انہیں وہ ساری باتیں یاد دلائیں جو وہ ان سے کہا کرتے تھے۔ پھر حضرت یسوع مسیح انہیں بیتِ عنیاہ کے سامنے باہر لے گئے اور انہیں برکت دی۔ پھر یوں ہوا کہ جب وہ انھیں برکت دے رہا تھا۔ تو ان سے جدا ہوا اور آسمان پر اٹھا لیا گیا ۔ مسیح یسوع کے آسمان پر اٹھائے جانے والے اس واقعے کو جب ہم اعمال کی کتاب میں پڑھتے ہیں تو وہاں ہمیں کچھ اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں:

> ” اور اس کے جاتے وقت جب وہ آسمان کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے تو دیکھو
> دو مرد سفید پوشاک پہنے ان کے پاس آ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے گلیلی
> مردو! تم کیوں آسمان کی طرف دیکھتے ہو؟ یہی یسوع جو تمھارے پاس سے آسمان

پر اٹھایا گیا ہے' اسی طرح پھر آئے گا جس طرح تم نے اسے آسمان پر جاتے دیکھا ہے۔"(۲۷)

مذکورہ بالا واقعات سے اس نتیجے کو اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت یسوع مسیح تصلیب کے بعد دفنائے گئے اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد اپنے شاگردوں اور کچھ اور لوگوں پر ظاہر ہوئے اور آسمان پر اٹھا لیے گئے وہ واپس بھی پھر اسی طرح آئیں گے جس طرح جاتے دیکھا گیا۔ اسی طرح دوبارہ آنے کو' آمدِ ثانی' کہتے ہیں 'یعنی مسیح یسوع کی دوبارہ آمد۔

آمدِ ثانی مسیحی اعتقادات کا ایک جزو ہے جس پر ایمان کے بغیر مسیحیت کا ایمان مکمل نہیں ہوتا ہے۔ اس اعتقاد سے متعلق مختلف شعرا کا کلام ملتا ہے۔ ذیل میں ایسے شاعروں اور ان کا نمونہ کلام پیش کیا گیا ہے جنہوں نے آمد ثانی کے مضمون کو موضوع سخن بنایا ہے۔ ذیل میں اسی حوالے سے مسیحی شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

بیتاؔب سنسارپوری:

آپ کا اصل نام بی فرینکلین تھا جبکہ بیتاؔب تخلص کرتے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں وطن سنسار پور ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ جناب مخمؔور جالندھری سے تلمذ تھا۔ انہوں نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی فرمائی۔ 'منزلِ نجات' کے عنوان سے ۱۹۶۷ء میں ان کا ایک مجموعہ کلام شائع ہوا جو بے حد داد و تحسین کا باعث بنا۔ ان کے کلام میں بے حد پختگی ملتی ہے۔ زبان شستہ 'صاف اور پاکیزہ ہے۔ تخیل کی بلند پروازیاں اُن کے ہاں عام ملتی ہیں۔ سادگی اور سلاست کلام کا خاصہ ہیں۔ الفاظ کا چناؤ اُن کے ہاں بے حد عمدہ ہے۔ انہوں نے گیتوں کا سہارا لیتے ہوئے بائبل مقدس کے اکثر حصوں کو اشعار کے سانچوں میں بخوبی ڈھالا ہے۔ ان کی شاعری میں حقیقت پسندی کے آثار ملتے ہیں۔ ان کی شاعری زندگی سے بہت قریب ہے۔ زندگی کی شیرینی و تلخ مزاجیوں کے دونوں حقائق ان کی شاعری میں عام ملتے ہیں۔ وہ ۳ ستمبر ۱۹۷۴ کو راہِ عدم کو روانہ ہوئے۔

یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت المسیح نے سارے جہان کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد بہت سے لوگوں پر ظاہر ہوئے اور پھر آسمان پر جاتے دکھائی دیئے اور دو مرد اُن

کے پاس آن کھڑے ہوئے اور بدلیوں نے ان کو چھپالیا۔ اور یہ آواز آئی کہ یہی یسوع جو تمھارے پاس سے آسمان پر اُٹھالیا گیاہے اسی طرح پھر آئے گا۔ سو یہی آمدِ ثانی کا عقیدہ ہے۔ مسیحی اس بات پر بڑی مضبوطی سے ایمان رکھتے ہیں اور شعرا بھی اسی عقیدہ کو اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں۔ اِسی حوالے سے بیتاؔب سنسار پوری کے گیت 'آمدِ ثانی' کو بطور مثال زیرِ بحث لاتے ہیں۔ بیتاؔب اپنے گیت 'آمدِ ثانی' میں بلا شک و شبہ حضرت المسیح کی دوسری آمد کا والہانہ انداز میں تذکرہ کرتے ہیں۔ اس گیت سے ایک شعر بطور مثال دیکھئے۔

؎ وہ چڑھ کر بادلوں پر آرہے ہیں
میں اُن کی آمدِ ثانی کے صدقے (۲۸)

اِس شعر میں بیتاؔب نے صاف الفاظ میں بیان کیاہے کہ مسیح کی دوسری آمد بادلوں پر ہی ہو گی جیسا کہ مسیحی عقیدہ ہے کہ مسیح کو آسمان پر جاتے ہوئے بادلوں نے چھپا لیا تھا اور ایسے ہی اُن کو آتا دیکھا جائے گا سو بیتاؔب اس مسیحی عقیدے کو اپنے گیت میں بخوبی نبھاتے ہیں کہ یہ آمدِ ثانی بادلوں کے پروں پر ہو گی۔ اور یہی نہیں بیتاؔب اس منظر کا تخیل جب اپنے دل میں لاتے ہیں اور تخیل کی آنکھوں سے جب وہ اس دلنشین منظر کا نظارا کرتے ہیں تو ان کا دل مسیح کی محبت سے مذید بھر جاتا ہے اور محبت کا یہ جوش ان کو حضرت المسیح کے لیے قربان ہونے پر مجبور کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مصرع ثانی میں خود کو اس آمد پر قربان کرنے کے لیے 'صدقے' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ بیتاؔب کہتے ہیں کہ المسیح کی محبت کی فراوانی تھی کہ اُس نے ہم گنہگاروں پر نظر کی اور ہمیں ازل کے گناہ سے آزاد کیا۔ اس مخلصی کے لیے اُس نے اپنا بیش بہا خون بہایا اور ایثار و قربانی کی انمول اور انوکھی داستان رقم کی۔ جس کی زمانے بھر میں کہیں کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ وہ تیسرے دن جی اُٹھا اور پھر بہت سے لوگوں پر ظاہر ہونے کے بعد آسمان پر جاتے دکھائی دیا اور بدلیوں میں چھپ گیا۔ اب جلد آنے والا ہے۔ بیتاؔب سنسار پوری اس عقیدے پر یقینِ کامل رکھتے ہیں کہ المسیح جلد آنے والے ہیں یہی اُن کی آمدِ ثانی ہے۔ یہی مسیحی عقیدۂ آمد ثانی ہے جس کا اظہار بیتاؔب کے گیت 'آمدِ ثانی' میں کرتے نظر آتے ہیں۔

موؔجِ زیبائی:

آپ کا اصل نام عبدالمعبود خاں عرف ڈبلیو۔ اے ۔ صمد خاں تھا جبکہ موؔج تخلص کرتے تھا۔ وہ دہلی میں محلّہ کلاں میں ۱۰ دسمبر ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا فیروز خان احمد فوج میں صوبے دار میجر کے عہدے پر

فائز تھے۔وہ ابھی چھ ماہ کے تھے کہ ان کی والدہ وصال کر گئیں ۔سو پرورش کی ذمہ داری صوبے دار میجر دادا نے لے لی۔ بعد ازاں یہ ذمہ سوتیلی ماں کو سونپ دی گئی۔ والد ماجد نے فارسی اور قرآن شریف پڑھایا۔ ان کے والد صاحب بھٹنڈے میں ریلوے کلرک کی خدمات انجام دیتے تھے۔ یہاں ان کی ملاقات پادری اصغر علی صاحب سے ہوئی۔ پادری اصغر علی صاحب کی محبت و شفقت نے دل پر گہرے نقوش چھوڑے۔ سوتیلی ماں کی سختی و ایذا رسانی نے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ سو دہلی میں مسیحی صحبتیں بڑھنے لگیں اور بالآخر دین المسیح قبول کیا۔ اردو زبان میں وہ حضرت حکیم صغیر حسن زیبؔا کے شاگرد رہے سو اسی مناسبت سے زیبائی کہلائے۔ وہ فارسی زبان میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے۔ فارسی میں پروفیسر اختر امرتسری سے اصلاح لیتے رہے۔ ان کا شمار کہنہ مشق شاعروں میں ہوا کرتا ہے۔ ان کا طرز ادا اور طرزِ بیان بے حد حسین اور منفرد ہے ان کو فن پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ ان کی زبان میں چاشنی اور شیرینی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار اساتذہ میں ہونے لگا اور متعدد شاگرد ان سے اصلاح لینے لگے۔ ۱۳ اور ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو دہلی میں منعقد ہونے والی آل انڈیا مسیحی مصنفین اُردو کانفرنس میں ان کو "بہارِ سخن" کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔ "موجِ سخن" کے عنوان سے ان کا مجموعہ کلام بھی شائع ہوا۔

آمدِ ثانی کے حوالے سے موؔج زیبائی کے گیتوں کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ موؔج کا دل دیدارِ مسیحا کے لیے بے حد بے قرار ہے۔ اِک اضطراب ہے جو اُن کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اور ان کو حضرت المسیح کے بغیر کچھ نہیں جچتا ہے اس حوالے سے موؔج کے گیت 'امیر کارواں' سے یہ مصرع ملاحظہ ہو:

؎ آسماں سے پھر اُتر آ اے امیر کارواں [۲۹]

یہاں موؔج نے 'امیر کارواں' سے حضرت المسیح یسوع مراد لی ہے اور ' آسماں سے پھر اُتر آ' کہنے سے اِس بات کی شہادت ملتی ہے کہ موؔج اس بات پر کامل ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح آسمان پر ہیں اور وہ آسمان سے جلد اُترنے کو ہیں۔ موؔج کہتے ہیں کہ اے امیر کارواں تیرے بغیر زندگی کا اصل لطف ہمیں کہاں حاصل ہیں؟ اور ہم تیرے بغیر کیسے جیئں؟ موؔج کہتے ہیں کہ جینے کا تصور حضرت المسیح کے بنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے نہ ہونے سے موؔج کو ہر طرف خزاں کا بسیرا نظر آتا ہے اور وہ اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت المسیح کے بنا بہارِ کوہستان کا مزہ نہیں ہے کیونکہ جس کے ہونے سے چاروں اور بہار ہو وہ ذات انہیں اپنی آنکھوں کے روبُرو نظر نہیں آتی ہے۔ وہ جینے میں

مزہ محسوس نہیں کرتے کیونکہ ان کا دل جو مسیح یسوع کی محبت سے سرشار ہے۔اِک عرصے سے ان کی جدائی میں مبتلا ہے اور اب ان میں یہ جدائی سہنے کی مذید ہمت نہیں ہے وہ حضرت مسیح یسوع کے بِنا نہ تو جینے کا تصور کر سکتے ہیں نہ ہی ان کو اپنے آس پاس کوئی رنگ ' کوئی خیال یا کوئی نظارا بھاتا ہے۔ تبھی وہ مذکورہ بالا شعر میں اپنے دل کے مضطرب حالات سے تنگ آکر حضرت مسیح یسوع سے گزارش کرتے نظر آتے ہیں کہ اے امیر کارواں تو آسمان سے پھر اُتر آ کیونکہ موّج کو ایسا لگتا ہے کہ امیر کارواں کے بغیر کارواں بری حالت میں ہے۔اُس امیر کارواں کے آنے سے ہی کارواں کے درہم برہم نظام درست ہو جائیں گے۔

جی ایم سنگھ گُل:

آپ کا اصل نام جی ۔ایم ۔سنگھ جبکہ گُل تخلص کرتے تھے۔آپ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو امرت سر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امر تسر سے ہی حاصل کی۔۱۹۳۸ء میں چشتیہ ہائی سکول امر تسر سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور فوج میں بھرتی ہو گئے۔ہانگ کانگ ' سنگاپور ' برہما اور ملایا وغیرہ میں فوجی خدمات سر انجام دیں۔۱۹۴۳ء میں انڈین نیشنل آرمی میں نیتاجی سباش چندر بوس کے ساتھ بطور کپتان ہندوستان کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا۔اور پھر کچھ عرصہ جنگی قیدی بن کر جیل میں رہنا پڑا۔ مگر فیصلہ ہونے پر رہا کر دیا گیا۔۱۹۵۴ء میں جھانسی کے بائبل سیمنری سکول چلے گئے۔ علم الہیات کی تحصیل کے بعد پادری کا منصب سنبھالا اور تاحیات خدماتِ خداوندی میں مشغول رہے۔ شاعری میں حضرت رسّا لکھنوی کے شاگردِ رشید تھے۔ مگر رسّا کے انتقال کے بعد کسی اور سے استفادۂ کلام کو جی نہ چاہا۔ آپ کے کلام میں مذہب کا رنگ زیادہ غالب رہا۔ آپ کا کلام کئی اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتا رہا۔

'آمدِ ثانی' کے عقیدے کے حوالے سے جی۔ ایم۔سنگھ گُل کے گیتوں کا مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجے میں پہنچتے ہیں کہ یہ عقیدہ گُل کی شاعری میں عام ملتا ہے۔وہ بڑے والہانہ انداز سے جابجا اس مضمون کو باندھتے ہیں کہ حضرت المسیح جلد آنے والے ہیں اسی حوالے سے 'اسی زمرے میں اُن کا گیت 'جاگتے رہنا' پر کھا جائے تو گُل اس عقیدے پر کامل یقین رکھتے ہوئے ملتے ہیں کہ مسیح کی آمدِ ثانی ابھی باقی ہے اور یہ جہان اُن کی اس آمد کا منتظر ہے ایسا ہی اظہارِ خیال ملاحظہ ہو:

؎ مسیحا آرہے ہیں چاند تارو جاگتے رہنا

مبارکباد دینے کو نظارو جاگتے رہنا

؎ جو ہو گی آمدِ ثانی عیسٰی برق کے مانند

تو لازم ہے تمھیں ایماندارو جاگتے رہنا (۳۰)

یہ اشعار گُل کے اس یقینِ کامل کی طرف اشارہ کرتے ملتے ہیں کہ حضرت المسیح جلد آنے والے ہیں سو وہ چاند تاروں کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کرتے ہوئے در اصل اس جہان کو باخبر رہنے کی تلقین کرتے نظر آرہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اے چاند تارو تم سوئے نہ رہنا بلکہ ہر پل ہر گھڑی جاگتے رہنا کیونکہ جانے وہ کون سا لمحہ ہو جب حضرت المسیح ہمیں پھر سے دیدار عطا کر دیں۔ اے دلکش نظارو! تم جو سچ مچ قابلِ تحسین ہو لازم ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دیں سو تم جاگتے رہنا۔ یہاں گُل نے بڑی خوبصورتی سے قدرت کو شاعری کا حصّہ بنا کر مناظر کو اور بھی دلکش بنایا اور حضرت المسیح کی آمدِ ثانی کو اور بھی حسن عطا کر دیا ہے۔ گُل کہتے ہیں کہ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ حضرت المسیح کی آمد بڑی ہی شاندار ہو گی۔ یہ آمد جاہ و جلال سے بھرپور ہو گی سو لازم ہے کہ ایماندار سوئے نہ رہیں بلکہ جاگتے رہیں یہاں شاعر سوئے رہنے سے مُراد 'غافل رہنا' لیتا ہے۔ چونکہ ہم جانتے ہیں کی حضرت المسیح نے ہمیں لینے کو اس دُنیا میں آنا ضرور ہے سو ایمانداروں کو چاہیئے کہ وہ جاگتے رہیں یعنی روح میں جاگتے رہیں اور اپنے اعمال پر غور کرتے رہیں، اپنی راہیں راست رکھتے رہیں تا کہ وہ کامل بنیں تا نہ ہو کہ وہ اس دنیا میں ہی رہ جائیں بلکہ وہ اس کے ساتھ راہِ فردوس کو نکلنے کے لائق بن سکیں۔ سو ایمانداروں کو چاہیئے کہ وہ ہر پل، ہر گھڑی خود کو حضرت المسیح کے لائق بنائیں' خود کو اس طرح تراشیں کہ حضرت المسیح کو پسند آئیں احکامِ خداوندی کو بر لائیں۔ حضرت المسیح کی تعلیمات اور اصول وضوابط پر اس طرح پابندی کریں کہ جب آپ کی پھر سے آمد ہو تو ایماندار اُس کو پسند آئیں۔ تبھی وہ خصوصاً ایمانداروں کو جاگتے رہنے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں کیونکہ حضرت المسیح اپنے ایمانداروں کو لینے جلد ہی اس دُنیا میں آئیں گے۔ 'آمدِ ثانی' سے متعلق گُل کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

؎ فلک سے آئے گا اپنی دلہن کے واسطے دولہا

فضا میں ہو گا یہ ملنا کہارو جاگتے رہنا (پ۔۱۱۸)

مسیحی عقیدۂ آمدِ ثانی کے ضمن میں حضرت المسیح یسوع کو دولہا جبکہ کلسیا کو اُن کی دولہن تصور کیا جاتا ہے۔ یہی تصور گُل نے اپنے گیت 'جاگتے رہنا' کے مذکورہ بالا شعر میں بڑی خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت

المسیح فلک یعنی آسمان سے پھر لوٹ کر اپنی دلہن کو لینے آئیں گے اور فضا میں چار سُو دلہا اور دلہن کے ملن کا یہ منظر بڑا ہی دلکش ہو گا اس لیے وہ کہاروں سے جاگتے رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہاں دلہن سے مراد کلیسیا یعنی چرچ یعنی اُس کے پیروکار ہیں۔ وہ سب جو اُس کے ماننے والے ہیں اور اس کے حکموں کو بجالانے والے ہیں۔ وہ بڑی دلیری سے اُس کے لیے مشکلیں اور صعوبتیں سہتے ہیں۔ وہ سبھی جو اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی خدمت میں اپنی زندگی گزار دیتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ مسیحا ہمارا منجی ہے اور اس کے وسیلے ہم نے نجات پائی ہے تو ہم حق دار ہیں کہ اس کی دلہن بنیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت المسیح یعنی دلہا اپنی دلہن کو لینے آنے کو ہیں۔

شاکؔر میرٹھی:

آپ کا اصل نام پیارے لال تھا۔ جبکہ شاکؔر تخلص تھا۔ آپ کا تعلق میرٹھ سے تھا۔ آپ ۱۳ مارچ ۱۹۸۰ء کو کنکر کھیڑہ میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ کے مشن ہائی سکول سے حاصل کی۔ آپ کو اردو، فارسی اور ہندی کے ساتھ ساتھ سنسکرت اور انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ کو اوائل عمر سے ہی سخن کا شوق رہا ہے۔ پہلے شوؔکت میرٹھی سے زانوئے تلمذ کیا اور پرانی روش کو شاعری میں برتا مگر پھر لکھنؤ کا رخ کیا۔ وہاں حضرت احمد علی شوؔق قدائی لکھنوی سے زانوئے تلمذ کیا اور پھر پرانی روش کو ترک کیا اور قدرتی مناظر کے ساتھ ساتھ نت نئے مضامین کو سخن میں ادا کرنے لگے۔ آپ نے بچوں کے لیے بھی متعدد نظمیں لکھیں اور مضامین لکھے جو درسی کتب میں شائع ہوتے رہے۔ نثر اور نظم کے علاوہ آپ کا رجحان صحافت کی طرف بھی تھا۔ کئی رسالوں کے لیے ادارت کی خدمات بھی سر انجام دیں۔ جن میں العصر لکھنؤ، زمانہ کانپور، ریاست دہلی، ادیب الٰہ آباد اور تیج دہلی زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ قریباً پچاس سے زائد کتب کا شمار آپ کی تصانیف، تالیفات اور تراجم میں ہوتا ہے۔ ان میں برکاتِ سلطانی (مختصر حالات بیگم صاحبہ بھوپال) رابندر ناتھ ٹیگور، ٹالسٹائی کے افسانے اور حالاتِ سرسید زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ ترجموں کے حوالے سے دیکھا جائے تو شاکؔر نے کالی داس کی تین کتابوں (شکنتلا، میگھ دوت، رتو سنگھار) کے منظوم ترجمے بھی کیے۔ رتو سنگھار کا ترجمہ "اکسیر سخن" شاکؔر کے لافانی شاہکار میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ انڈین پریس الٰہ آباد نے شاکؔر کی قریباً بیس درسی کتب شائع کیں۔

شاکرؔ کو 'ادیب العصر' اور 'لسان الہند' کے خطابات سے بھی نوازا گیا۔ شاکرؔ کا کلام نفاستِ بیان اور ندرت فکر میں لپٹا ہوا نظر آتا ہے۔ سرکار ہند نے آپ کے لیے ڈیڑھ سو روپیہ کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا اس کے علاوہ حکومتِ بھوپال اور حکومتِ حیدرِ آباد کے ساتھ ساتھ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بھی مالی طور پر شاکرؔ کی اکثر مدد فرماتے۔ مگر اخیر عمری میں انقلابی ناگہانیوں اور گردشِ زماں نے آمدنی کے جملہ ذرائع مسدود کر دیئے۔ سو آخری ایام بے حد مفلسی اور عسرت میں گزرے۔ اسی حالت میں ۲۰ فروری ۱۹۵۶ء کو شاکرؔ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کو دہلی کے پہاڑ گنج قبرستان میں دفنایا گیا۔ آپ کی وفات پر کئی شعرا نے اظہارِ غم کے لیے مرثیے کہے۔

مسیحی عقائد کے حوالے سے دیکھا جائے تو 'آمدِ ثانی' کا مضمون بھی کئی شعرا کے ہاں ملتا ہے۔ یہی مضمون شاکرؔ میرٹھی کے کلام میں بھی جابجا ملتا ہے۔ مثلاً اُن کے گیت "خون بہا" سے یہ بند ملاحظہ ہو:

اتر کر پھر فضائے عرش سے وہ آنے والا ہے ہمیں خلد بریں کو ساتھ پھر لے جانے والا ہے

جمال اک اپنا پھر ہمیں دکھلانے والا ہے دلوں میں شعلہ نورِ ازل چمکانے والا ہے

حجاتِ شوق حائل گو ابھی شاکر ہے دوری کا شرف پھر بخشنے والا ہے وہ ہم کو حضوری کا[۳۱]

'خون بہا' سے اخذ اس بند میں شاکرؔ یسوع مسیح کی آمدِ ثانی پر مکمل اعتراف کی گواہی دیتے ہیں۔ شاکرؔ کو یقین ہے حضرت المسیح فضا کے عرش سے جلد اترنے والے ہیں جیسا وہ فضا میں اُڑتے اور اوپر جاتے دکھائی دیئے ویسا ہی وہ بدلیوں پر سے نیچے عرش پر اُترتے دکھائی دیں گے۔ شاکرؔ مزید کہتے ہیں کہ اس دھرتی پر اُترنے کے بعد وہ اپنے لوگوں کو جو خلد کے حق دار ہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے یعنی وہ لوگ جو دین حق پر کمال انداز سے قائم رہے جنہوں نے ہر حال میں خُدائے قدوس کو اوّل درجہ دے رکھا اور اپنی زندگی بدی سے دُور رکھی اور ہر عمل ربِ کائنات کے احکام کے عین مطابق گزارا' سو فردوس انہی خاص بندوں کا انعام ہے اور ان لوگوں کو فردوس تک لے کر جانے والی ہستی حضرت المسیح کی ہے جو خود اپنے لوگوں کو اپنی قیادت میں فردوس کی راہوں پر لے چلے گا یہی مسیحی عقیدہ ہے جس کو شاکرؔ مذکورہ بالا بند میں بڑی خوبصورتی سے نبھا رہے ہیں۔ شاکرؔ مزید حضرت المسیح کے خوبصورت حسن کی دلکشی بیان کرتے ہیں کہ وہ جمالِ پاک ہمیں دکھلانے والے ہیں یہ مصرع فی الحقیقت حضرت المسیح کی پاک دامنی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ بھی مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت المسیح ہر اِک گناہ سے مبرا ہیں۔ وہ بے عیب' بے داغ اور پاک ہستی ہیں اِس بات کو شاکرؔ اِس مصرع میں میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب حضرت المسیح کی آمدِ ثانی ہو گی تو ہم

ان کے جمال پاک کو رُوبرُو دیکھیں گے۔ شاکؔر کہتے ہیں کہ ہمارے دِلوں میں اُس ازل سے بھڑکنے والے شعلہ کا نور اور بھی جوش سے چمکنے والا ہے۔ اُس کی ذات ہمارے دِلوں میں اور بھی زیادہ جوش سے اس نور کو چمکانے والی ہے۔ اس سے مراد بھی حضرت المسیح ہی ہے۔ جو نورِ ازل ہے۔ اور یہی شعلہ نورِ ازل یعنی یسوع المسیح' ہمارے دِلوں کو اپنے عشق میں اور بھی زیادہ منور کرنے کو ہے۔ آخری شعر میں شاکؔر فی الوقت کی دُوری کو بڑی خوبصورتی سے حجابِ شوق کہہ کر مضمون کو مذید دلکشی عطا کرتے ہیں۔ یہ لازم ہے کہ محبوب کے وصل تک حجابِ شوق کی دُوری کو سہا جائے سو شاکؔر اس وقت کو' جو ابھی حضرت المسیح سے دُوری میں کٹ رہا ہے' حجابِ شوق کہہ کر کمال انداز سے نبھاتے ہیں۔ اور اس اُمید پر کہ وہ جلد ہی ہمیں پھر ملاقات کا شرف عطا کرنے کو ہیں آخری مصرع میں حضرت المسیح سے اپنی محبت کی داستان کو خوبصورتی سے رقم کرتے ہیں۔

ب۔ مسیحی تہوار کے تناظر میں:

کرسمس:

کرسمس مسیحی برادری کا ایک اہم مذہبی تہوار ہے۔ یہ دن یوم ِ ولادتِ یسوع المسیح کے سلسلے میں بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے یہ ایک اہم اور مقدس دن ہے یہی وجہ ہے کہ اسے 'بڑا دن' بھی کہا جاتا ہے۔ اسے دنیا بھر میں ۲۵ دسمبر کو بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ کرسمس کے حوالے سے قاموس الکتاب سے یہ تفصیل دیکھیئے:

> ''کرسمس کے تہوار کا ۲۵ دسمبر پر ہونے کا ذکر پہلی مرتبہ شاہِ قسطنطین کے عہد میں ۳۲۵ عیسوی کو ہوا۔ یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اولین کلیسیائیں بڑا دن مناتیں تھیں یا نہیں۔ تاہم جب سے یہ شروع ہوا یہ بڑا مقبول ہوا ہے۔ اگرچہ بعض رسومات جو مسیحی نہیں تھیں کرسمس سے منسوب کی گئی ہیں تاہم اب انہوں نے بھی مسیحی رنگ اپنا لیا ہے۔ مثلاً کرسمس ٹری (کرسمس کا درخت)۔ اب اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ یہ خدا کی طرف اشارہ کرتا اور اس کی نعمتوں کی یاد دہانی کراتا ہے۔''(۳۲)

ذیل میں اسی تہوار کے حوالے سے مسیحی شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

دوستؔ جالندھری:

آپ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نو عمری سے ہی شعر گوئی کرنے لگے۔ ۱۹۲۰ء میں آپ کا کلام لاہور کے ادبی جرائد میں چھپنے لگا۔ ان جرائد میں شاعر' شاہکار' نیرنگِ خیال' شباب اردو وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ شاعری میں علامہ تاؔجور نجیب آبادی سے تلمذ تھا۔ تقسیمِ ہند کے بعد آپ لاہور کے ہفت روزہ 'آزاد کرسچن' میں ادارت کی خدمات دینے لگے۔ اس کے علاوہ آپ نے لاہور کے ایک اور ہفت روزہ ' شاداب' کے لیے بھی مدیر کی خدمات سرانجام دیں۔ ادارت کا سلسلہ ۱۹۷۰ء سے لے کر ان کی علالت تک جاری رہا۔ آپ نے پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی لاہور میں بھی خدمات انجام دیں۔

دوؔست جالندھری کے گیتوں کا بغور مطالعہ کریں تو ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ بائبل مقدس کے واقعات کا بڑی خوبصورتی سے نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے ہیں ۔ان کی شاعری مسیحی عقیدوں کی روشنی میں لفظوں کے سانچے میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ وہ بائبل مقدس کی رہنمائی میں شعر گوئی کرتے ہیں۔ وہ محبت کا درس دیتے ہیں اور امن و سلامتی کی تشہیر کرتے ہیں۔ خوبصورت منظر نگاری ان کے قلم کا خاصہ ہے۔ کرسمس کے حوالے سے ان کا گیت 'مولود مسیح' قابل ذکر ہے اس گیت سے یہ اشعار دیکھیے:

؎یہ ہے وہ مبارک دن جس دن مولود مسیح پاک ہوا
یہ ہے وہ مبارک دن جس دن تقدیسِ بہاراں ہوتی ہے
اب بربط و نے کے ہونٹوں سے نغمات محبت پھوٹیں گے
اے دوست ہماری قسمت اب ہم رنگِ سلیماں ہوتی ہے (۳۳)

دوؔست کے گیت 'مولود مسیح' میں درحقیقت دوؔست نے حضرت مسیح کی پیدائش کا منظر باندھا ہے ۔ دوؔست اس گیت میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع کی پیدائش کوئی عام پیدائش نہیں ہے بلکہ ان کے پیدا ہونے سے مشرق سے نور پھوٹا ہے اور ایک روشن صبح طلوع ہوئی ہے یعنی مسیح یسوع سے قبل کا دور اندھیرے کا دور تھا لیکن آپ کے آنے سے ہر طرف روشنی چھانے لگی۔ یہ وہ ذات ہے جس کے آنے سے کلی کلی مسکائی ہے کیونکہ کلی کلی مسرت سے سرشار ہے اور ہر سو خدائے قدوس کا ابرِ کرم برسنے لگا ہے ۔اس لیے کہ آج کا دن مسیح خداوند کی پیدائش کا دن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اب ہر طرف محبت کے نغمے چھڑیں گے اور بربط و نے کے ہونٹ محبت

بھرے نغموں سے جنبش میں آئیں گے کیونکہ رحمتِ یزداں زمین پر اتر آئی ہے۔ دوستؔ کے گیتوں میں مذہبی رنگ ‘روایت سے وابستہ نظر آتا ہے۔ آپ کے تخیل میں تقدس‘ اخلاص اور روحانیت نظر آتی ہے یعنی یہی مذہبی اشعار اکثر اوقات تصوف کے رنگ کے قریب ہو جاتے ہیں۔

ثاقبؔ فیروزپوری :

اصل نام جون ہیرلڈ بھجن اور ثاقبؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش ۸ جون ۱۹۲۹ کو بمقام ابوہر ضلع فیروزپور میں ہوئی۔ ہائی سکول تک کی تعلیم اجمیر سے حاصل کی۔ بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ دہلی یونیورسٹی سے ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ انڈسٹریل فائیننس کارپوریشن نئی دہلی میں ملازمت اختیار کی اور مستقل طور پر دہلی میں ہی مقیم رہے۔ شاعری کا شوق لڑکپن سے تھا۔ آپ کی زبان صاف اور سلجھی ہوئی تھی۔ حصولِ روزگار نے زیادہ لکھنے کی مہلت نہ دی۔ پرچوں میں آپ کا کلام شاذونادر ہی نظر آتا رہا ہے۔ کم تو لکھا مگر رواں اور موزوں لکھا ہے۔

مسیحی تہواروں کے تناظر میں دیکھا جائے تو ثاقبؔ کے ہاں ہمیں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جو ہمیں یہ پتہ دیتی ہیں کہ وہ ان تہواروں کو کس درجے جوش و خروش سے مناتے رہے اور کس والہانہ انداز سے ان مناظر کو اپنے کلام میں جگہ دیتے رہے۔ کرسمس کے حوالے سے ان کے ایک گیت ’بڑا دن‘ سے حضرت یسوع المسیح کی پیدائش کے خوبصورت مناظر بیان کیے گئے ہیں۔ گیت کے پہلے شعر میں ثاقبؔ بڑے دلکش انداز میں اس سرزمین پر مسیح کی آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہماری سرزمیں پہ مالکِ کون و مکاں آیا
بشر کی شکل میں یعنی شفیع عاصیاں آیا[۳۴]

یہاں ثاقبؔ نے بڑی دلکشی سے حضرت یسوع المسیح کی پیدائش کا منظر بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین پر اترنے والی ذات کو دیکھو جو اس سرزمین پر اتر رہی ہے اور ذرا غور کرو تو پتہ چلتا ہے کہ ذاتِ اقدس تو خود کون و مکاں کی مالک ہے اور یہ ذات درحقیقت رب کائنات کا اوتار ہے جس نے بشر کی صورت لے لی۔ وہ مجسم ہو کر اس روئے زمین پر آیا اور اس کے آنے کا اصل مقصد خطاکاروں اور گنہگاروں کی سفارش کرنا تھا۔ ثاقبؔ کا یہ گیت دراصل حقیقی

معنوں میں کرسمس کا عکاس ہے۔ اس گیت میں ثاقبؔ نے کرسمس کا جزئیاتی طور پر بڑے ہی خوبصورت انداز میں مختلف مسیحی عقائد کو سمیٹتے ہوئے' ہر منظر باندھا ہے۔ یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت یسوع مسیح کا اس دنیا میں تشریف آوری کا مقصد بنی آدم کی خطاؤں اور گناہوں کی تلافی تھی۔ سو وہ اس دھرتی پہ آیا تاکہ خطاؤں کی تلافی کی جائے۔ اس کے لیے اُسی کا قربان ہونا اخیر عوامل میں شمار ہوتا ہے۔ اور اس کی پیدائش ابتدائی عوامل میں گنی جاتی ہے۔ اس خاص مقصد کے لیے وہ مجسم ہوا۔

ثاقبؔ اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ آج کا دن حضرت مسیح کی پیدائش کا دن ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ حضرت یسوع مسیح نے خطاکاروں اور گناہ گاروں کے واسطے جنم لیا۔ کفر کا نام ونشان اس دہر سے مٹ جائے اسی لیے وہ مجسم ہوئے اور اسی مقصد کے لیے انہوں نے روئے زمین پر خاص مدت تک وقت گزارا اور ان سے قبل تاریکیوں نے بنی آدم کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور آدم گمراہی میں زندگی بسر کر رہا تھا مگر اس نور یزداں کے آنے سے ہر سُو نور ہی نُور چھانے لگا اور روشنی ہوئی۔ اس گیت کا مذید مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ثاقبؔ نے بڑی خوبصورتی سے حضرت مسیح کی پیدائش کا منظر بیان کیا ہے:

؎ بیاباں ہو گیا روشن، پریشاں ہو گئے چوپاں
خبر لے کر خوشی کی جب فرشتہ ناگہاں آیا
؎ جہانِ دل تھا اب تک جس کے جلوؤں کا تمنائی
مجسم ہو کے وہ ہم خاکیوں کے درمیاں آیا (اردو کے مسیحی شعرا۔ ص ۱۳۳)

یہاں بیاباں کے روشن ہونے اور چوپاں کے گھبرانے کا ذکر در حقیقت یسوع مسیح کی پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔ جب یسوع مسیح کی پیدائش ہوئی تو اسی علاقہ میں رات کے وقت چرواہے اپنے گلّہ کی نگہبانی کر رہے تھے ایسے میں فرشتہ ان چرواہوں کے پاس آن کھڑا ہوا جسے دیکھ کر وہ گلّہ بان ڈرے کیونکہ انہوں نے اپنے گرد بہت نور اور جلال دیکھا۔ مگر وہ فرشتہ ان سے یوں کہنے لگا کہ ڈرو نہیں۔ یہ فرشتہ بشارت کی خبر لایا تھا جس کا ذکر ثاقبؔ کے مذکورہ بالا شعر کے مصرع دوم میں ملتا ہے اسی حوالے سے انجیل مقدس میں کچھ اس طرح سے مرقوم ہے کہ:

"اسی علاقہ میں چرواہے تھے جو رات کو میدان میں رہ کر اپنے گلّہ کی نگہبانی کر رہے تھے۔ اور خداوند کا فرشتہ ان کے پاس آ کھڑا ہوا اور خداوند کا جلال ان کے چوگرد چمکا اور وہ نہایت ڈر گئے۔ مگر فرشتہ نے ان سے کہا ڈرو مت کیونکہ دیکھو میں تمھیں بڑی خوشخبری کی بشارت دیتا ہوں جو ساری امت کے واسطے ہو گی کہ آج حضرت داؤد کے شہر میں تمھارے لیے ایک منجی پیدا ہوا ہے یعنی مسیح خداوند۔ اور اس کا تمھارے لیے یہ نشان ہے کہ تم اسے کپڑے میں لپٹا اور چرنی میں پڑا پاؤ گے۔"(۳۵)

اس میں کچھ شک نہیں کہ وقت خود اس انتظار میں تھا کہ کب وہ ہستی اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس کے آنے سے خاکیوں اور عاصیو ں کو راحت میسر ہو۔ اس لیے نورِ خدا مجسم ہوا۔ عرش کو چھوڑ کر خود کو چرنی میں اتارا اور فرش پر بستر کیا۔ تا کہ گنہگار اور خاکی اور چھوٹے سے چھوٹا انسان بشارت کی خبر پائے۔ اور جھوم اٹھے کہ اس کے لیے اس کا نجات دہندہ آیا ہے۔ تا کہ ساری امت حضرت داؤد کے گھر میں پیدا ہونے والے خدائے قدوس کے نور سے زندگی پائے۔ کیونکہ وہی اپنے لوگوں کا منجی ہے۔ اور جب فرشتہ گلہ بانوں کو یہ خوشخبری دے چکا تو ان کو نشان دیا کہ وہ اس بچے کو چرنی میں کپڑے میں لپٹا پائیں گے اور ان گلہ بانوں نے شتابی سے قدم اٹھائے اور چرنی کی طرف رخت سفر باندھنا۔ اور انہوں نے جب بچے کو چرنی میں کپڑے میں لپٹا پایا تو اسے سجدہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہی منجی ہے یعنی مسیح خداوند۔

انجم لدھیانوی:

آپ کا اصل نام یوسف مسیح اور انجمؔ تخلص کرتے ہیں۔ آپ ۳۱ مارچ ۱۹۳۲ء کو فیروز پور چھاؤنی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا وطن لدھیانہ ہے۔ آپ نے انگریزی میں ایف۔ اے اور اردو میں ادیب فاضل کی ڈگری حاصل کی۔ مشن سکول موگا سے جے۔ بی۔ ٹی کی سند حاصل کی اور پنجاب سرکار کے محکمۂ تعلیمات میں بطور معلم ملازمت اختیار کی۔ اسکول کے زمانے سے شعر کہنا شروع کیا۔ شاعری کے ساتھ ساتھ مصوری اور موسیقی کا بھی شوق رہا۔ ۱۹۶۸ء میں حضرت منوّر لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور استاد کے انتقال کے بعد حضرت مشیرؔ جھنجھاوی سے فیض حاصل کرنا شروع کیا۔ خانگی زندگی پُر درد رہی۔ شریک حیات نے دغادی اور بے وفائی کی

جس کی وجہ سے بہت دل شکستہ ہوئے۔ پہلو میں زخمی دل رکھا اور سکونِ دل کی خاطر خوب لکھا۔ آپ کے ہاں چست تراکیب اور دلآویز بندشیں ہیں۔ کلام میں جوش نظر آتا ہے۔ 'تابشِ انجم' اور 'حیات نو' کے نام سے آپ کے دو مجموعہ کلام منظرِ عام پر آئے۔

مذہبی تہوار کے تناظر میں دیکھا جائے تو انجمؔ کے ہاں ہمیں بڑے جوشیلے انداز سے ایسے مضامین ملتے ہیں جو ان تہواروں کی خوبصورتی سے عکاسی کرتے ہوں۔ مذہبی تہواروں میں کرسمس یعنی بڑے دن کے حوالہ سے بات کی جائے تو اس سلسلے میں ان کا ایک گیت 'منجیِ ضَوصفات' اپنی مثال آپ ہے جس میں انجمؔ اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت مسیح آسمان کی بلندیوں سے نورانی صفات سے معمور ہستی ہو کر آئے ہیں اور جب ایسی ہستی روئے زمیں پر تشریف آور ہے تو پھر کائنات کا ہر ذرہ شاد کیوں نہ ہو؟ اور کہتے ہیں کہ اس نورانی ذات کے زمیں پہ اترنے سے کفر کا خاتمہ ہوتا ہے اور وہ اس امر کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس ذات کے سوا کسی اور ہستی کے پاس یہ خوبی نہیں کہ وہ زندگی عطا کرے۔ ان کے گیت 'منجیِ ضوصفات' سے اسی حوالے سے یہ اشعار دیکھیئے۔

؎ اوجِ فلک سے آئے ہیں منجی ضوصفات

مسرور شاد کام نہ پھر کیوں ہو کائنات

؎ یزداں کے نورِ پاک سے ہے جلوہ گر حیات

کردارِ کفر آج ہو کیوں مظہر ممات[۳۶]

ان اشعار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انجمؔ اس عقیدے کے معترف ہیں کہ حضرت مسیح یسوع کی ذات اقدس کے وجود کی کڑیاں اوجِ فلک سے ملتی ہے اور بلاشبہ اس نورانی ذات کا تعلق فلک کی بلندیوں سے ہے وہ رفعتوں کی بانہوں میں بسنے والی ذات ہے اسی کا ذکر انجمؔ بھی کرتے ہیں کہ جو ضوصفات ذات ہے وہی منجی ہے۔ ایسی ہی بشارت ہمیں اس فرشتے کے لبوں پر ملتی ہے جو میدان کے گلّہ بانوں کو بتاتا ہے کہ ساری امت کا منجی پیدا ہوا ہے۔ انجمؔ بھی اسی ضوصفات ذات سے متعلق کہتے ہیں کہ وہ آسمان کی بلندیوں سے اس دھرتی پر آیا ہے اور ایسی شاندار ہستی کی اس دنیا میں آمد پر یہ ساری کائنات آخر کیوں مسرور نہ ہو۔ وہ کہتا ہے کہ بے شک مسیح کی پیدائش

خدائے قدوس کے نور پاک سے ہوئی ہے اور مسیح یسوع اسی کے نور کا حصہ ہے۔ اور جب وہ نورِ خدا اس دھرتی پر اتر آیا ہے تو پھر کفر کے اندھیرے کیوں نہ چھٹیں؟ کیوں نہ تاریک مظہر اجالے سے شکست کھائیں ۔مات کا بار اٹھانہ پائیں تو چار سُو سر کیوں نہ ٹکرائیں؟ ایسا اس لیے ممکن ہوا ہے کہ آج کے روز نورِ خدا اس روئے زمین پر آیا ۔اس کا پیدا ہو کر آنا بلاشبہ بڑی خوشخبری ہے۔ مسیح کے پیدا ہونے کی بشارت اور یہی پیدا ہونے کا دن آج تک مسیحیوں میں ایک تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یہ دن بڑی شان و شوکت اور جوش و خروش سے منایا جاتا ہے کیونکہ مسیحی عقیدہ ہے کہ آج کے دن منجی خداوند اس روئے زمین پر آیا ۔اس نے عرش کو چھوڑ کر بنی نوع انسان کے لیے چرنی میں جنم لیا اور فرش پر بستر کیا اسی تہوار کو مسیحی کرسمس کا تہوار کہتے ہیں۔

عیدِ قیامت المسیح:

عید قیامت المسیح بھی مسیحی برادری کا ایک اہم مذہبی تہوار ہے۔ یہ ایک بڑی عید ہے جسے حضرت یسوع المسیح کے جی اٹھنے کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ اس کی تاریخ کے حوالے سے قاموس الکتاب سے یہ تفصیل دیکھیئے:

> " اس کی تاریخ ۲۲ مارچ اور ۲۵ اپریل کے درمیان ہوتی ہے۔ یعنی موسم بہار کے اُس دن کے بعد جب دن اور رات برابر ہوتے ہیں (۲۱ مارچ)۔ اس کی تاریخ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ ۲۱ مارچ یا اس کے بعد جس تاریخ کو چاند پورا ہو، اس کے بعد پہلا اتوار ایسٹر ہو گا لیکن اگر پورا چاند اتوار کے دن ہو تو اس سے اگلا اتوار ایسٹر ہو گا۔ " (۳۷)

ذیل میں اسی حوالے سے مسیحی شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

رسؔا لکھنوی:

اصل نام الیاس داس اور رسؔا تخلص کرتے تھے۔ آپ ۲۵ دسمبر ۱۸۷۹ء کو لکھنو میں ہوئے۔ تعلیم و تربیت کا سلسلہ اپنے لکھنؤ میں ہی مکمل کیا۔ تحصیل علم کے بعد مکتی فوج (آرمی سالویشن) میں بطور پادری اپنی خدمات سر انجام دینے لگے اور ترقی کرتے کرتے بریگیڈیر کے عہدے تک پہنچ کر ریٹائر ہوئے اور امرتسر میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ۲۲ مئی ۱۹۶۵ء بمقام قادیان رحلت فرمائی۔

افضل الدولہ فصاحتِ جنگ منشی افضل علی خان افضلؔ لکھنوی سے تلمذ تھا۔ رساؔ کے والدِ محترم بھی شاعر تھے یعنی یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ شاعری آپ کو ورثے میں ملی۔ آپ کو فصیح الکلام اور ملک الشعرا کے خطابات سے بھی نوازا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پنجاب گورنمنٹ نے سالانہ وظیفہ بھی عطا کیا تھا۔ آپ کو بحور و عروض پر کمال حاصل تھا۔ موزوں اور رواں کلام لکھتے تھے۔ رساؔ نے تمام صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ غزلیں زیادہ تر طویل ہی لکھتے۔ قافیہ پیمائی کے بے حد شوقین تھے۔ آپ زیادہ تر زود نویسی سے کام لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ ایک ہی بات کو کئی انداز سے کئی جگہ کہہ جاتے تھے۔ مسیحی اعتقادات کو کئی انداز سے بڑی کمال چابکدستی سے نظم کرتے۔ ان کے اشعار کیف و سرور سے مست ہوتے۔ اپنے فن میں کامل اور منفرد انداز کا ثمر ہی تھا کہ آپ کے بہت سے شاگرد بھی تھے۔ محض یہی نہیں بلکہ آپ کی بدولت آپ کا تمام خاندان بھی شاعرانہ رنگ میں رنگ گیا۔ ان کے ایک شاگرد رشید حضرت ولیم سوہن لال ضیاء گھمانوی لکھتے ہیں:

> ”رساؔ صاحب مجھے ہر شام بلواتے تھے۔ ان کی کوٹھی میں انگیٹھی تپتی۔ سلگتے کوئلوں پر ایک بڑی سی کیتلی میں چاء رکھی ہوتی۔ رساؔ صاحب دھوتی پہنے اور کمبل اوڑھے رہتے میرے ہاتھ میں کاغذ اور قلم دوات دیتے اور کہتے کہ لکھتے جاؤ۔ آپ اشعار بولتے اور میں لکھتا جاتا۔ ذرا غنودگی آئی تو فوراً حکم دیتے۔ ماسٹر جی چاء بناؤ۔ خود پیتے مجھے بھی پلاتے پھر وہی دور شروع ہو جاتا۔ استاد رساؔ صاحب مرحوم سادہ لوح، زندہ دل، چوٹی کے مہمان نواز اور ہر دل عزیز تھے۔ غریبوں پر رحم کھانا ان کا خاصہ تھا۔ میں نے ان کی طبیعت میں غصہ بالکل نہیں دیکھا تھا۔“[۳۸]

یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ بنی نوع انسان کی مخلصی کے لیے حضرت یسوع مسیح اس دنیا میں ایک کنواری سے پیدا ہو کر آئے۔ زندگی کے ایام بسر کیے اور احکامات خداوندی کو بخوبی نبھاتے ہوئے صلیبی موت کو کھلی بانہوں سے قبول کیا اور تیسرے روز مُردوں میں سے جی اٹھے۔ جی اٹھنے کا یہ دن عید قیامت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ رساؔ کے گیتوں کا مطالعہ اس نتیجے تک لے جاتا ہے کہ ان کے ہاں یوں تو کئی موضوعات شعری سانچوں میں ڈھلے ہوئے ملتے ہیں مگر عید القیامت مسیح کا رنگ ایک نکھار کے ساتھ قاری کے دل پر نقش کر جاتا ہے۔ ایک ایسا رنگ جو مسیح کے جی اٹھنے کی خوشیوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے ان کے گیت ’عیدِ قیامت‘ سے یہ شعر دیکھیے:

؎ رنگ فرحت کا جما عید قیامت آئی

شور ہر سو ہے مچا عید قیامت آئی[۳۹]

رسؔا اپنے ایک گیت 'عیدِ قیامت' میں اسی روز کی خوشیوں کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر طرف حضرت یسوع مسیح کے مُردوں میں سے زندہ ہونے کی دھوم مچی ہے اس کے جی اٹھنے کا چرچا ہے اور انہی خوشیوں نے عجب رنگ جمایا ہے جسکا ذکر ہر ذی روح کے لبوں پہ ہے۔

جی اٹھنے کا منظر مسیح یسوع سے محبت کرنے والوں کے لیے جس قدر باعثِ مسرت رہا۔ اس کے برعکس یہی منظر موت کے لیے اسی قدر باعثِ شرمندگی تھا۔ اپنے ایک شعر میں رسؔا حضرت مسیح یسوع کو جی اٹھتے دیکھ کر موت کی بے حالی کا منظر بڑی خوبصورتی سے باندھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آج موت جب مسیح یسوع کو مردوں میں سے جی اٹھتے دیکھتی ہے تو وہ شرمندگی سے اپنا سر سے جھکا لیتی ہے۔ اور بے شک یہ موت کے لیے شرمندگی کا دن ہے اس کے برعکس بنی نوع انسان اور کل کائنات کے لیے ایک بڑی عید اور جشن کا تہوار ہے کیونکہ آج مُردوں کی قیامت کا دن ہے۔

مسیح کے جی اٹھنے کی خبر سن کر مریم اور مسیح کے شاگردوں کی حالت اس شعر سے ملاحظہ ہو سکتی ہے:

؎ دل میں شاگردوں کے پھر دوڑ گئی زیست کی لہر
ایسی کچھ لے کے ہوا عید قیامت آئی(پ۵۴)

اپنے مالک کو کھو دینے بلکہ انتہائی تکلیف دہ حالت میں کھو دینے کے بعد شاگردوں اور مسیح یسوع کے چاہنے والوں کی حالت بے حد کربناک تھی۔ لیکن یسوع مسیح کے جی اٹھنے کی خبر سن کر بلاشبہ ان کے شاگردوں کے دلوں میں اک نئی امنگ نے جنم لیا بلکہ یہ کہنا زیادہ بجا ہو گا کہ ان پر جو افسردگی چھائی ہوئی تھی اور آہ وفغاں کا عالم تھا۔ وہ سب یکسر بدلا۔ غم کے سبھی بادل چھٹ گئے اور زندگی کی اک نئی لہر ان میں دوڑنے لگی۔ کیوں کہ آج ان کا مالک مردوں میں سے جی اٹھا۔ بلاشبہ مقدسہ مریم کے دکھ کا اندازہ کرنا بھی کسی کرب سے کم نہ ہو گا لیکن مسیح یسوع کے جی اٹھنے کی خبر ایک ماں کے لیے بھی ایک بڑی خوشخبری تھی۔ مقدسہ مریم کو جب مسیح یسوع کے جی اٹھنے کی خبر ملی تو وہ دیوانہ وار ہر اک شخص کو یہ خوشخبری دینے لگیں۔ دیوانگی سے پُر اس منظر کو رسؔا بڑے شاندار انداز سے بیان کرتے ہیں۔ رسؔا کے گیت اعجازِ مسیحا، فضل کا شور' اور ان کے ساتھ ساتھ 'خداوندِ مسیح برحق' بھی اسی مضمون کو اپنے اندر بڑی خوبصورتی سے سمیٹے ہوئے ہیں۔

کے۔ آر۔ ضیاء:

اصل نام کاشی رام ضیاء تھا۔ آپ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو داود دھر، تحصیل موگا۔ ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ پرائمری کا امتحان داود دھر سے ہی پاس کیا۔ مڈل کا امتحان مشن نارمل سکول موگا سے پاس کیا۔ اردو فاضل کا امتحان دیا مگر والدہ کی وفات کے باعث ایک پرچہ میں غیر حاضری ہوئی اور اردو فاضل کے اعزاز سے محروم رہ گئے۔ آپ نے مشن سکول موگا میں دو سال تک تدریس کے فرائض بھی انجام دیے۔ آپ تقریباً بائیس سال تک کرسچن ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ سیالکوٹ سے بھی وابستہ رہے۔ آپ یو۔پی مشن کے زیر انتظام چلنے والے سکول کے انسپکٹر کی خدمات بھی دس سال تک انجام دیتے رہے۔ آپ ایف سی کالج لاہور کے پولیٹکل اینڈ سوشل انسٹی ٹیوٹ کے سٹاف انچارج کے طور پر تحقیق کی خدمات دیتے رہے۔ اس کے بعد اگلے کئی سالوں تک تھیالوجیکل سیمنری آصف ٹاؤن لاہور میں تدریس کی خدمات انجام دیں۔

کے۔ آر۔ ضیاء کا مذہبی گیتوں پر مبنی پہلا شعری مجموعہ 'نغمۂ زندگی' ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔ دوسرا شعری مجموعہ ۱۹۵۶ء میں "ترانۂ زندگی" کے عنوان سے چھپا۔ انہوں نے تعلیم بالغاں کے لیے بھی کتابیں بعنوان 'کرنیں' اور 'پھٹی ہوئی چادر' لکھیں۔ آپ نے پنجابی زبان میں بھی شاعری کی۔ آپ کا پنجابی شعری مجموعہ 'سانجھیاں پیڑاں' کے عنوان سے ۱۹۷۸ء میں چھپا۔ 'جاگتے حروف' کے عنوان سے ایک اور مذہبی کلام پر مبنی کتاب ۱۹۹۱ء میں چھپی۔ 'چراغ آخر شب' کے عنوان سے آپ کا ایک اور شعری مجموعہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ آپ کے غزلیہ کلام اور قطعات پر مشتمل ہے۔ 'برصغیر کے گیت نگاروں کے ادوار' کے عنوان سے آپ نے ایک تحقیقی کتاب پر کام شروع کیا مگر یہ کام آپ کی شدید علالت کی بنا پر رک گیا اور افسوس کہ آپ کی وفات کے بعد یہ کام رک گیا۔

کے۔ آر۔ ضیاء کی علمی اور ادبی خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے ۱۹۹۳ء میں چرچ آف پاکستان کی طرف سے انہیں ایوارڈ سے نوازہ گیا۔ ۱۹۹۶ء میں رومن کاتھولک چرچ نے بھی ایوارڈ دیا۔ ۱۹۹۹ء میں پاکستان گاسپل اسمبلیز لاہور نے آپ کو حسن کارکردگی ایوارڈ سے نوازا۔

کے۔ آر۔ ضیاء کے گیتوں کا مطالعہ کریں تو ان کے ہاں کئی موضوعات ملتے ہیں۔ ان کے گیتوں میں مسیحی عقائد اور مسیحی تعلیمات کی ترجمانی ملتی ہے۔ یہی نہیں ان کے ہاں مسیحی تہواروں جیسے کہ کرسمس اور عید قیامت المسیح پر بھی سے گیت ملتے ہیں۔ ان کے گیتوں میں عید قیامت المسیح کا مضمون زیادہ شاندار انداز میں سامنے آتا

ہے۔ان کے وہ گیت جو عیدِ قیامت المسیح کے مضمون کو اپنے اندر سموئے ہیں' نئے ولولے اور جوش سے بھرپور گیت ہیں۔مثال کے طور پر ان کے گیت "عید قیامت المسیح" سے یہ بند ملاحظہ ہوں:

وہ جس نے کانٹوں کا تاج پہنا
وہ جس نے کوڑوں کے زخم کھائے
وہ جس نے سولی پہ جان دے کر
تمام میرے گناہ اٹھائے
وہ جی اٹھا ہے۔وہ جی اٹھا ہے(۴۰)

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ کے آر ضیاء کتنی خوبصورتی سے تخیل کو لفظوں کے سانچے میں ڈھالتے ہیں وہ حضرت مسیح یسوع کے جی اٹھنے کی گواہی دے رہے ہیں مگر ساتھ ہی میں وہ اپنی گواہی کو اور زیادہ مضبوط کرتے ہیں اور اس مضبوطی کے لیے وہ قاری کو واپس تصلیب کی طرف لے جاتے ہیں۔ان اشعار کو پڑھ کر حضرت مسیح یسوع کے جی اٹھنے کے پہلے گواہوں یعنی وہ عورتیں جو مسیح کی قبر پر ان کی تدفین کے تیسرے روز گئیں' کی یاد آجاتی ہیں۔ جنہوں نے قبر کے پتھر کو لڑھکا اور قبر کو خالی پایا اور جب فرشتہ نے انہیں مسیح کے جی اٹھنے کی خبر دی تو وہ یہ خوشخبری اوروں کو سنانے کے لیے دوڑیں۔شاید ان لبوں پر بھی یہی الفاظ تھے کہ جس یسوع نے تین دن پہلے صلیب کا بھاری دکھ سہا' جو زخموں سے چُور ہوا' جس نے بھالا کھایا' جس کا خون بہایا گیا' وہ جو مر گیا' جسے دفن کیا گیا وہ جی اٹھا ہے وہ جی اٹھا ہے۔

کے۔آر۔ضیاء کی خوشی کی انتہا ہمیں ان اشعار میں خوب نظر آتی ہے

"وہ جی اٹھا ہے" کا دو بار استعمال شعری ضرورت تو ہے ہی مگر یہ ضرورت سے زیادہ جذبے اور طرب کی شدت معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ ایک مسیحی کے لیے مسیح کے جی اٹھنے کی خبر کوئی عام خبر نہیں اور کے۔آر۔ضیاء اس کی گواہی اپنے ان اشعار میں بڑے جوش سے بیان کر رہے ہیں۔

ان کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

وہ جی اٹھا ہے یہ مژدہ سناؤ دنیا کو
یہ خالی قبر کا منظر دکھاؤ دنیا کو

(جاگتے حروف۔ ص ۶۰)

اس انتخاب سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کے۔ آر۔ ضیاء مسیح کے جی اٹھنے کی خبر کو کس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح یسوع کا مُردوں میں سے تیسرے دن جی اٹھنا کوئی عام خبر نہیں۔ سو وہ کہتے ہیں کہ یہ خوشخبری جاکر ساری دنیا کو سناؤ۔ اس کے گواہ بنو اور اک کی تبلیغ کرو کہ وہ جی اٹھا ہے۔ یہ دستور زمانہ ہے کہ اگر کسی شخص کی موت ہو جاتی ہے تو تدفین کی رسم کو پورا کرتے ہوئے اسے دفنایا جاتا ہے اور اس کو قبر میں اتارا جاتا ہے۔ یعنی اس شخص کی وفات کے بعد ہمیں اس کی قبر ملتی ہے یا کم سے کم اس کی قبر کے آثار ملتے ہیں۔ مگر واحد مسیح یسوع کی قبر ایسی قبر ہے جو آج بھی خالی ہے۔ کے۔ آر۔ ضیاء ساری دنیا میں مسیح یسوع کا گواہ بننے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کیسا دلکش منظر تھا کہ وہ جو اس کی قبر کو مہر بند کر چکے تھے وہ بھی حیران تھے کہ کیا ہوا۔ لیکن مسیح کی قدرت اور جلال ایسا شاندار ہے کہ اس کی قبر خالی ملی اور وہ زندہ۔

جوزف انؔور اجمیری:

اس نمائندہ مسیحی شاعر کا اصل نام عمانوایل جوزف جبکہ انؔور تخلص کرتے ہیں۔ ۱۹ نومبر ۱۹۲۸ اجمیر میں پیدا ہوئے۔ دستورِ زمانہ کے مطابق اجمیر سے ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم شاعری کی طرف رجحان ہوا اور یہی رجحان شوقِ مطالعہِ فطرتِ ثانی کا سبب بنا۔ لڑکپن بے راہ روی میں گزرا۔ درسی کتابوں سے خشک یکسانیت کی وجہ سے دل اچاٹ ہو گیا۔ شرلاک ہومز اور بلیک کے ناولوں سے لطف لینے لگے۔ بڑی مشکل سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پہلے فوج میں بھرتی ہوئے۔ تین سال تک فوج میں اپنی خدمات بخوبی انجام دیں مگر پھر اس ملازمت سے سبکدوش ہو کر ریلوے میں بطور گارڈ اپنے فرائض انجام دینے لگے۔ اور سایر متی (احمد آباد) میں مستقل طور پر مقیم ہوئے۔

انؔور صحیح معنوں میں شاعر و ادیب ہیں۔ آپ نے ہر صنف سخن میں خامہ فرماسی کی۔ ہندی عروض سے زبردست واقفیت رہی۔ آپ ہندی اسلوب سے گہرے متاثر تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں ہندی الفاظ کا کثرت سے استعمال ملتا ہے۔ آپ کے کلام میں درد اور مایوسی کے عناصر بھی صاف جھلکتے ہیں۔ صلیب آپ کا محبوب ترین موضوع ہے یہی پسندیدگی آپ کو بلند پردازی تک لے جاتی ہے۔ انؔور سادہ اور عام فہم زبان کے قائل انسان ہیں۔ انؔور کے ہاں چست تراکیب اور دل آویز بندشیں ملتی ہیں۔ زبان اتنی لطیف ہے کہ شیرینی اور حلاوت کا احساس

جگتا ہے۔ آپ کے کلام میں ہندی اور اردو کے دلکش امتزاج نے کلام کو بے حد حسن نے نوازا ہے۔ انور نے مقالے اور افسانے بھی لکھے۔ آپ کا شاہکار افسانوی مجموعہ 'سُشما' دیوناگری میں شائع ہوا۔ مزاج نگاری میں آپ کا قلم جولانیاں دکھاتا رہا۔ آپ کے ہاں گاؤں والوں کی حالت، زندگی، جذبات و احساسات کی بڑی خوبصورتی سے عکاسی ملتی ہے۔

مذہبی تہواروں میں عیدِ قیامت المسیح یعنی مسیح یسوع کے جی اٹھنے کے جشن کے حوالے سے انور کے ایک گیت 'آئینۂ ذاتِ خدا' میں بڑے سادہ الفاظ میں ذکر ملتا ہے۔ اس گیت میں وہ مسیح کے جی اٹھنے کا اعتراف کرتے ہیں۔ ان سے پہلے چونکہ ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا اس لیے انور کہتے ہیں کہ دنیا میں آج تک ایسا عجیب واقعہ درپیش نہیں ہوا کہ کوئی ہستی موت کے ڈنگ سے بچ نکلی ہو۔ ہر ذی روح نے موت کا مزہ چکھا اور وہ خاک میں مل کر خاک ہوا لیکن مسیح یسوع کی شخصیت پر قضا کے نیش کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اسی حوالے سے ان کے گیت 'آئینۂ ذاتِ خدا' سے یہ اشعار دیکھیے:

؎ایسا اک معجزہ دنیا میں ہوا آج کے دن
جی اٹھا منجی محبوب خدا آج کے دن
؎زیست خود آگئی تفسیرِ حقیقت بن کر
کام جب کر سکا نیشِ قضا آج کے دن[۴۱]

انور کے اس گیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسیح خداوند کے جی اٹھنے پہ کامل یقین رکھتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ آج کے دن ایک عجیب کام ہوا ہے اور ایسا عجیب کام انہوں نے آج کے دن تک نہ کبھی سنا اور نہ دیکھا۔ اور وہ عجیب معجزہ مسیح خداوند کا مر کر دفنائے جانے کے بعد تیسرے روز مُردوں میں سے جی اٹھنا ہے۔ انور خود کہتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ مسیح یسوع نے دم توڑا اور ان کو دفنائے جانے کے تیسرے روز جب روایت کے مطابق چند عورتیں ان کی قبر پر گئیں تو انہوں نے قبر کے پتھر کو لڑھکا ہوا اور قبر کا خالی پایا اور فرشتہ نے ان کو بتایا کہ وہ جسے ڈھونڈتیں ہیں وہ جی اٹھا ہے۔ اس عجیب واقعے سے انور مذید آگے چلتے ہیں اور کہتے ہیں مسیح یسوع کی ذات جو معجزات سے بھری ہوئی ذات ہے۔ ان پر موت بھی کوئی دیرپا اثر نہ کر سکی ہے۔ اور جب قضا بے سود رہی تو ایسے میں زندگی حقیقت بن کر خود سامنے آن کھڑی ہوئی۔ یہی بڑی خوش خبری جس کا تعلق مسیح کے جی اٹھنے سے ہے دراصل عید قیامت المسیح کے طور پر جانی اور منائی جاتی ہے۔

جی اٹھنے کے جشن سے متعلق انور بڑی خوبصورتی سے رنگ بھرتے نظر آتے ہیں وہ گُلوں، تاروں اور معطر فضاؤں کا ہی ذکر نہیں کرتے بلکہ ان کو یہ زمیں بھی فرشِ بریں کا گمان دیتی ہے۔اسی حوالے سے ان کے گیت 'آئینہ ذاتِ خدا' سے یہ اشعار دیکھیئے:

سج کے آئی ہے بصد شوقِ عروسِ گلشن

سیج پر گُل کی ہے تاروں کی ردا آج کے دن(پ۔۱۹)

اسی گیت میں سر مست فضا کا ذکر چھیڑتے ہی انور مئے اور خُم کا تذکرہ کرتے نظر آتے ہیں وہ اپنے تخیلات اور طائر فکر اور صبا کی بات چھیڑتے ہیں۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ کیا ہی شاندار دن ہے کہ دونوں عالم پہ اک وجد کا عالم طاری ہے اور ایسا لگتا ہے کہ آج کے دن دل کے ساز پر کسی نے کوئی دل نشیں نغمہ چھیڑا ہو۔ آخر میں وہ اسی دن کو جوش و خروش سے منانے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مجھے جس نے یہ درد لکھنے کی طاقت عطا کی گئی ہے میں آج کے اس دن سے متعلق اسی کی شان میں کیوں نہ لکھوں۔ انور خوشی اور مسرت سے سرشار ہیں اور بتاتے ہیں کہ آج کے دن دونوں عالم پر ایک عجیب و غریب وجد طاری ہے اور اس خوبصورت رنگ کی بدولت دل کی دنیا کا بھی اک عجب ہی اک جدا ہی عالم ہے کہ یوں لگتا ہے کہ کسی نے سازِ دل پہ کوئی نغمہ چھیڑ دیا ہو۔ اور اس کیفیت سے انور کے دل کو دولت درد سے معمور کر دیا ہو تو پھر وہ اس سرشاری میں کیوں نہ شوق کی انتہا تک مدح اور ستائش کرے۔

مسیحی مبلغین نے جب انجیل کی بشارت شروع کی اور مسیحی گیتوں کو فروغ دیا تو بہت سے مسیحی شعرا منظر عام پر آئے جنہوں نے مسیحی عقائد اور مسیحی تہواروں کے تناظر میں بے شمار گیت لکھے۔ ان گیتوں میں کمال درجہ کی منظر نگاری جھلکتی ہے۔ اس کے علاوہ عقائد کے تناظر کے حوالے سے بھی غور کیا جائے تو مسیحی شعرا نے سبھی عقائد کو موضوع سخن بنایا۔ ان عقائد میں بے پدر تخلیق' پسرِ خداوندی 'معجزاتی صفات' تصلیب اور آمدِ ثانی جیسے مضامین کو لفظوں کا خوبصورت جامہ پہنایا گیا۔ ان مضامین میں بے پدر تخلیق کا عقیدہ اس بات پر ایمان ہے کہ مسیح یسوع کی پیدائش کنواری مریم سے ہوئی اور ان کا کوئی جسمانی باپ نہیں۔ اس سلسلے میں خدائے قدوس نے لاویوں کے خاندان سے مریم نامی کنواری کا انتخاب کیا جس کی منگنی یوسف نامی شخص سے ہو چکی تھی۔ یہ بھی مسیحی عقیدہ ہے کہ یوسف پر خدا نے خواب کے ذریعے ظاہر کیا کہ اس کی منگیتر روح خدا کے وسیلہ سے حاملہ ہے سو وہ اسے اپنے ہاں لے آئے سو یوسف نے اس سے شادی کی۔ اور اسے تب تک نہ جانا جب تک اس کے بیٹا پیدا نہ ہوا۔ اس باب میں

ثمؔر دہلوی، میگؔ اجمیری، واقفؔ جالندھری، ہماؔمیرٹھی، یونسؔ جالندھری، ذاؔکر میرٹھی اور حاکم سنگھ راہیؔ لدھیانوی جیسے شعرا کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے مسیح یسوع کو خدا کی بے پدر تخلیق کہا ہے اور اسے موضوع سخن بنایا۔ پھر ایک اور عقیدہ کو موضوع سخن بنایا گیا۔ اس عقیدے کے مطابق مسیح یسوع کو 'پسر خداوندی' تسلیم کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ مانا جاتا ہے کہ مسیح یسوع خدا تعالیٰ کے فرزند ہیں۔ ان کے پاس ہر وہ وصف ہے جو رب کائنات کی ذات میں ملتا ہے ۔ مسیحی شعرا میں جو بڑے نام اس عقیدے کو موضوع سخن بنا رہے تھے ان میں جیکب ڈین شاؔد، شاؔطر الہ آبادی، طاؔلب شاہ آبادی، نادؔر شاہ جہاں پوری اور نحؔیف دہلوی قابل تحسین ہیں ۔ اس کے علاوہ مسیح یسوع کے معجزاتی اوصاف پر مبنی شاعری ملتی ہے یعنی ایسے گیت جن میں مسیح یسوع کے معجزات کا تذکرہ ملتا ہے ان میں جان انؔجلو اور برٹی ٹرنی کاؔمل کے نام قابل ستائش ہیں۔ پھر تصلیب کا عقیدہ سب سے زیادہ مقبول رہا اس پر بہت زیادہ کلام لکھا گیا۔ تصلیب کا عقیدہ یعنی اس بات پر ایمان کہ مسیح یسوع کو صلیب دی گئی اور اسی صلیب پر ان کی موت ہوئی۔

شعرا نے تصلیب کے ہر اک جزو پر خوب قلم آزمائی کی۔ ان شعرا میں عاشقؔ مراد آبادی، پی۔ ڈی۔ رفائل اور بدر بریلوی کے نام زیادہ سراہے گئے۔ پھر مسیحی عقیدوں میں ایک اور حیرت انگیز عقیدہ بھی ملتا ہے۔ بلاشبہ آمد ثانی کا عقیدہ حیرت کا مینار کھڑا کر دیتا ہے اس عقیدہ کے مطابق اس امر پر یقین رکھا جاتا ہے کہ یسوع مسیح کو صلیب دی گئی اور اسی صلیب پر انہوں نے دم توڑا اور ان کو دفن کر دیا گیا اور تدفین کے تیسرے روز وہ مُردوں میں سے جی اٹھے اور ان کی قبر آج تک خالی ہے۔ زندہ ہونے کے بعد یسوع مسیح کئی لوگوں پر ظاہر ہوتے رہے۔ آخری بار جب وہ اپنے شاگردوں اور چند لوگوں پر ظاہر ہوئے تو ان سے باتیں کرتے ہوئے آسمان پر جاتے دکھائی دینے لگے اور بدلیوں نے ان کو چھپا لیا اور آسمان سے یہ آواز آئی کہ جیسے ان کو جاتے دیکھا گیا اسی طرح ان کو واپس آتے بھی دیکھا جائے گا۔ ان کی واپسی ' آمد ثانی' کہلاتی ہے۔ اس زمرے میں بیتابؔ سنسار پوری، شاؔکر میرٹھی، جی ایم سنگھ گُلؔ اور موؔجِ زیبائی کے نام کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ عقیدوں کا سلسلہ اختتام کو پہنچتا ہے تو مسیحی تہواروں کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ ان تہواروں میں کرسمس اور عید قیامت المسیح اہم ہیں۔ دونوں تہوار مسیحیوں میں نہایت خوشی سے منائے جاتے ہیں۔ کرسمس کو بڑا دن بھی کہا جاتا ہے۔ اس دن کو مسیح یسوع کی ولادت کی یاد میں بڑی خوشی سے

منایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ثاقبؔ فیروز پوری، انجمؔ لدھیانوی اور دوستؔ جالندھری کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ عید قیامت المسیح کو مسیح یسوع کے جی اٹھنے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ جوزف انورؔ اجمیری، رساؔ لکھنوی، اور کے۔ آر۔ ضیاءؔ کے نام اس سلسلے میں بے حد مقبول ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، متی کی انجیل: ۱ باب ۱۸ تا ۲۵ آیات، ص ۵

۲۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳ء، ص ۱۵۴

۳۔ ہینسن ریحانی لکھنوی، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۳۲

۴۔ ایضاً، ص ۱۲۷

۵۔ ایضاً، ص ۱۵۲

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۷۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۸۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳ء، ص ۱۶۲

۹۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، متی کی انجیل: ۳ باب ۱۶ تا ۱۷ آیات، ص ۶

۱۰۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳ء، ص ۶۹

۱۱۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ،پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۱۳۴

۱۲۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳ء، ص ۲۸۳

۱۳۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ،پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۴۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۹۳

۱۵۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، لوقا کی انجیل: ۲۳ باب ۳۴ آیت، ص ۶۹

۱۶۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳ء، ص ۳۱۱

۱۷۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ،پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۱۳۸

۱۸۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، متی کی انجیل: ۸ باب ۱۶ آیت، ص ۱۱

۱۹۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳ء، ص ۲۵۲

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۸

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۵۲

۲۲۔ پی۔ڈی۔ رفائل، مومن کے گیت، کیپوچن گھرانہ پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص ۹۱

۲۳۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، متی کی انجیل: ۲۷ باب ۴۶ تا ۵۱ آیات، ص ۵۱

۲۴۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ،پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۹۶

۲۵۔ طالب شاہ آبادی، سمن زار، ہنری مارٹن انسٹیٹیوٹ حیدرآباد دکن، بھارت، جولائی ۱۹۸۰ء، ص ۲۷

۲۶۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، مرقس کی انجیل: ۱۶ باب ۱ آیت، ص ۵۱

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۲۸۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ،پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ

پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۲۵

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۲۳

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۱۸

۳۱۔ ایضاً، ص ۶۷

۳۲۔ ایف۔ایس۔ خیر اللہ، قاموس الکتاب لغات بائبل، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۴۷

۳۳۔ کنول فیروز (ڈاکٹر)، جمالِ فکر، مکتبہ شاداب لاہور۔ ۱۹۶۹، ص ۱۹

۳۴۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳، ص ۱۳۳

۳۵۔ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انار کلی لاہور، لوقا کی انجیل: ۲ باب ۸ تا ۱۲، ص ۵۳

۳۶۔ ہینسن ریحانی لکھنوی، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ

پریس، چار کمان، حیدر آباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۱۴

۳۷۔ ایف۔ایس۔ خیر اللہ، قاموس الکتاب لغات بائبل، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۸

۳۸۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳ء، ص ۱۶۹

۳۹۔ ہینسن ریحانی لکھنوی، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ

پریس، چار کمان، حیدر آباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۵۴

۴۰۔ کے آر ضیاء، جاگتے حروف لاہور، علمی اشاعت خانہ لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۵۳

۴۱۔ ہینسن ریحانی لکھنوی، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چار کمان، حیدر آباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۱۹

باب سوم:

غیر مسیحی شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری

مسیحی گیت نگاری سے مراد وہ تمام نمونہ کلام ہے جس میں شعرا کے ہاں حضرت مسیح یسوع اور ان کی ذات سے وابستہ حالات اور واقعات کا ذکر ملتا ہے۔ اس باب میں غیر مسیحی شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان شعرا میں مسلم اور ہندو شعرا کے مسیحی گیتوں کو زیر بحث لایا گیا ہے

۱۔ مسلم شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری:

اسلامی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے نبی ہیں۔ وہ کلمتہ اللہ سے کنواری حضرت مقدسہ مریمؑ سے پیدا ہوئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزاتی صفات عطا کر رکھے تھے۔ اور جب لوگ انہیں صلیب دینے لگے تو اللہ نے ان کے ہمشکل کو بھیج دیا اور انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ اسی حوالے سے کئی مسلم شعرا کے ہاں ایسا کلام ملتا ہے جو ان اعتقادات کو مضمون کرتا ہے۔ مسلم شعرا کے ایسے کلام کو دو حصوں میں رکھ کر پرکھا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں ان شعرا کے کلام کو اسلامی عقیدہ کے تناظر میں جبکہ دوسرا حصہ مسیحی تہوار کے تناظر میں جانچا گیا ہے۔

الف۔ قرآنی آیات و اسلامی عقائد کے تناظر میں:

بے پدر تخلیق:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یعنی مسیح یسوع کی ذات اقدس کو اسلامی عقائد کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان کی ذات وہ واحد ذات ہے جسے بے پدر تخلیق تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے پیروکار بھی اس بات پر کامل ایمان رکھتے ہیں کہ آپؑ کی تخلیق میں کسی مرد کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ آپؑ بغیر باپ کے، کلمتہ اللہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس عقیدے کو تین نکات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش باپ کے بغیر ہوئی۔ یعنی اس پیدائش میں کسی بھی مرد کا عمل دخل ہرگز نہیں۔

۲۔ جب فرشتہ اللہ کے حکم سے حضرت مریمؑ تک پہنچا اور وہ حضرت مریمؑ سے ہم کلام ہوا۔ اسی کلام کے نتیجے میں وہ حاملہ ہوگئی۔ اس کا حوالہ ہمیں قرآن مجید میں یوں ملتا ہے:

> " اور اے محمد! اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو۔ جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہوگئی تھی۔ اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی۔ اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ مریم یکایک بول اٹھی کہ 'اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں'۔ اس نے کہا 'میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں'۔ مریم نے کہا' میرے ہاں کیسے لڑکا ہو گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں'۔ فرشتے نے کہا' ایسا ہی ہو گا، تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ

اس لیے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ہو کر رہنا ہے'۔ مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے ایک دور کے مقام پر چلی گئی۔'' (۱)

۳۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش کے بعد جب لوگ حضرت مریمؑ کے دامن کو داغ دار تصور کر رہے تھے اور حضرت مریمؑ کو برا بھلا کہہ رہے تھے تو حضرت عیسیٰ ؑ نے جھولے میں سے بول کر اپنی والدہ ماجدہ کی پاک دامنی کی گواہی دی قرآن مجید میں اس کا حوالہ کچھ اس طرح سے ملتا ہے:

''پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے ' اے مریم! یہ تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی'۔ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا 'ہم اس سے کیا بات کریں گے جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟'۔ بچہ بول اٹھا 'میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا۔ اور بابرکت کیا جہاں میں بھی رہوں، اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ ہوں۔ اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا۔ اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا ہوں اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کر کر اٹھایا جاؤں'۔ یہ ہے عیسیٰ ابنِ مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔''

(سورۃ مریم:۲۷تا۳۴آیات)

ان حوالہ جات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش میں کسی بھی مرد کا عمل دخل نہیں بلکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق' اللہ کے کلام کے توسط پیدا ہوئے اور یہ کلام اللہ کے فرشتے نے حضرت مریمؑ تک پہنچایا۔ سو وہ حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش کے بعد جب لوگ آپ کی والدہ ماجدہ کو لعن طعن کر رہے تھے تو آپؑ نے خود بول کر گواہی دی کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ایک نبی ہوں ۔ حضرت عیسیٰؑ اللہ کی بے پدر تخلیق ہیں۔ ذیل میں اسی حوالے سے مسلم شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

عبدالمجید سالکؔ:

اصل نام سید عبد المجید سالکؔ جبکہ سالکؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۲۷ء میں منصب داروں کے گھرانے میں ہوئی۔ ۔ آپ نے علوم مشرقیہ کے امتحانات، منشی، بعد ازاں منشی فاضل کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے نہایت عمدگی سے پاس کیا۔ حصول روزگار کے لیے محکمہ مجالس سے منسلک ہوئے اور وظیفہ پر اس ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ عبد المجید سالکؔ نوجوانی میں ہی شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ آپ کے ہاں الفاظ کا رچاؤ ہے۔ مزاج میں سادگی اور لطافت ہے اور معمولی سے الفاظ سے مضامین میں ندرتِ کمال پیدا کر دیتے۔ آپ نے نظم و غزل دونوں اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔

چونکہ حضرت عیسیٰ کی تخلیق بے پدر ہوئی تو شاعروں کے ہاں ان کے لیے ابنِ مریم کی ترکیب ملتی ہے۔ عبد المجید سالکؔ کے گیتوں کو اسلامی عقائد کے تناظر میں دیکھا جائے تو سالکؔ کے کلام میں جابجا ایسے عناصر ملتے ہیں جو حضرت عیسیٰ ؑ کی بن باپ کے پیدا ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں مثال کے طور پر ان کے ایک گیت 'حضرت مسیح' سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ ہے مطلق مقتدر اللہ تعالیٰ
کیا بے باپ کے عیسیٰ کو پیدا[۲]

اسی شعر سے یہ حقیقت صحیح معنوں میں کھل کر سامنے آتی ہے کہ عبد المجید سالکؔ اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ آپ ؑ بِنا باپ کے پیدا ہوئے۔ اس گیت میں وہ حضرت مسیح کے اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح کی ذات مبارک کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اب تک دنیا میں جتنے بھی انبیا تشریف لائے ان میں سے حضرت عیسیٰ ؑ ہی وہ واحد نبی ہیں جو بنا باپ کے پیدا ہوئے۔ یوں تو حضرت عیسیٰ کی ذات پاک بہت سی ایسی خوبیوں کے حامل ہے جو انہیں دوسرے انبیا سے جدا کرتی ہیں مگر یہ خوبی ان کی تمام تر خوبیوں میں سب سے عجیب اور انوکھی ہے۔ جس کی بدولت وہ دیگر انبیا سے الگ ٹھہرے۔ سالکؔ کہتے ہیں کہ اللہ و عزوجل کی ذات سب کچھ کر گزرنے میں قادر مطلق ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بنا باپ کے پیدا کیا۔ انسانی سوچ اسی نکتے کے گرد گردش کر سکتی ہے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے؟ مگر جب اس نکتے کو اس طرح سے دیکھا جائے کہ اس کی ذات کے فقط کُن کہنے سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے تو اس کے لیے ایک باپ کے بغیر بیٹے کو جنم دینا کیا مشکل تھا؟ جو ہر شے پر قادر ہے۔ اس کے کہہ دینے سے چیزیں وجود میں آتیں ہیں۔ اس نے عیسیٰ ؑ کو بنا باپ کے پیدا کیا اور اس دنیا میں بھیجا تا کہ وہ دنیا والوں کو حق

کے راستے پر چلنے کی تلقین کرے۔ راہ راست کی پیروی کا درس دے۔ اس لیے کہ لوگ گناہوں سے بچیں اور نجات پائیں۔ اسی حوالے سے ان کا ایک اور شعر ذیل میں ملاحظہ کرتے ہیں:

ہر طرف جہل کی تھی تاریکی
نور حق بن کر آئے روح اللہ

(نغمات روح۔ ص ۴۷)

یہاں روح اللہ کہہ کر شاعر دراصل اس واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے جب فرشتہ با حکم اللہ عزوجل حضرت مریمؑ کے پاس آیا اور ان سے ہم کلام ہوا۔ دراصل اللہ کا یہ کلام ہی کلمتہ اللہ ہے جسے روح اللہ بھی کہا جاتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ حضرت مریمؑ اللہ کے روح کے توسط حاملہ ہوئیں اور اسی کے حکم کے مطابق ایک لڑکا ان کے بطن سے پیدا ہوا جو نور حق ہے اور جس نے اس جہان کے تاریک اوراق کو پلٹا اور وہ نور اور روشنی کا پیغام لے کر آیا کہ دنیا سے کفر اور جہالت کو دور کرے اور لوگ نور حق کے پیغام کو قبول عام کریں اور راہ راست پر چلیں۔ ان کی آخرت بہتر ہو اور سنورے تاکہ وہ جنت کے حق دار بنیں اور ہلاک ہونے والی دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔

صادق نوؔید:

اصل نام صادق جبکہ نوؔید تخلص کرتے تھے۔ قلمی نام کے توسط ہی ادبی دنیا میں نام کمایا۔ آپ کی خوش نصیبی تھی کہ شعر و ادب کا ماحول آپ کو اپنے گھر سے ہی میسر آیا۔ آپ کے والد ساجد محمد وزیر آوآؔز در حقیقت اس عہد کے مایہ ناز استاد جلیل سے تلمذ کرتے تھے۔ صادق نو عمری سے ہی اپنے والد کے ہمراہ ان کے ہم عصر شاعروں کی ادبی نشستوں میں نہ صرف شریک ہوتے بلکہ بے حد مستفید بھی ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ادبی ذوق سے ایسی بھر پور شخصیت بن کر اُبھرے جسے کسی استاد کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اسی حوالے سے خود فرماتے ہیں کہ:

شعور اپنا ہی جب خود رہنما ہو
ملے گا کیا کسی کی رہبری سے

علم و فن سے گہری محبت نے آپ کو معاشی الجھنوں سے قابو پانا سکھا کر تعلیمی سفر پر روانہ کیا اور تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا ۱۹۷۴ء میں آپ نے ایم۔ اے اردو کی ڈگری اول درجے میں جامعہ عثمانیہ سے حاصل کی۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ آپ نے وطن عزیز کی نامور اور عالمگیر شخصیت 'پروفیسر ہارون خاں شیروانی

صاحب' کی اردو خدمات پر مقالہ تحریر کیا۔ وہ بلاشبہ ایک سیر حاصل مقالہ تھا۔ یہ مقالہ ۱۹۷۵ء میں کتابی صورت میں چھپا اور ۱۹۸۱ء میں اسے اردو اکیڈمی آندھرا پردیش نے انعام کا مستحق قرار دیا مگر تجارت سے وابستگی نے انہیں پی ایچ ڈی نہیں کرنے دی۔ تجارتی مصروفیات کے ہوتے ہوئے بھی آپ کا کلام مختلف رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ آپ نے نظم اور غزل دونوں اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ ردیف کو بخوبی نبھاتے ہیں۔ مضامین میں اچھوتا پن ہے۔ انداز تفکرانہ ہے کہیں بھی پھیکا پن یا بوریت نہیں۔ بلکہ شیرینی اور لطافت جھلکتی ہے۔ زندہ دل شخصیت کے مالک رہے۔

بے پدر تخلیق کے حوالے سے نویدؔ کے گیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہو گا کہ وہ بھی اس اسلامی عقیدے کے ماننے والے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اس دنیا میں بغیر باپ کے پیدا ہو کر تشریف لائے اس حوالے سے ان کے گیت 'نذر مسیح' سے یہ شعر دیکھیں:

؎ ابن مریم ہو کہ قدرت کا کرشمہ تم ہو
بے پدر آئے جو دنیا میں وہ یکتا تم ہو(۳)

ابن مریم کی ترکیب استعمال کرتے ہوئے نویدؔ اس حقیقت کے پیروکار نظر آتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ حضرت مریمؑ سے پیدا ہوئے ہیں اور اس پیدائش میں کسی مرد کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ ساتھ ہی وہ دوسرے مصرعے میں اس حقیقت کو اور بھی واضح اور کھول کر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کی بے پدر تخلیق ہیں۔ ان کی پیدائش میں ان کا کوئی جسمانی باپ سرے سے وجود نہیں رکھتا ہے یعنی وہ کسی بشر کے جسمانی عمل سے وجود میں نہیں آئے بلکہ کلمۃ اللہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسا وصف 'ایسی خوبی کائنات نے کسی اور نبی کو عطا نہیں کی اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ اس وصف کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آپؑ کی ذات باقی انبیا کے اعتبار سے جدا بھی 'منفرد بھی اور یکتا بھی ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس حقیقت کا انکاری نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا حوالہ خود قرآن مجید میں درج ہے۔ قرآن بھی گواہ ہے کہ حضرت مسیح یسوع کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی اور یہی تذکرہ نویدؔ کے ہاں بھی ملتا ہے۔

جناب مراد خاں وکیلؔ:

اسلامی عقائد کے تناظر میں بے پدرانہ تخلیق کے حوالے سے بحث کی جائے تو ہر مسلمان کا ایمانِ کامل ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ اس دنیا میں اللہ کی قدرت سے بن باپ کے پیدا ہو کر آئے۔ آپ کی تخلیق رب کائنات کی ذات کا ایک کرشمہ ہے جس میں رب کائنات کی ہستی کے سوا کسی اور ہستی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اس حوالے سے جناب مراد خان وکیلؔ کے گیتوں کو پرکھا جائے تو ان کے گیتوں میں اس بات کا عمدہ ثبوت ملتا ہے اور وکیلؔ بھی اس عقیدے پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ اللہ کی بے پدر تخلیق میں شمار ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کے گیت ' نئی تعلیم ' سے یہ شعر دیکھئے:

؎ زمانہ کہہ اٹھا ان کی نئی تعلیم جب دیکھی
ابن مریم پیشوائے کارواں آئے
؎ پیا اک شور تھا ان میں نہ تھے قدرت کے جو قائل
نہ جس کا باپ ہو کوئی بھلا کیسے یہاں آئے(۴)

وکیلؔ لکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر شخص ماں اور باپ کے ملاپ سے آتا ہے۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی ہستی ماں اور باپ کے ملاپ کے بغیر اس دنیا میں آئی ہو۔ مگر آپ ؑ کی آمد کے بعد ہر طرف ایک ہنگامہ برپا تھا کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ کوئی کنواری حاملہ ہو اور کسی مرد کو جانے بغیر کسی بچے کو پیدا کرے۔ ایسا تصور ہی انسانی سوچ کو مشکل میں ڈال دیتا ہے کیوں کہ انسانی سوچ ایسا تسلیم ہی نہیں کر سکتی۔ یہ عجیب ہے۔ ناممکن ہے۔ مگر وکیلؔ کہتے ہیں کہ اس کرشماتی پیدائش کے بعد ایک ہنگامہ برپا ہوا اور یہ ہنگامہ ان لوگوں میں برپا تھا جو انسانی سوچ رکھتے تھے اور محض دنیاوی خیال کے مالک تھے۔ جو قدرت کو سرے سے ہی نہ مانتے تھے۔ نہ قدرت کے کرشموں پر یقین رکھتے تھے۔ ان کا ذہن دلیل قبول کرتا ہے۔ وہ حیران تھے کہ ایسا کسی صورت ممکن ہے ہی نہیں کہ کوئی ہستی باپ کے بغیر اس جہان میں آئے۔ یہی وجہ ہے کہ وکیلؔ یہ کہہ کر اس عقیدے کے معترف نظر آتے ہیں کہ حضرت مسیح کی پیدائش بے پدر رہے۔

پاک دامنیٔ مریم:

حضرت عیسیٰ ؑ کی زندگی پر غور کیا جائے تو اسلام میں بھی ان کے حوالے ملتے ہیں اور حضرت عیسیٰ ؑ اور ان سے قبل دیگر انبیائے کرام پر ایمان لائے بغیر کسی بھی مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا ہے۔ قرآن خود حضرت عیسیٰ ؑ کی گواہی دیتا ہے۔ ان کی پیدائش اور ان کی زندگی سے متعلق کئی حوالوں کا تذکرہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ملتا ہے۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی ذات کے حوالے سے ایک اسلامی عقیدہ ' پاک دامنی ٔمریم ' بھی ہے جس پر ہر مسلمان کامل یقین رکھتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق ہر مسلمان اس بات پر مکمل ایمان رکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش خدا کی طرف سے ایک کرشمہ ہے۔ اس معجزانہ پیدائش میں کسی آدمی کا عمل دخل نہیں بلکہ یہ پیدائش فرشتے کے ذریعے بحکمِ اللہ عزوجل کلمۃ اللہ یا روح اللہ کے وسیلے حضرت مریم ؑ کے بطن مبارک سے ہوئی اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش چونکہ ربی کرشمہ ہے اس لیے حضرت مریم ؑ کا دامن کسی بھی قسم کے گناہ سے پاک ہے یعنی وہ پاک دامن ہیں۔ پاک دامنیٔ مریم کا ذکر ہمیں قرآن مجید میں ان آیات میں ملتا ہے۔

> ''پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے ' اے مریم! یہ تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی'۔ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا 'ہم اس سے کیا بات کریں گے جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟'۔ بچہ بول اٹھا 'میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا۔[۵]

قرآن مجید کی روشنی میں دو طرح سے پاک دامنیٔ مریم کی تصدیق ہوتی ہے۔ پہلا تو یہ کہ حضرت مریم ؑ کا تعلق جس خاندان سے تھا وہ معزز اور معتبر ترین خاندان تھا۔ اس خاندان میں کبھی بھی کسی شخص نے کوئی غیر مہذب امر سرانجام نہ دیا تھا بلکہ حضرت مریم ؑ کا خاندان بڑا نیک اور کسی بھی قسم کے داغ سے مبرا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے انہیں لعن طعن کیا تو ان کے جو الفاظ ہمیں قرآن مجید میں ملتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان میں کبھی بھی کوئی ایسی نازیبا حرکت یا کارِ شر نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ خاندان بے حد معتبر تھا۔ اس خاندان کے آل اولاد ایسے ہرگز نہ تھے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی تعلیمات کو فراموش کرتے۔ مذکورہ بالا آیات میں آیت ۲۸ اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

پاک دامنیٔ مریم کے حوالہ سے دوسری تصدیق حضرت عیسیٰؑ کی زبانِ مبارک سے از خود ملتی ہے جب لوگ حضرت مریم کو برا بھلا کہہ رہے تھے تو حضرت عیسیٰؑ نے خود گواہی دی کہ وہ اللہ کے نبی ہیں ۔ ان کا نبی ہونا دراصل پاک دامنیٔ مریم کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ ایسا ہرگز ممکن نہیں کہ کسی بدکردار عورت کے بطن سے کوئی اللہ کا بندہ پیدا ہو۔ حضرت عیسیٰؑ کی اپنی زبان سے گواہی دینے کا واقعہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات میں سے آیت ۲۸ میں ملتا ہے۔

ذیل میں اسی حوالے سے مسلم شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

مفتوؔن کوٹوی :

مفتوؔن ۶ فروری ۱۹۱۸ میں کوٹہ (راجھستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے شروع میں غلام پھر احقؔر اور مجنوؔں تخلص استعمال کیا۔ مگر پھر اسے بھی ترک کیا اور ۱۹۳۶ء سے مفتوؔن تخلص کرنے لگے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی اور پھر مکتب میں ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں راجپوتانہ بورڈ کے میٹرک میں بدرجہ اول کامیاب ہوئے۔ ۱۹۵۳ میں جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل کیا۔ ۱۹۶۳ء میں راشٹر بھاشا پریچے پریکشا (ہندی) پاس کیا۔ ۱۹۶۸ء میں امتحان فاضل دینیات (دیوبند) کی سند حاصل کی۔ شعر گوئی کا سلسلہ ۱۹۳۱ء سے ہوا۔ ۱۹۳۴ء میں مولوی افضل حسین ثابت لکھنوی سے تلمذ کیا۔ بعد ازاں ثابت کے انتقال کے بعد سیماب اکبر آبادی کے ہاں زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مفتوؔن کوٹوی کے ہاں دہلوی اور لکھنوی دونوں دبستانوں کا امتزاج ملتا ہے۔ کوٹوی نے غزل اور نظم دونوں اصناف پر طبع آزمائی کی۔ بلاشبہ کوٹوی خوبصورت شاعر بن کر صفحہ تاریخ پر نمودار ہوئے اور کمال فن کا یہ عالم رہا کہ راجھستان ساہتیہ اکیڈمی اودے پور کی طرف سے حضرت مفتون کوٹوی کو گاہے بگاہے انعام اور وظائف بھی ملتے رہے ہیں۔ مفتوؔن کوٹوی کے ادبی فن پارے کئی رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ آپ اپنے عہد کے ایک نامور استاد بن کر بھی سامنے آئے۔ راجھستان کوٹہ سے بیشتر شعرا آپ سے اصلاحِ سخن لیتے رہے ہیں۔

پاک دامنیٔ مریم کے حوالے سے مفتوؔن کوٹوی کے گیتوں میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ اس حوالے سے مفتوؔن کوٹوی کے گیت 'سلام پر عقیدت ۔ حضرت عیسیٰ کی خدمت میں ''حضرت مریم ۔ قرآن مجید کی روشنی میں

' اور 'میلاد مسیح مبارک' زیادہ قریب ترین ہے۔ان گیتوں میں مفتوؔن کوٹوی نے بڑی تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی پیدائش کی بڑی خوبصورتی سے جزئیات نگاری بیان کی ہے۔ پاک دامنیٔ مریم کے حوالے سے ان کے ایک گیت 'حضرت مریم ۔ قرآن مقدس کی روشنی میں ' سے یہ اشعار مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

ہوا فرمانِ رب، تم کچھ نہ بولو اور اشارے سے
بتادو قوم کو، بچہ بتائے گا ہوا کیوں کر
کہا بچے نے ہوں اللہ کا بندہ، نبی میں ہوں
اور آیا ہوں کتاب و حکمت اپنے ساتھ میں لے کر
ولادت میری اعجازی، کرشمہ قدرتِ حق کا
خدا نے مجھ کو بھیجا ہے بنا کر ایک اپنا پیغمبر
خدا قادر ہے، وہ پابندِ اسباب و علل کیوں ہو؟
جسے ، جس طرح چاہے کر دے پیدا خالقِ اکبر
مطہر اور پاکیزہ ، سراپا عفت و عصمت
جلیل القدر پیغمبر کی ماں بدکار ہو کیوں کر
قسم پاکیزگی و پاک دامانیِ مریم کی!
خدا کی شانِ قدرت سے نہیں ہے کوئی شے باہر
وہ عیسیٰ ہوں کہ آدم ہوں وہ حوّا ہوں کہ مریم ہوں
ہے مفتوؔن قدرتِ حق ذہنِ انسانی سے بالاتر [۶]

مندرجہ بالا شعر دراصل مفتوؔن کوٹوی کے گیت 'حضرت مریم ۔ قرآن مجید کی روشنی میں ' کے آخری حصے سے لیے گئے ہیں۔ان اشعار میں سب سے پہلے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ مفتوؔن کوٹوی نے حضرت مریم ؑ کی عقیدت میں یہ نظم عین قرآن مجید کی روشنی میں تحریر کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شعر میں قرآن مجید میں درج حضرت مریم ؑ کے بیان کردہ واقعہ کی بڑی خوبصورتی سے تصویر کشی کی ہے۔ اس گیت کا ہر شعر حضرت مریم ؑ کے حضرت عیسیٰ ؑ کو جنم دینے کے قصّے کی مکمل اور جامع تصویر ہے۔ مفتوؔن کوٹوی صاف صاف کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے حضرت مریم ؑ کو لعن طعن کرنا شروع کیا تو ان کو اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ وہ خاموش رہیں اور

بچے کی طرف اشارہ کر دیں کہ لوگ اس بچے سے خود پوچھ لیں کہ اصل معاملہ کیا ہے؟حضرت مریمؑ نے اللہ کے حکم کے عین مطابق ایسا ہی کیا ۔انہوں نے بچے سے پوچھنے کا کہا اور پھر وہ نومود بچہ جو بولنے کی عمر کا بالکل نہ تھا'لوگوں سے باتیں کرنے لگا کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجا گیا نبی ہے۔ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اس کو کتاب دی جائے گی اور اس کی ذات مقدس کی پیدائش حق کی طرف سے ایک کرشمہ ہے'ایک معجزہ ہے کیونکہ اس ذات پاک کو خدائے پاک نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ لوگ ایسا کیوں سوچتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا؟بھلا ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟جبکہ خدا قادر ہے اس لیے اُس کے لیے کچھ بھی کرنا ناممکن تو نہیں۔وہ خدائے اکبر ہے اور کچھ بھی کر سکتا ہے۔

علاوہ ازیں مفتی کوٹوی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے حضرت مریم ؑ کی پاک دامنی 'طہارت اور پاکیزگی کی بذات خود گواہی دی۔ ان کو سراپا عفت و عصمت کہا گیا۔ مفتی کوٹوی یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک جلیل القدر رسول اور پیغمبر کو اللہ کی ذات کسی بدکار بطن سے جنم دے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ ایسا ہر گز ممکن نہیں کیونکہ اللہ کی ذات پاک ہے اور اس کے پیغمبر اور اس کے نبی اور اس کے رسول بھی اسی پاک ذات کی تعلیم دیتے ہیں سو ایسا کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر کی ماں بدکار ہو۔سو دامانِ مریمؑ طہارت کا عمدہ نمونہ ہے۔ وہ کسی طور بھی داغ دار نہیں بلکہ حضرت مریمؑ کی ہستی مبارک پاک دامن ہے۔ آخری شعر میں مفتی کوٹوی ربِ کائنات کے کرشمات کو انسانی ذہن سے بالاتر قرار دیتے ہیں ۔اس لیے وہ آدمی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام 'حضرت آدم علیہ السلام' حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہ السلام کے بارے میں اور ان میں اور کتنوں کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتے نظر آتے ہیں۔پاک دامنی ُمریم کے حوالے سے مفتی کوٹوی کے گیت 'سلام پر عقیدت۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں ' سے یہ اشعار دیکھتے ہیں:

؎ جو گہوارے میں بولے بہر حفظِ عصمتِ مادر

سراپا معجزہ تھے جو مجسم برکت و حکمت

کہا اللہ کا بندہ ہوں میں پیغمبر برحق

میں دینے آیا ہوں تعلیمِ دین و درس انسیّت

وہ جن کی والدہ درگاہِ خالق میں پسندیدہ

وہ جن کا حاملہ ہونا تھا اک اللہ کی قدرت

(س۔۱۲۳)

یہ اشعار بھی مفتؔی کوٹوی کے اس اسلامی عقیدے کے عکاس ہیں کہ حضرت مریمؑ کا کردار نہایت پاک اور مطہر ہے اور ان کی اس عصمت و طہارت کی گواہی خود انہی کے نومولود بچے نے دی ہے۔ یہ امر بھی انسانی عقل و دانش سے بالاتر ہے کہ کوئی نومولود بچہ بولنے لگے اور ہم کلام ہو تو وہ بھی کسی اہل دانش سے ؟ نہیں نہیں ایسا ممکن نہیں ہے۔ عقل و فہم کے دَر بند ہو جاتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو قبول کرنے سے عاری ہیں ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ناممکن ہے لیکن اہل دل اور اہل عشق اس بات کو دل کھول کر قبول عام کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایسا صرف ایک ہی ذات کر سکتی ہے کیونکہ وہ قادر ہے۔ وہ ہر شے پر قدرت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ قدرت نے اس عمل کے لیے ایک نہایت معتبر خاندان کی بے حد پاک اور مطہر عورت کو منتخب کرنے کا ارادہ کیا' جو گناہوں سے مبرا ہو' جو خدا کا خوف رکھتی ہو اور جس کا کردار سب سے عمدہ ہو یعنی باکردار !لیکن لوگوں نے اس کو بے کردار بلکہ بد کردار سمجھا۔ اس کو لعن طعن کرنے لگے مگر ایسے میں خود حضرت عیسٰیؑ نے گہوارے میں ہی بول کر اپنی ماں کی پاک دامنی کا ثبوت دیا ۔یہی وجہ ہے کہ مفتؔی کوٹوی اقرار کرتے ہیں کہ حضرت مریم کا حاملہ ہونا دراصل اللہ تعالی کی قدرت کا بہترین اظہار ہے۔

واسؔع عشقی:

اصل نام محمد عبد الواسؔع جبکہ واسؔع تخلص کرتے تھے۔ عشقی نسبت جد اعلیٰ ہے جن کا تخلص ہی عشؔقی تھا۔ آپ نے حیدرآباد کے ایک معزز اور ذی علم گھرانے میں آنکھ کھولی ۔ ابتدائی تعلیم گھر سے ہی حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان حیدرآباد سے پاس کرنے کے بعد منشی فاضل کے امتحان پاس کیے۔ تعلیم کے ساتھ مصوری کا بھی شوق رہا۔ سو ۱۹۳۲ء میں جے جے اسکول آف آرٹ بمبئی سے فن مصوری کی تعلیم حاصل کی۔ اسی عرصہ میں آپ نے اپنے بھائی محمد طاہر رمز کی فرمائش پر شعر گوئی شروع کی۔ اسی سلسلے میں بمبئی کے فن کمال رکھنے والے استاد سید عاشق حسین قمر دہلوی سے تلمذ اختیار کیا۔ سید عاشق حسین قمر دہلوی کے انتقال کے بعد واسؔع واپس حیدرآباد

چلے آئے۔ اور پھر ایک عرصے تک رحمت اللہ خاں صاحب رحمت سے مستفیض ہوتے رہنے کے بعد حضرت معز ملتانی سے بھی اصلاحِ سخن لی۔ واسعؔ کا کلام ایسا بلند پایہ تھا کہ اس عہد کے کئی جرائد اور رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ روزگار کے حوالے سے دیکھا جائے تو حصول روزگار کے لیے آپ نے محکمہ تعمیرات و آبیاشی میں ملازمت کی۔ آپ خوبصورت کردار کی مالک شخصیت تھیں۔ اور سیرت میں اچھوتا پن تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ملازمت سے سبکدوش ہوتے وقت آپ کو وظیفۂ حسنِ خدمت عطا کیا گیا۔

اسلامی عقائد کے تناظر میں دیکھا جائے تو واسعؔ عشقی کے گیتوں کا مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ واسعؔ کے ہاں کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو اسلامی عقائد کی گواہی بن کر سامنے آتی ہے۔ انہی عقائد میں سے ایک پاک دامنیٔ مریم بھی ہے ۔ جس کا ذکر ان کے گیتوں میں عام ملتا ہے۔ اس حوالے سے ان کے گیت 'ابن مریم' اور 'روح اللہ' قابل ذکر ہیں۔ ان گیتوں میں واسعؔ مسیح یسوع کی معجزانہ پیدائش اور پاک دامنیٔ مریم کے موضوع کو سموئے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے واسعؔ کے گیت 'ابن مریم' سے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ جھولے ہی میں عطا کی اللہ نے نبوت

ہیں کتنے معجزوں کا اظہار ابن مریم (۷)

یہاں جھولے میں نبوت کہہ کر واسعؔ کا اشارہ اُسی واقعے کی طرف ہے جس کی طرف مذکورہ بالا عبارت میں ذکر ہو چکا ہے یعنی جب لوگ حضرت مریمؑ کو لعن طعن کر رہے تھے تو حضرت عیسیٰؑ نے بذات خود پاک دامنیٔ مریم کی گواہی دی ۔ وہ جھولے میں سے بول اٹھے۔ نومولودگی میں بچے کا اس طرح سے ہم کلام ہونا پاک دامن مریم کے حق میں گواہی بنا۔ دراصل حضرت مریمؑ کو جب لوگ برا بھلا کہہ رہے تھے تو ان کو رب کائنات کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ خاموش ہو جائیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیں کہ یہ بچہ خود گواہی دے گا پھر حضرت عیسیٰؑ نے ان لوگوں سے جو ان کی ماں کو لعن طعن کر رہے تھے' نومولودگی میں ہم کلام ہو کر بتایا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں ۔ سو ان سے ہم کلام ہونے کی بدولت لوگوں نے ان کا یقین کیا اور ان کو اور ان کی پیدائش کو رب کا کرشمہ جانا۔ وہ خاموش ہوئے اور حیرت کا مینار بن گئے کہ اس کا خدا کیسا حشمت اور جلال والا ہے۔ وہ کیسے عجیب کام کرتا ہے۔ ابن مریم کو رب کائنات نے ایسے ہی اور کتنے کرشماتی اوصاف سے نوازا۔ ان کو امتیاز حاصل ہے کہ وہ بیشتر کے انبیا سے مختلف

اور منفرد اوصاف رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی بے پدرانہ تخلیق کے بعد جھولے میں اس طرح بولنا ان کا امتیازی وصف ہے اسی کا تذکرہ واسعؔ بڑے والہانہ انداز میں کر رہے ہیں۔

عبدالباسط حیدرآبادی:

اصل نام محمد عبد الباسطؔ جبکہ باسطؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق حیدرآباد کے ایک قابل اور صاحبِ علم گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر سے ہی حاصل کی اور میٹرک کا امتحان عمدہ کارکردگی کے ساتھ حیدرآباد سے ہی پاس کیا۔ میٹرک کے امتحان کے بعد نصاب منشی فاضل میں نہایت کامیاب ہوئے۔ شعر گوئی کا سلسلہ پندرہ سال کی عمر سے شروع کیا۔ آپ نے نظم و غزل دونوں اصناف سخن میں بھرپور کاوش کی۔ آپ نے بچوں کے لیے بھی گیت لکھے جس کا مقصد بچوں میں جوش و خروش پیدا کرنا ہے۔ عزم و ہمت بڑھانا اور مسلسل پیہم کا درس دینا ہے۔ اسی حوالے سے 'کلی کلی مسکائے' کے نام سے ان کا ایک مجموعہ کلام شائع ہوا جو بچوں کے گیت پر مبنی تھا۔

حضرت مریمؑ کی پاک دامنی کے حوالے سے اسلامی تناظر میں باسطؔ حیدرآبادی کے گیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس حوالے سے کئی مثالیں ان کے ہاں ملتی ہیں ۔مثال کے طور پر باسطؔ کے گیت 'انتظام قدرت' میں سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

ابن مریم اور مریم زیر چرخِ نیلیفام

کارساز دست قدرت کا عجب ہے اہتمام(۸)

یہاں باسطؔ نے بڑی خوبصورتی سے چرخِ نیلیفام کہتے ہوئے مریمؑ کو اس معاملے میں تن تنہا ثابت کیا ہے کہ جب وہ بچے کو جنم دے چکیں اور دور مقام سے اپنے لوگوں میں لوٹ کر آئیں تو لوگ اُن کو برا بھلا کہنے لگے۔ اس لمحے وہ کس درجے بے کس تھیں ۔وہ سوچ رہی تھیں کہ اب وہ لوگوں کو کیا جواب دیں حالانکہ وہ بے عیب تھیں اور ان کا دامن برف کی مانند صاف تھا مگر پھر بھی وہ یہی سوچ رہی تھیں کہ وہ سچ جانتی ہیں مگر لوگ اس بات کو سچ کیسے مانیں گے ؟کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ سوچ اور فہم جو ایک انسانی ذہن سے تعلق رکھتی ہے اور انسانی ذہن کی ہی پیداوار ہے۔ وہ ہرگز یہ تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ انسانی سوچ سے بالاتر ہے کہ کوئی کنواری عورت

بغیر مرد کے حاملہ ہو۔ ایسا ممکن نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ربِ کائنات کے لیے ایسا کرشمہ کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ اس کے کن کہہ دینے سے دنیائیں وجود میں آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باسطؔ کہتے ہیں کہ کیا عالم تھا کہ ابن مریمؑ یعنی حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ دونوں نیلے آسمان تلے کھڑے ہیں ۔ یہ اس لیے ہیں کہ ابن مریمؑ سچ میں اللہ عزوجل کے دستِ قدرت کا کرشمہ ہے یعنی اس کی قدرت جو کرشمات کو وجود میں لاتی ہے' ایسا کرنے میں قادر ہے اور یہ ناممکن نہیں ہے۔ اس کے ہاتھوں ایسا کرشمہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔اس کے کلمے میں اس درجہ تاثر اور جلال و دبدبہ ہے کہ زمین کی تہیں اور آسمانوں کی بلندیاں اس کے حکم کی پابند ہیں۔یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ وہ کرشمات کا خدا ہے اور حضرت عیسیٰؑ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے اور وہی بذات خود پاک دامنیٔ مریم کا گواہ بنا ۔باسطؔ کا اس نکتے کے حوالے سے ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔وہ اپنے گیت 'جذبۂ عشق' میں کہتے ہیں کہ:

؎ جذبۂ عشق کا یہ عالم ہے
مدحتِ پاک ابن مریم ہے

(سوغات روح۔ ص ۱۴۳)

باسطؔ بڑے ہی صاف الفاظ میں کہتے نظر آتے ہیں کہ ابن مریمؑ بذات خود حضرت مریمؑ کی پاکیزگی کی تعریف کر رہے ہیں۔ یہ ان کے جذبۂ عشق کا خوبصورت اظہار ہے۔ جس کا ذکر باسطؔ اپنے 'جذبۂ عشق' میں بخوبی نبھا رہے ہیں۔ باسطؔ اس شعر میں دراصل اس واقعہ کے طرف دھیان لے کر جاتے ہیں جب لوگ حضرت مریمؑ کو لعن طعن کر رہے تھے۔ مگر حضرت مریمؑ کو یہ حکم خدا ہوا کہ وہ خاموش رہیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیں وہ خود لوگوں کو جواب دے دے گا۔ سو ابن مریمؑ نے خود ہم کلامی کے توسط سے لوگوں کو حضرت مریمؑ کی پاکیزگی کی گواہی دی اور بتایا کہ وہ نبی ہیں۔ تب لوگوں کو یقین آیا جب نومولود بچہ ان سے ہمکلام ہوا۔وہ حیران ہوئے اور تعجب کرنے لگے ایسا کرنا ممکن ہے مگر قدرت کو منظوری یہی تھی کہ وہ اس کرشمے پر یقین لے آئیں ۔اور یہ حقیقت بھی ہے کہ دامانِ مریمؑ ہر عیب اور ہر گناہ سے پاک ہے۔وہ اعلیٰ کردار کی مالک تھیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کا ہی بطن خدائے عزوجل کو منظورِ نذر ہوا اور کلمۃ اللہ کے ذریعے وہ حاملہ ہوئیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو جنم دیا۔

نبی، پیغمبر، رسول۔ نزولِ انجیل:

انسان جب سے اس دنیا پر آن موجود ہوا ہے وہ گاہے بگاہے راہ راست سے بھٹکتا رہا ہے۔ اس کو واپس راہِ مستقیم پر لانے کے لیے اللہ عزوجل نے ہمیشہ انبیا کی بدولت رہنمائی عطا فرمائی۔ یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ اس سلسلے میں اللہ تعالی نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو اس دنیا میں بھیجا۔ ان میں سے چند کو کتابیں اور صحائف بھی عطا کیے گئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے آخری نبی ہیں اور ان پر قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ اسلام چار آسمانی کتابوں کے نزول کے بارے میں بتاتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ پر تورات کی کتاب نازل ہوئی۔ ان کے بعد حضرت داؤدؑ پر زبور۔ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل مقدس۔ جبکہ آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا۔ زیرِ بحث گفتگو بھی اسی اسلامی عقیدہ سے متعلق ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے نبی ہیں جن کو اللہ تعالی نے انجیل مقدس نازل فرمائی۔ ہوا کچھ یوں کہ جب لوگ حضرت مریمؑ کو بدکردار کہنے پر تلے ہوئے تھے تو حکم خداوندی ہوا کہ حضرت مریم بچے کی طرف اشارہ کر دیں کہ وہ خود جواب دے۔ سو حضرت عیسیٰؑ نے خود لوگوں سے ہم کلام ہو کر گواہی دی کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور ان پر کتاب بھی نازل ہوئی ہے۔ اس حوالے سے قرآن مجید میں سے یہ آیات ملاحظہ ہوں:

> ”پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے ’ اے مریم! یہ تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ کوئی آدمی تھا اور نہ تیرا ہی تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی‘۔ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا ’ہم اس سے کیا بات کریں گے جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟‘۔ بچہ بول اٹھا ’میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا۔“ (سورۃ مریم: ۲۷ تا ۳۰ آیات)

ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر مسلمان اس بات پر کامل یقین رکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے نبی ہیں اور ان کو اللہ نے کتاب بھی عطا کی ہے۔ ذیل میں ہم اسی حوالے سے مسلم شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

راشد نقوی:

اصل نام سید احمد حسین جبکہ راشدؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ حیدرآباد کے ایک صاحبِ علم اور معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۲ سال تک ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ بعد ازاں دار العلوم میں داخلہ لیا۔ میٹرک کا امتحان سٹی ہائی سکول حیدرآباد سے پاس کیا۔ انٹر کے امتحان مدرسہ نظامیہ سے پاس کیے اور پھر مدرسہ طبیہ (یونانی) سے بھی سند حاصل کی۔ آپ کا رجحان ترجمے کی طرف بھی تھا۔ اسی غرض سے آپ نے انگریزی زبان بھی سیکھی۔ ۱۹۴۷ء میں 'فلسفہ امن' کے عنوان سے نفیس اکیڈمی حیدرآباد کی طرف سے آپ کی پہلی کتاب شائع ہوئی۔ ۱۹۴۸ء میں ترجمے کے حوالے سے ایک اور کتاب منظر عام پر آئی جو زید وجدی کی عربی کتاب کا ترجمہ تھا۔ یہ کتاب لاہور سے شائع ہوئی۔ ۱۹۶۰ء میں 'سمندری عجائب' کے عنوان سے ایک اور کتاب شائع ہوئی جس کی طباعت ادارہ ادبیاتِ اردو نے سر انجام دی۔ ۱۹۷۰ میں 'کتاب کی کہانی' کے نام سے ایک اور کتاب جامعہ ملیہ کی جانب سے چھپی ۔ راشدؔ نقوی در حقیقت محنت پسند شخصیت تھے۔ آپ نے شروع میں نظم جمیعت، بعد ازاں آثار قدیمہ اور خانگی مدارس میں اپنی خدمات سر انجام دیں۔ آپ زیادہ تر فارسی زبان میں شعر گوئی فرماتے۔

یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ انسان جب جب اپنے راستے سے بھٹکا ہے اللہ نے اس کی ہدایت کے لیے انبیا کو بھیجا ہے۔ حضرت آدمؑ اللہ کے پہلے نبی تھے جو روئے زمین پر بھیجے گئے۔ ان کے بعد ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ کا سلسلہ جاری رہا۔ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضرت عیسیٰؑ بھی اللہ کے بھیجے گئے برگزیدہ انبیا میں سے ایک نبی ہیں جو کنواری حضرت مریم ؑ سے پیدا ہوئے۔ یہ قدرت الٰہی تھی کہ آپ ؑ کی بے پدرانہ پیدائش ہوئی۔ یہ اسلامی عقیدہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی اسلامی ایمان کا حصہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کی ماں حضرت مریمؑ پر لوگ نازیبا الزام لگاتے تھے اور ان کو لعن طعن کرتے تھے تو حضرت عیسیٰ ؑ نے خود ماں کی گود سے پکار کر اپنے نبی ہونے کا اقرار کیا اور لوگوں سے ہمکلام ہوئے تو ان سے گفتگو کے ذریعے ہی اپنی اللہ کے بندے ہونے کی گواہی دینے لگے۔ اس واقعہ کو بہت سے شاعروں نے اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔

راشدؔ نقوی کے گیتوں کا مطالعہ کریں تو ان کے ہاں بھی حضرت عیسیٰ ؑ کے نبی ہونے اور مذکورہ بالا واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ راشدؔ کے گیت 'اعتراف' کو پڑھیں تو وہاں ہمیں حضرت عیسیٰ ؑ کا خود کو نبی بتانے والا واقعہ بڑی

خوبصورتی سے قلم بند ملتا ہے۔ راشؔد نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کمال جزئیات نگاری سے کام لیا ہے ان کے اس گیت سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎نبی پیدا ہوئے دنیا میں مسیح اکرم

والدہ جن کی تھیں صدیقہ بنامِ مریم

؎جو 'وَ مَا اُنزِلَ مِن قَبلِکَ' ہے قرآن میں

پس یہ انجیلِ مقدس بھی ہے اس ایمان میں (۹)

یہ حقیقت ہے کہ ایک مسلمان کا دل و دماغ جب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل آنے والے انبیا کو قبول نہ کرلے اس کا ایمان تکمیل تک نہیں پہنچتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے آخری نبی ہیں ۔ وہ حضرت مریمؑ کے مقدس بطن سے پیدا ہوئے چونکہ حضرت مریمؑ کنواری تھیں تو لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش پر ان پر الزام تراشی شروع کر دی پھر حضرت عیسیٰؑ نے جھولے میں سے ہی ہمکلام ہو کر نہ صرف اپنی ماں کی پاک دامنی کی گواہی دی بلکہ لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور ان پر کتاب نازل کی گئی ہے۔ راشؔد اس عقیدے کا احترام کرتے نظر آتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے گیت میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ہر زمانے میں حق و صداقت کی اشاعت کے لیے انبیا کو وقتاً فوقتاً بھیجا کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ حقیقت میں ایک اللہ کی ذات ہے جو ہر چیز پر قادر ہے ۔ راشؔد بتاتے ہیں کہ انبیا کا سلسلہ آدمؑ سے شروع ہوتا ہے۔ ان انبیانے مختلف زمانوں میں مختلف علاقوں میں آنکھ کھولی اور تبلیغ کی خدمات حکم خداوندی کے عین مطابق سرانجام دیں ۔ مگر جب ظلمات کا سلسلہ مشرق میں اپنے عروج پر تھا تو پھر اللہ تعالی نے مشرق کے ظلمات کو مات دینے کے لیے سراپا نور کو تخلیق کیا ہے سراپا نور کلمۃ اللہ سے وجود میں آیا اسی لیے اس کو نور حق بھی کہا جاتا ہے۔

راشؔد اپنے گیت میں کھلے الفاظ صاف صاف اعتراف کرتے ہیں کہ وہ حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے حضرت مریمؑ کو صدیقہ کہہ دینے سے ان کا اعتراف مذید نکھر جاتا ہے کہ بلاشبہ حضرت مریمؑ نہ صرف سچی خاتون تھیں بلکہ بے حد باکردار بھی تھیں یہی وجہ ہے کہ انہیں رب کائنات نے نبی کی ماں ہونے کا شرف بخشا ۔راشؔد بتاتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہونے والی یہ ذات حضرت عیسیٰؑ کی تھی جو اللہ کے نبی ہیں۔ وہ

بتاتے ہیں کہ قرآن میں بھی یہ گواہی ملتی ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں جن پر کتاب انجیل مقدس نازل ہوئی۔ ان کی ذات ان گنت معجزات سے بھری پڑی ہے اور بلاشبہ ان کی ذات عہدِ وفا کی تصویر ہے۔

حکیم سید علی رضوی شفیقؔ:

اصل نام شفیق رضوی اور شفیقؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ فروری ۱۹۳۸ ء کو حیدرآباد کے معزز اور مایہ ناز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سٹی ہائی سکول حیدرآباد سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور پھر فاضل طب کا چار سولہ کورس مکمل کیا۔ قدرت نے آپ کو تقریری قابلیت جیسی خداداد نعمت سے نواز رکھا تھا۔ اسی نعمت کی بدولت آپ نے جوانی میں متعدد طلائی تمغے حاصل کیے۔ آپ کے والد جناب سید یوسف رضوی مرحوم کا شمار شعر کی بسا بزرگ ہستیوں میں ہوتا ہے۔ ۸ دسمبر ۱۹۷۲ ء میں ریحانی لکھنوی کے منعقدہ محامد مسیح کے پہلے مشاعرے کا اہتمام بھی آپ کے گھر (کاشانۂ رضوی) میں کیا گیا۔ حصول روزگار کے لیے آپ نے انڈین میڈیسن ڈیولپمنٹ سنٹر میں بطورِ بانی اور صدر خدمات سر انجام دیں ۔ اس کے علاوہ 'بھارتی طب' کے نام سے شائع ہونے والے ایک رسالے کی ادارت کے فرائض بھی نہایت عمدگی سے انجام دیئے۔

ہر مسلمان ذی فہم کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے نبی ہیں اور ان پر کتاب بھی نازل ہوئی ہے۔ اسی ایمان کا تذکرہ حکیم سید علی رضوی شفیقؔ کے گیتوں میں بھی ملتا ہے۔ اگر شفیقؔ کے گیتوں میں ان کے گیت 'امیدوارِ کرم' کا بغور مطالعہ کریں تو کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو شفیقؔ کے عقیدے کی تصدیق کرتی ہیں۔ ان کے گیت 'امیدوارِ کرم' سے یہ شعر دیکھئے:

نور افشاں ہیں دکن میں جلوۂ بیت الحم
شب کی تاریکی میں انوارِ سحر حضرت مسیح
آپ ہیں برحق نبی اور حاملِ انجیل بھی
کس کو شک ہے آپ کی تقدیس پر حضرت مسیح (۱۰)

یہاں دوسرے شعر کے آخری مصرعے میں شفیقؔ نے بڑے ہی منفرد انداز میں حضرت مقدسہ مریمؑ کی پاک دامنی کا کی طرف اشارہ کیا بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی تقدیس کا بھی خوبصورتی سے اظہار ایمان کیا ہے۔ شفیقؔ نے والہانہ انداز سے حضرت عیسیٰؑ کی بیت الحم میں پیدائش کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مشرق میں اس نبی کی پیدائش بیت الحم میں ہوئی ۔ یہاں صنعتِ تضاد سے کام لیتے ہوئے بڑی خوبصورتی سے ذکر کرتے ہیں کہ وہ ذات شب کی

تاریکی میں انوار سحر بن کر آئی ۔بلاشبہ ہر طرف ظلمات کی بھرمار تھی۔لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور خالق حقیقی کو بھول بیٹھے تھے۔ایسے میں رب کائنات نے بنی نوع آدم کی اصلاح کے لیے ایک نبی کو بھیجا ۔جو اس خدائے قدوس کی بے پدر تخلیق تھی۔ کرشمۂ قدرت نور بن کر آیااور جہالت کے اندھیرے دور کیے۔جب لوگ آپ کی مقدسہ ماں کو لعن طعن کرتے تھے تو آپ نے خود بول کر گواہی دی کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ پر کتاب نازل ہوئی ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے۔جب لوگوں نے آپ کی گفتگو سنی تو وہ حیرت کا انبار بنے۔وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ایک نومولود بچہ گفتگو کرے ایسا کیسے ممکن ہے؟اور کوئی کنواری ایک بچے کو جنم دے ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

مگر وہ آپؑ پر ایمان لائے اور اس بات پر ایمان سے ہی ایک مسلمان کا ایمان بھی مکمل ہوتا ہے۔آپ سے پہلے حضرت موسیٰؑ پر تورات کی کتاب نازل ہوئی ۔حضرت داؤدؑ پر زبور کی کتاب نازل ہوئی اور آپؑ پر انجیل مقدس نازل ہوئی ۔اسلامی عقیدہ قرآن کے ساتھ ساتھ ان تین آسمانی کتابوں اور دیگر انبیا پر نازل ہونے والے صحائف پر ایمان سے ہی مکمل ہوتا ہے۔ یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ ان چار آسمانی کتابوں میں سے انجیل مقدس وہ الہامی کتاب ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی ہے۔انہیں کتاب عطا کر کے اللہ تعالی نے نبی بنا کر بھیجا اوران لوگوں کو جو جہالت کے اندھیروں میں جی رہے تھے نور بن کر حق کی بشارت دی۔

عارف بیابانی :

عارف بیابانی جولائی ۱۹۲۲ء کو گولکنڈہ میں پیدا ہوئے۔عثمانیہ سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا بعد ازاں پنجاب سے منشی فاضل کا امتحان نمائندہ کارکردگی میں پاس کیا اس کے بعد محکمہ کوتوالی بلدہ میں ملازمت اختیار کر لی اور منظم تک ترقی کر لی۔۱۹۷۷ء میں بطورِ منظم ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور آپ کو وظیفہ حسنِ خدمت سے بھی نوازا گیا۔شعر گوئی کا آغاز ۱۹۵۷ء میں ہوا۔آپ حضرت کامل شطاری، حضرت معز ملتانی، حضرت قدر عریضی اور جناب سیف حموی جیسے عظیم اور قابل احترام اساتذہ سے اصلاح سخن لیتے رہے۔اصناف سخن میں مسدس آپ کی پسندیدہ صنف رہی آپ کا رجحان مذہبی مشاعروں میں ہوا کرتا تھا۔

نزولِ انجیل کے حوالے سے عارؔف کے گیتوں کا مطالعہ کریں تو ان کے ہاں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ عیسیٰ ؑ اللہ کے نبی تھے اور انہوں نے بذات خود نومولود بچہ ہوتے ہوئے لوگوں سے ہم کلام ہو کر بڑے بڑے دانشوروں کے منہ بند کر دیئے۔ انہوں نے گواہی دی کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور ان کو کتاب بھی عطا ہوئی ہے۔ ان کی ماں کا دامن پاک صاف ہے۔ اسی حوالے سے ان کے گیت سے یہ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

؎ حضرتِ عیسیٰ وہ حقیقت وہ صداقت ہیں
اللہ نے دی آپ کو وہ رفعت و عظمت
؎ ناقابلِ تردیدِ دوعالم ہے حقیقت
انجیل کی عظمت ہے رسالت کی فضیلت
؎ کافی ہے ہمارے لیے قرآں کی گواہی
حکم آخری لاریب ہے ارشاد الٰہی [11]

یہاں بغور نظر ڈالی جائے تو یہ نتیجہ اخذ ہو گا کہ عارؔف نے بڑی خوبصورتی سے اپنے ایمان کو ایمان مکمل میں بدل دیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ انسانی سوچ سے یہی تقاضا کیا جائے کہ بولنے کی قوت نومولودگی میں نہیں ملی ہوتی ہے لیکن انسانی سوچ سے ماوراسچائی حضرت عیسیٰ ؑ کے ہاں ملتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں کہ کوئی مولود بچہ بول اٹھے مگر یہ ایک مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے کہ وہ اس سب پر صدقِ دل سے ایمان رکھے۔ ایک سچے مسلمان کے لیے اس بات کو آنکھیں بند کر کے مان لینا کوئی مشکل بات نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کرشماتِ الٰہی انسانی سوچ کو حیرت کا مینار بنا دیتے ہیں ۔

سو عارؔف اس عقیدے کا احترام کرتے نظر آتے ہیں کہ آپ ؑ اللہ کے نبی ہیں ۔ آپ کو کتاب انجیل عطا کی گئی ۔ رسالت کا فریضہ سونپا گیا کہ آپ حق و صداقت کی تبلیغ کریں۔ یہ بھی کیسا شاندار ہے کہ آپ نے ماں کی گود سے ہی تبلیغ شروع کر دی تھی ۔ جب لوگوں نے آپ کی ماں کو برا بھلا کہا اور الزام تراشی شروع کر دی ۔ آپ نے نہ صرف ان کی پاک دامنی کا ثبوت دیا اور خود کو اللہ کا نبی بتایا بلکہ اگر دیکھا جائے تو آپ نے اللہ کی تبلیغ شروع کر دی

۔ عارؔف کے گیتوں میں بے شمار مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں جو ان کے عقیدے کو اور زیادہ مضبوط کرتی ہیں اور ان کا ثبوت بھی دیتی ہیں ۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان کا دل بڑی جرأت اور خوشی سے اس بات پر ایمان لے آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے نبی ہیں اور ان پر انجیل نازل کی گئی اور یہی ثبوت ہمیں عارؔف کے ہاں ان کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔

معجزاتی صفات:

اسلامی عقائد کے تناظر میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزاتی اوصاف کے حوالے سے گفتگو کی جائے تو قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزات اور کرشماتی وصف کے حوالے سے کئی مقامات پر گواہی کے طور پر آیات ملتی ہیں۔ جن میں صاف صاف الفاظ میں لکھا ملتا ہے کہ آپ کو قدرت نے بہت سی معجزاتی صفات سے نواز رکھا تھا۔ حضرت عیسیٰ کے معجزات کی بحث چھیڑی جائے تو سب سے پہلے تو حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے کنواری مقدسہ مریمؑ کے بطن سے پیدا ہونا ہی ایک معجزۂ پیدائش ہے۔ جب لوگ آپ کی والدہ ماجدہ کو لعن طعن کر رہے تھے اور ان پر بدکرداری کے الزام دھرتے جا رہے تھے تو ایسے میں نومولودگی کی حالت میں لوگوں سے ہم کلامی بھی عام بات نہیں تھی بلکہ معجزانہ انداز تھا۔

کیونکہ یہ انسانی سوچ سے بالاتر عمل ہے کہ ایک نومولود بچہ لوگوں سے گواہی کے طور پر ہم کلامی کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر حضرت عیسیٰؑ کی زندگی پر مذید نظر دوڑائیں تو قرآن مجید میں اس حوالے سے اکثر آیات ملتی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو رب کائنات نے معجزاتی صفات کی ودیعت عطا کر رکھی تھی۔ اس حوالے سے قرآن مجید کی یہ آیات دیکھئے:

> "اور جب وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس سے کہا میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی مورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا

ہوں میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔اس میں تمہارے لیے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔" (۱۲)

ذیل میں اسی حوالے سے مسلم شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

مرزا سر فرآز علی :

اصل نام مرزا سر فرآز علی جبکہ سر فرآز تخلص کرتے تھے۔آپ ۲۹ اگست ۱۹۱۷ ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حیدرآباد سے ہی حاصل کی۔بی اے آنرز ڈپ ایڈ ٹرینٹی کالج ڈبلن سے بڑے عمدہ اور نمائندہ نمبروں سے پاس کیا۔ آپ بابائے اردو مولوی عبد الحق،ڈاکٹر لطیف، گراہم بیلی، سر پرسی نن اور میگڈو گِل کے علاوہ ڈاکٹر محی الدین زور جیسے عظیم اور مشہور عالم اساتذہ سے علمی استفادہ کرتے رہے۔

حضرت مرزا سر فرآز علی نے فارسی کے لیے آغا علی رضا شیرازی اور ڈاکٹر نظام الدین سے تلمذ کیا۔بی اے میں ہندی اور تلنگی کے مضامین بطورِ دوم منتخب کیے۔ جامعہ عثمانیہ سے ڈاکٹر جعفر حسن سے جرمن زبان بھی بڑی لگن سے پڑھی۔اور فرنچ زبان یورپ سے سیکھی۔ یہ زبان سیکھنا بلاشک وشبہ تقاضائے وقت تھا کیونکہ یورپ کے کئی ممالک میں ایک مدت تک رہے۔ جنگِ عظیم دوم کے دوران بی بی سی سے مرزا سر فراز علی کی متعدد نظمیں اور تقریریں نشر ہوا کرتی تھیں۔وہاں،سفر یورپ ،رموز سیاست اور بالگ گیت کے عنوانات سے آپ کی کتابیں بھی منظر عام پر آئیں۔ آپ نے عثمانیہ میگزین کے حصہ اردو انگریزی میں بطورِ ایڈیٹر اور سٹی کالج کے الموسی کے ایڈیٹر کی خدمات دیں۔اس کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو مشاورتی پینل میں انگریزی، فارسی اور اردو برائے ترتیب و تدوین کے چیئرمین کی حیثیت سے تقریباً چھ سال تک اپنی خدمات بخوبی نبھاتے رہے۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے کئی علمی موضوعات پر آپ کی تقریریں اور متعدد نظمیں تقریباً تیس سال سے زیادہ عرصے تک نشر ہوتی رہیں۔

تقریری شوق نو عمری سے شروع ہوا۔ سر فرآز نے مدارس اور علی گڑھ میں بین الکلیاتی اردو اور انگریزی تقریری مقابلوں میں اول پوزیشن حاصل کی۔بی اے آنرز کے دوران بھی ڈبلن کے ٹری نٹی کالج میں انگریزی تقریری مقابلے کی بازی لے اُڑے۔ سر فرآز لندن کی کاسماپالیٹن اسوسی ایشن اور ایڈنرا سوسائٹی وغیرہ میں اہل ذوق شخصیات سے بھی علمی استفادہ کرتے رہے۔ سر فرآز کو یہ شرف حاصل رہا کہ آپ نے برنارڈ شا، وینس راس، گراہم بیلی، ایچ جی ویلز، ڈی ولیرا، فروز خان نون، سر ظفر اللہ اور عبد اللہ یوسف علی جیسے عظیم اور نامور شخصیات کو بھی

گاہے بگاہے مختلف مواقع پر سنا بھی اور ان سے یادگار ملاقاتیں بھی رہیں۔ ۱۹۳۹ء میں یورپ کو خیر باد کہا اور وطن واپسی ہوئی۔ سرفرازؔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں غزل، رباعی اور نظمیں کہتے تھے۔ اخیر عمر میں نائب ناظم تعلیمات کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔

مرزا سرفرازؔ کے گیتوں کا بغور مطالعہ کریں تو ان کے ہاں بھی حضرت عیسیٰؑ سے دلی عقیدت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ان کا گیت 'ابن مریم' کو بطور نمونہ دیکھا جا سکتا ہے۔ اپنے اس گیت میں وہ حضرت مریمؑ کی شان میں مدح کے اشعار کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی صفات پر بھی نگاہ ڈالتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے گیت 'ابن مریم' سے یہ اشعار دیکھیے:

؎ نفسِ انسان کا محافظ رہِ نما
دست گیر بے نوا، مشکل کشا
؎ روح مردہ کو جگانا تیرا کام
دو جہاں میں ہے مسیحا تیرا نام[۱۳]

ان اشعار میں سرفرازؔ مرزا حضرت عیسیٰؑ کے معجزاتی اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے یہ ودیعت عطا کی۔ آپ بے کس اور لاچار بیماروں پر ہاتھ رکھتے تو وہ اچھے ہو جاتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزات سے نوازا تھا کہ انسانی آنکھ حیران اور انسانی سوچ پریشان ہو جاتی تھی کہ یہ حیران کن عوامل کس طرح وجود میں آجاتے ہیں کہ ایک ایسا بیمار جس کو طبیب لاعلاج قرار کر دیں 'وہ شفایاب ہو جائے اور اندھوں کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ دیکھنے لگیں۔ کوڑھی پاک صاف ہو جائیں۔ لنگڑے چلنے لگیں یہاں تک کہ مردے بھی جیتی جاگتی جان ہو جائیں۔ ایسا ہر گز ناممکن ہے مگر حضرت عیسیٰؑ بے نواؤں اور بے سہاروں کے آشاؤں سے بھرے دلوں کے لیے دستگیر بنے اور انہیں شفائے کاملہ سے بھی نوازا کیونکہ ان پر رب کائنات کی خاص ودیعت تھی ۔ معجزاتی صفات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت عیسیٰؑ کا نام دو جہانوں میں وہ واحد نام ہے جس کو آج تک بے حد مقبول جانا جاتا ہے۔ یہ وہ نام ہے جس سے آج بھی معجزات وجود میں آتے ہیں جنم کے اندھے اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگتے ہیں ۔ بہرے سنتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ ناممکنات بھی ممکنات میں بدل جاتے ہیں ۔ حالات جیسے بھی ناساز کیوں نہ ہوں اس نام سے ساز گار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ معجزات کا خدا آج بھی بہت سے معجزات کرتا ہے۔

زہیر پرویز:

اصل نام زہیر پرویز جبکہ زہیؔر تخلص کرتے تھے۔ آپ نو عمری سے ہی شعر گوئی کی طرف مائل رہے۔ اپنی ذات سے ہی تلمذ کیا۔ آپ اندھی تقلید سے اجتناب برتتے تھے۔ زہیؔر کا زیادہ لگاؤ انگریزی میں نظم کہنے کی طرف تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ انگریزی میں نظم کہنا ان کا ملکہ تھا۔ کبھی کبھی انگریزی گانوں کی طرز پر بھی اردو نظمیں تحریر کرتے۔ حصول روزگار کے لیے ایک تجارتی مرکز میں بطور مددگار افسر اپنی خدمات پیش کرتے رہے۔ زہیؔر کا رنگ الگ تھا۔ وہ کئی ایسے عنوانات اور مضامین کو باندھتے تھے جو عام روایتی انداز سے ہٹ کر ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا رنگِ انداز جدا ہے اور دلکش بھی۔

یوں تو زہیؔر پرویز کے ہاں کئی مضامین ملتے ہیں جنہیں انہوں نے اپنے قلم کی زینت بنایا اور ان کو بڑی خوبصورتی سے لفظوں کے سانچے میں ڈھالا مگر ان کے ہاں جو مضمون سب سے الگ اور جاندار انداز میں سامنے آتا ہے وہ حضرت عیسیٰ ؑ کی معجزاتی صفات کا بیان ہے۔ اسی حوالے سے ان کے گیت 'وہی ہیں اس کے پیاروں میں' سے یہ مصرع دیکھیے:

؎ جس نے شفا دی بیماروں کو جس نے جلایا مردوں کو (۱۴)

زہیؔر کا یہ مصرع حضرت عیسیٰؑ کی معجزاتی صفات کی گواہی ہے اور ان کے اسلامی عقیدے پر کامل یقین پر مہر بھی۔ زہیؔر اس عقیدہ کے معترف ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی ذات پاک کئی معجزاتی اوصاف سے بھرپور ذات ہے۔ یہ اقرار ان کے گیتوں میں خوب ڈھلتا ہے۔ اس گیت میں بھی زہیؔر عیسیٰؑ کی معجزاتی صفات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ ؑ کی ذات پاک معجزات سے بھری ذات ہے یہاں بھی زہیؔر حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا ذکر کر رہے ہیں ۔ وہ والہانہ اقرار کرتے ہیں کہ آپ کی ذاتِ مبارک ہے جس سے بیمار اچھے ہو جاتے ہیں اندھے دیکھنے لگتے ہیں' گونگے بولنے لگتے ہیں' بہرے سننے لگتے ہیں اور یہاں تک کہ مردے جیتی جان ہو جاتے ہیں ۔ ان معجزات کی گواہی خود قرآن مجید میں بھی ملتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی ذات کو رب کائنات کی طرف سے یہ ودیعت تھی کہ وہ جنم کے اندھوں تک کو بینائی عطا کرتے۔ بیماروں کو اچھا کرتے۔ وہ مٹی سے پرندے کا مجسمہ بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو ان کے دم سے وہ جیتی جان ہوتے اور اڑنے لگتے۔ آپ کو قدرت نے اتنی طاقت اور قوت عطا کر رکھی تھی جو لوگوں کو حیران کرتی تھی اور لوگ آپ کے معجزات دیکھ کر نہ صرف خدا کو قبول کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے۔

زہیر کے گیت 'روشنی' سے یہ شعر دیکھئے:

یہ حقیقت ہے کہ مردوں نے زہیر
روشنی عیسیٰ کے دم سے پائی ہے (۱۵)

زہیر کا گیت 'روشنی' اوصاف عیسیٰ کے ذکر سے بھرپور گیت ہے۔ اس گیت کو پڑھنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زہیر اس اسلامی عقیدہ پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے ان کو بے تحاشا معجزاتی صفات سے نواز رکھا ہے ۔ حضرت عیسیٰؑ کی ذات اقدس زہیر کے نزدیک نہایت معتبر ذات ہے جس کا ذکر گیت 'روشنی' کے پہلے دو اشعار میں واضح طور پر کرتے ہیں کہ یہ ذات بے حد پاک ذات ہے۔ ان کے بارے میں لکھنا زہیر کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔ ایسی ذات جس کے دم سے اندھیروں میں روشنی پھیلی ہے۔ زہیر بتاتے ہیں کہ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ آپ کی ذات خدا کا نور ہے اور سچ اور حق کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

گیت کے آخری حصے میں زہیر فرماتے ہیں کہ آپ ؑ کی ذات بے حد معجزات سے بھری ہوئی ذات ہے۔ آپ ؑ کے معجزات کی حد اس قدر وسیع ہے کہ آپ ؑ مردہ بدنوں میں جان بھر دیتے ۔ جسم مردہ ہو جائے تو امید بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ زندگی باقی نہیں رہتی۔ مگر آپ ؑ کو اللہ نے یہ ودیعت عطا کی تھی کہ آپ ؑ کے وسیلے سے مردہ بدن جیتی جاگتی جان ہو جاتے۔ اور وہ جو موت کے باعث آنکھیں بند کر لیتے ان کو نہ صرف زندگی میسر آتی ہے بلکہ جی اٹھنے کے بعد ان کی اندھیری دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ آپ کے گواہ بنتے اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے۔

آمد ثانی:

آمد ثانی کے معنی دوبارہ آمد کے ہیں۔ آمد ثانی کی ترکیب حضرت عیسیٰؑ کی ذات سے منسوب ہے۔ یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور وہ دوبارہ اس زمیں ہر آئیں گے اور ان کی آمد ثانی کے بعد قیامت کا دور قریب ہو گا۔ دراصل حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی قیامت کے قریب آنے والی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اس حوالے سے یہ آیات دیکھئے:

> ''اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے اللہ کے رسول، مریم کے بیٹے عیسیٰؑ مسیح کو قتل کر ڈالا ہے۔ حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ انہیں سولی چڑھایا مگر ان کے لیے ہم شکل بنا دیا گیا، اور بے شک جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ یقیناً اس سے شک

میں پڑے ہوئے ہیں۔انہیں کچھ بھی علم نہیں مگر یہ کہ گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف آسمان پر اٹھالیا، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"(۱۶)

ذیل میں اسی حوالے سے مسلم شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

یوسف علی خاں

اصل نام ڈاکٹر یوسف علی خاں جبکہ یوسف تخلص کرتے تھے۔ آپ ۱۵ دسمبر ۱۹۱۶ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دہلی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ میٹرک کے امتحان لاہور سے پاس کیے۔ اور پھر جامعہ عثمانیہ میں زیرِ تعلیم رہے۔ ۱۹۶۲ء میں ایم اے کے امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیے۔ اور پی ایچ ڈی کی ڈگری ۱۹۶۵ء میں مکمل کی۔ آپ نے حصولِ روزگار کے لیے کوئی خاص ملازمت اختیار کرنے کی بجائے خانگی اداروں میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر یوسف علی خاں کو علامہ اقبال سے تلمذ کا شرف حاصل رہا ہے۔ 'نغمہ نیم رنگ' کے عنوان سے ۱۹۲۷ء میں آپ کا ایک شعری مجموعہ جامعہ اسلامیہ سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ نظموں پر مبنی تھا۔ آپ کا دوسرا شعری مجموعہ 'لالہ زار' کے نام سے ۱۹۳۵ء میں چھپا۔ ڈاکٹر یوسف علی خاں کے اجداد ایران سے عہد عباسیہ کے دوران ہندوستان آئے۔ نواب سعد الدین خاں اکبر شاہ ثانی کے وزیر اعظم کی خدمات بھی اسی جد کے والی وارث نے انجام دی۔ ڈاکٹر یوسف علی خاں کا انداز سادہ اور شستہ ہے آپ بڑی خوبصورتی سے کُھلے قافیوں کو نبھاتے ہیں کہ کلام میں ندرت جھلکنے لگتا ہے۔ یوسف نے نظم و غزل دونوں اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔

یوسف علی خاں کے گیتوں کا بغور مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کے ہاں نمایاں مضمون حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی ہے۔ اس سے معلوم پڑتا ہے کہ یوسف اسلامی عقیدے پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ آپؑ زندہ آسمان پر اٹھا لیے اور وہ وقت ضرور آئے گا جب واپس زمین پر اپنی بقیہ زندگی گزارنے کے لیے آئیں گے۔ اس حوالے سے ان کے گیت 'مسیح آسمان پیا' جو اسی مضمون کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے' بڑا مقبول ہوا۔ اس سے یہ شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

اتر آسماں سے اے مسیح آسماں پیا
بسر غم دیدہ حالی میں ترے بیمار کرتے ہیں(۱۷)

اس گیت میں یوسف حضرت عیسیٰؑ کو 'آسمان پیا' کہہ کر پکارتے ہیں جو ان کا بڑا والہانہ اظہار محبت ہے گیت کے نام سے ہی کا مضمون واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیح یسوع آسمان پر جا چکے ہیں اور زندہ و جاوید ہیں۔ یہ عجیب

ہے اور انسانی سمجھ سے بالاتر ہے کہ کسی شخص کو زندہ آسمان پر اٹھالیا جائے۔ مگر یہی اسلامی عقیدہ بھی ہے اور یہی حقیقت بھی کہ آپ کو اللہ تعالی نے آسمان پر زندہ اٹھالیا ہے اور جلد آپ ایک مقررہ وقت پر واپس اس زمین پر تشریف لائیں گے اور اپنی بقیہ زندگی بسر کریں گے۔ اس گیت میں یوسف حضرت عیسیٰ ؑ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور انہیں آسمان پر سے اتر آنے کی خواہش بیان کرتے ہیں کیونکہ ان کا قلبی تعلق انہیں مجبور کر دیتا ہے کہ جلد ہی اس خوبصورت ذات سے ان کی ملاقات ہو جائے۔ وہ آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ زندگی جو بے سروسامانی میں گزر رہی ہے اچھا ہے کہ تیرے وجود کے ساتھ گزرے اور اگر تو آسمان سے اتر کر اپنا دیدار عطا کر دے اور اپنی قربت کے لمحات میسر کر دے تو اس بیمار کی طبیعت جو ناساز ہے اچھی ہو جائے۔ ان پیاسی آنکھوں کو ٹھنڈک میسر آئے اور اس بے قرار دل کو قرار آجائے۔

بشیر وارثی:

بشیر تخلص جبکہ وارثی نسبتِ بیعت کی وجہ سے استعمال کرتے۔ آپ سپاہیوں کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیمی سلسلہ بہت زیادہ دیر تک جاری نہ رکھا۔ انٹر میڈیٹ کے بعد کنیٹجنٹ میں ملازمت کی خدمات انجام دیں۔ اور وظیفہ پر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ وظیفہ کے بعد انکم ٹیکس میں ملازمت کی اور دفتر چھتہ بازار کی کمان سے وابستہ ہوئے۔ ان کا کلام لطافت اور شائستگی سے بھرپور ہے ۔ آپ نے خیال آفرینی سے بلند پایہ مضامین باندھے۔

بشیر وارثی کے کلام میں یوں تو اسلامی عقائد سے بھرپور کئی مضمون لفظوں کی ڈوری میں پروئے ہوئے ملتے ہیں مگر جو مضمون ان کے ہاں ہمیں زیادہ ملتا ہے وہ حضرت عیسیٰ ؑ کی آمد ثانی ہے۔ ان کی ہاں حضرت عیسیٰ ؑ کی دوبارہ اس جہان میں آمد کا تذکرہ بڑی خوبصورتی سے ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے گیت 'دوستو' سے شعر ملاحظہ ہو:

؎ حضرت عیسیٰ ؑ کا ہو گا اس جہاں میں پھر نزول
آسماں پر آج بھی وہ جاوداں ہے دوستو[۱۸]

بشیر کا گیت 'دوستو' بنیادی طور پر ان کا حضرت عیسیٰ ؑ سے خوبصورت اظہار محبت کے نتیجے میں اپنے دوستوں سے ان کی خوبصورت اور معجزاتی شخصیت کی تبلیغ ہے۔ اس گیت میں وہ حضرت عیسیٰ ؑ کی معجزانہ پیدائش کا تذکرہ چھیڑنے کے بعد حضرت عیسیٰ ؑ کے اوصاف گنواتے ہوئے ان کی دوسری آمد کا ذکر کرتے ہیں ۔ ان کا یہ ذکر ان کی حضرت عیسیٰ ؑ سے گہری محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ منظر ایک کھلی

کتاب کی طرح ہم پر عیاں ہوتا ہے کہ آپ کا کلام اسلامی عقائد کے عین مطابق ہے۔ آپ کے ہاں کوئی نکتہ بھی ایسا نہیں جو آپ کو عقائد سے ڈگمگاتا ہوا دکھائی دے بلکہ وہ اسلامی عقائد کی مکمل عکاسی کرتے ہیں اور آپ کے ایمان کامل کا ترجمان بن کر سامنے آتا ہے۔

آمد ثانی بھی اسلامی عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے جس کے مطابق حضرت عیسیٰ ؑ کو صلیب نہ دی گئی بلکہ آپ ؑ کو اللہ تعالی نے زندہ آسمان پر اٹھالیا اور آپ ؑ اس جہان میں واپس آئیں گے۔ اس کے لیے اللہ نے کوئی خاص وقت مقرر کیا ہے جب آپ ؑ کی دوسری آمد ہوگی اور آپ ؑ اس دھرتی پر آنے کے بعد اپنی بقیہ زندگی بسر کر دیں گے۔ بشیر وارثی کا یہ انتخاب بھی یہی بحث اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے کہ آپ ؑ زندہ وجاوید ہیں یعنی آپ کو اللہ تعالی نے زندہ ہی آسمان پر اٹھالیا اور آپ ؑ آج بھی آسمان پر موجود ہیں ۔ آپ ؑ کا آسمان پر سے دوبارہ نزول ہوگا اور آپ ؑ واپس اس زمین پر آکر اپنی زندگی بسر کریں گے۔

ب۔ مسیحی تہوار کے تناظر میں:

کرسمس:

کرسمس دراصل مسیحی تہوار ہے جسے مسیحی برادری حضرت یسوع مسیح کی پیدائش کی خوشی میں مناتی ہے۔ یہ پیدائش درحقیقت خدا کی قدرت سے ایک معجزانہ پیدائش تھی ۔ حضرت یسوع مسیح نے کنواری حضرت مقدسہ مریم ؑ کے بطن سے بحکم خدا جنم لیا ۔اس جنم کی خوشی میں ساری دنیا ۲۵ دسمبر کو یہ تہوار بڑے جوش وخروش کے ساتھ منایا کرتی ہے۔ بہت سے شعرا نے حضرت یسوع مسیح کی پیدائش کو اپنی شاعری میں مضمون کیا ہے۔

ڈاکٹر اسد انصاری

اصل نام ڈاکٹر محمد اسد حسن انصاری جبکہ اسد تخلص کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۰۵ء میں محلہ مغل پور، حیدرآباد میں ہوئی۔ آپ کے ننھیال حیدرآباد سے جب کہ دادھیال کا تعلق فرنگی محل کے علماء سے جاملتا ہے۔ آپ نے علوم شرقیہ کے امتحانات لکھنؤ یونیورسٹی سے نہایت اعلی نمبر لے کر پاس کیے۔ آپ نے مدرسہ عالیہ نظام سے فاضل حدیث اور مولانا کی سندیں بھی لیں اس کے بعد حکیم فاضل کی سند طبیہ وہاجیہ کالج سے حاصل کی اور پھر ایم ڈی ایچ کی ڈگری امریکن ہومیو پیتھک کالج سے حاصل کی ۔طب کے ساتھ ساتھ شاعری کی طرف بھی

مزاج ملتا رہا۔ نوعمری سے ہی شعر کہتے تھے شاعری میں اثرؔ لکھنوی اور آرزوؔ جیسے بڑے اساتذہ سے تلمذ رہا۔ سنجیدہ شعر تو کہتے ہی تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ مزاحیہ مزاج بھی رکھتے تھے۔ مزاحیہ شاعری میں سرؔپٹ تخلص کرتے تھے۔ مزاحیہ مجموعہ کلام 'دھر گھسیٹ' کے عنوان سے ۱۹۷۹ء کو منظر عام پر آیا۔

یوں تو ڈاکٹر صاحب نے کئی موضوعات کو سخن میں سمویا ہے مگر ان کے گیتوں میں سب سے زیادہ نمایاں موضوع کرسمس کے تہوار کا موضوع ہے۔ اس حوالے سے ان کا گیت 'ولادت مسیح' قابل ستائش ہے۔ اس گیت کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گیت حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کا بیان ہے۔ اس گیت سے یہ شعر حوالے کے طور پر ملاحظہ ہو:

یہ کس کی آمد آمد کی خوشی ہے
یہ ہر سو روشنی ہی روشنی ہے
منور ہو رہی ہیں کیوں فضائیں
یہ کس کے نور کی جلوہ گری ہے
وہی جو ہیں مسیح ابن مریم
انھی کی آج تشریف آوری ہے[۱۹]

ڈاکٹر اسدؔ انصاری کہتے ہیں کہ ایسی کونسی زبردست اور شاندار ہستی زمین پر اتر رہی ہے۔ کس کی آمد آمد ہے کہ زمین و آسمان کی خوشی کی انتہا نہیں ہے۔ یہ کون ہے جس کی آمد سے چاروں سمت اندھیروں کے بادل چھٹنے لگے ہیں اور ہر سو روشنی ہونے لگی ہے اور فضائیں مست ہو کر منور ہو رہی ہیں آخر ایسی کون سی ہستی ہے جس کی ذات ایسی زبردست اور ایسی خوبصورت ہے اور آخر وہ کون ہے جس کا جاہ و جلال ایسا دلکش اور شاندار ہے کہ ہر سو اجالا ہی اجالا پھیل رہا ہے۔ اسدؔ انصاری کہتے ہیں کہ میری آنکھیں یہ خوبصورت منظر دیکھ کر حیران ہیں کہ کس کی آمد ہے۔ اس گیت میں اسدؔ بڑی خوبصورتی سے استفسار کا سہارا لیتے ہوئے شان مسیح کو اور بلند کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ اور منظر نگاری کو مزید نکھارتے چلے جاتے ہیں جبکہ آخری شعر میں وہ اس راز پر سے پردہ ہٹاتے ہیں کہ ہر سو روشنی جس ذات کے وسیلہ سے ہے 'ہر طرف فضائیں جس کی وجہ سے منور ہیں 'جس کا ساری دنیا کو انتظار ہے' جس کے لیے سارے جہان کی آنکھیں منتظر ہیں اور دونوں جہانوں کا عالم جس کے دم سے پر نور ہے وہ ذات جناب حضرت عیسیٰؑ ہی کی ہے اور آج ہر سو روشنی اور تازگی کا احساس اس لیے ہے کہ آج کا دن جہانوں کے سب دنوں میں ایسا شاندار دن ہے کیونکہ اس دن حضرت عیسیٰ مسیح کی دنیا میں آمد ہوئی ۔ آج کا دن ان کی پیدائش کا دن ہے۔ سو اس دن کو شاندار انداز میں منایا جائے۔

مراد خاں وکیلؔ:

اصل نام مراد خاں جبکہ وکیلؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ ۱۹۴۸ء کو قلعہ گولکنڈہ میں سپاہیوں کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم الحاج محمد عبداللہ خاں صاحب فوج میں حوالدار تھے۔ جناب مراد خاں وکیلؔ نے ابتدائی تعلیم گولکنڈہ کے ایک سرکاری مدرسہ سے حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد علم و فن کی لگن نے دل و دماغ کو مضطرب رکھا۔ جس نے کئی علم و فنون میں کئی کئی ڈپلومے لینے پر مجبور کیا۔ شعر گوئی کی طرف زمانۂ طالب علمی سے ہی طبیعت مائل تھی۔ شاعری میں جناب صبر آغائی سے زانوئے تلمذ کیا۔ آپ کے دوست احباب آپ کو ماہر علم و فنون مختلفہ کہہ کر اکثر ہی چھیڑا کرتے تھے۔ وکیلؔ کا کلام سادہ اور پُر لطف ہے آپ نے نظم و غزل دونوں اصناف سخن میں طبع آزمائی کی مگر زیادہ لگاؤ نظموں کی طرف رہا۔ آپ سادہ اور کھُلے قافیوں سے مضمون کو ایسی عمدگی سے باندھتے کہ اس میں جدت کے عناصر ٹپکنے لگتے۔ منظر کشی ایسی نفاست سے کرتے کہ قاری کے دل موہ لیتے۔

وکیلؔ کے پسندیدہ موضوعاتِ سخن میں سے ایک موضوع مسیحی تہوار کرسمس ہے۔ ان کی شاعری میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا ذکر ملتا ہے۔ اس حوالے سے ان کا گیت 'کرسمس کی شام' ایک یادگار گیت ہے۔ اس گیت سے یہ شعر حوالے کے طور پر دیکھئے:

دیا ہے یہ عیسیٰ نے ہم کو پیام
خلوص و محبت سے بنتا ہے کام
مرادؔ آج آؤ منائیں گے جشن
کرسمس ہے گویا مسرّت کی شام(۲۰)

ان اشعار سے صاف صاف کرسمس کا منظر جھلکتا نظر آتا ہے۔ وہ اپنے گیت 'کرسمس کی شام' میں بڑے خوبصورت انداز میں حضرت مسیح کی پیدائش کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح کی ذات بے شک محبت کا پیغام لے کر آئی ہے۔ وہ ذات خلوص و محبت کا درس دیتی ہے۔ وکیلؔ بتاتے ہیں کہ اس نام پر یقین سے ہی ایک مسلمان کا ایمان تکمیل کی حد تک جا پہنچتا ہے اور ایک مسلمان حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ پیدائش پر یقین رکھتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اس لیے وکیلؔ کہتے ہیں چونکہ آج کا دن ایک نبی کی پیدائش کا دن ہے اس لیے

خوشیوں کی اس خوبصورت شام کو بڑے جوش و خروش اور والہانہ انداز سے ایک جشن کے طور پر منایا جائے کیونکہ آج کے دن اس دھرتی پر خدا کے نبی کی معجزانہ طور پر پیدائش ہوئی ہے۔ یہ وہ نبی ہے جن کو خدائے اقدس نے بے تحاشہ معجزاتی اوصاف سے نوازا۔ یہ وہی نبی ہے جن کو خدا نے آسمان پر اٹھالیا ۔ یہ وہی نبی ہیں جو رب کائنات کے نور سے وجود میں آئے ہیں تو ضرور ہے کہ اس نبی کی شان میں اس کی پیدائش کو بھرپور انداز سے منایا جائے۔

۲۔ہندو شعرا کے ہاں مسیحی گیت نگاری:

ہندو شعرا کے کلام کو دیکھا جائے تو ہندوؤں میں بھی ہمیں شاعری کے ایسے کمال نمونے ملتے ہیں۔ جو سراسر اسلامی اور مسیحی عقائد پر مبنی ہے ایسا اس لیے بھی ہے کہ ایک ساتھ رہتے ہوئے باہمی بھائی چارہ، رواداری اور جذبہ ہمسائیگی شعرا میں اس درجہ ابھارا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ سے دلی عقیدت کو اپنے لفظوں میں بڑے خوبصورت انداز میں ڈھالا ہے۔ ہندو شعرا نے کبھی اسلامی عقائد تو کبھی مسیحی عقائد کے تناظر میں کئی مسیحی گیت لکھے ہیں۔

الف۔ قرآنی آیات واسلامی عقائد کے تناظر میں:

ہندو شاعروں میں ایسا کلام بھی ملتا ہے جو انہوں نے حضرت عیسیٰؑ سے دلی عقیدت اور محبت میں لکھا۔ یہ کلام اپنے اندر کئی عقائد کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ذیل میں ہندو شعرا کے ہاں اسلامی عقائد کے حوالے سے گیتوں کے نمونے ملتے ہیں۔

بے پدر تخلیق:

بے پدر تخلیق کے حوالے سے بات کی جائے تو اس عقیدہ پر ایمان رکھنے والوں کا فی الحقیقت یہ ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جنہیں یسوع مسیح کے نام سے بھی جانا جاتا ہے' کی تخلیق رب کائنات کا انمول کرشمہ ہے اور یہ تخلیق کسی مرد کے عمل دخل سے وجود میں نہیں آئی بلکہ یہ تخلیق خدائے قادر مطلق کے حکم سے' اس کے کلمے سے وجود میں آئی ہے۔ اسلامی عقیدہ اس بات پر ایمان لائے بغیر مکمل نہیں ہوتا ہے۔ ہندو شعرا کے ہاں ہمیں مثالیں ملتی ہیں

جن میں وہ اس بات کا اقرار کرتے نظر آتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کی تخلیق ہیں اور وہ اللہ کے حکم سے وجود میں آئے ہیں ذیل میں ایسے شعرا کا ذکر ملتا ہے۔

منوہر لال بہارؔ:

اصل نام منوہر لال جبکہ بہارؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ نے دکن کے ایک نہایت معزز گائستھ گھرانے میں جنم لیا۔ مغلیہ خاندان سے دور آصفی تک کی تاریخ اٹھائی جائے تو منوہر لال بہارؔ کے بزرگوں کا نام بڑے اعزاز سے اس تاریخ میں ملے گا۔

یہ سنسکرت' فارسی اور عربی کے عالم ہوا کرتے تھے۔ شاعری کی طرف شوق نوعمری سے تھا۔ گھر کا ماحول نہایت ادبی تھا۔ اس لیے یہ کہہ دینا بھی غلط نہ ہو گا کہ شاعری آبائی پیشہ تھا۔ گھر میں شاعرانہ فضا' اساتذہ کے دستیابی کے باوجود رائے منوہر لال بہارؔ نے امام حسن حضرت جلیلؔ مانک پوری سے زانوئے تلمذ کیا۔ 'بہارستان' کے نام سے آپ کا پہلا مجموعہ کلام جبکہ 'قرار تمنا' کے نام سے آپ کا دوسرا مجموعہ کلام منظر عام پر آیا۔

گیتوں کے حوالے سے ذکر چھیڑا جائے تو بہارؔ کے گیتوں میں پختگی کے عناصر کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ ایک سماج میں رہتے سہتے یہ فطری عمل ہے کہ ایک دوسرے سے دلی قربت ہو ہی جایا کرتی ہے اور پھر قلبی تعلقات ایک دوسرے کے عقائد سے عقیدت و محبت پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سماجی حوالے سے رائے منوہر لال بہارؔ کے ہاں بھی ایسا خوبصورت رنگ ملتا ہے۔ منوہر بہارؔ کے گیتوں کا بغور مطالعہ کریں تو ان کے گیتوں میں وہ ہمیں حضرت عیسیٰؑ کی بے پدر تخلیق کے معترف ملتے ہیں۔ اسی حوالے سے ان کے گیت 'پیکر صدق و صفا' سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ پاک مریم کے پسر نورِ خدا عیسیٰ مسیح
روح اللہ آپ ہیں حق کی صدا عیسیٰ مسیح (۲۱)

بہارؔ کا گیت 'پیکر صدق و صفا' بنیادی طور پر حضرت عیسیٰؑ کے خوبصورت پیکر کا ترجمان ہے۔ اس پیکر حق کی بات کی جائے تو بے پدر تخلیق اس پیکر کا پہلا وصف ہے جس پر ایک مسلمان کا ایمان کامل ہے۔ اور بہارؔ اس گیت کے توسط سے اس امر کے معترف ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق بغیر باپ کے ہوئی۔ یعنی ان کی پیدائش میں کسی ذی شعور آدم کا عمل دخل نہیں بلکہ ان کا وجود کلمہ اللہ کے وسیلہ ہوا۔ مذکورہ بالا شعر کے مصرع اولیٰ میں پاک مریم کے پسر کہہ دینے سے بہارؔ کی مراد یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مریمؑ کے بیٹے ہیں۔ مریمؑ کا کہہ دینے سے بہارؔ کا مطلب یہی

ہے کہ وہ کسی مرد کی اولاد نہیں بلکہ انہوں نے کنواری مقدسہ مریمؑ کے بطن سے جنم لیا ہے۔ حمل ہونے سے پہلے کنواری مقدس مریمؑ کسی مرد کو ہر گز نہ جانتی تھی بلکہ وہ کلمتہ اللہ کے وسیلہ سے حاملہ ہوئیں اور ان کے ہاں ایک بیٹا ہوا جو فی الحقیقت حضرت عیسیٰ یسوع المسیح تھے۔ جن کا ذکر بہآر کے گیت 'پیکر صدق و وفا' میں ملتا ہے۔ بہآر کہتے ہیں کہ وہ جو مریمؑ کا بیٹا ہے یعنی ابن مریم ہے یہ وہی ہستی ہے جسے مسلمان عیسیٰ اور مسیحی یسوع المسیح کہتے ہیں۔ بہآر کے ہندو گھرانے سے تعلق ہوتے ہوئے اس خوبصورت ردیف کا استعمال اسلامی مسیحی دونوں عقائد کو خوبصورتی سے نبھاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہی عیسیٰؑ اور یہی مسیح ہے اور یہی حق ذات کی صدا بھی ہے۔ یہی نور خدا بھی۔ اسی کے نور میں دنیا کی چہار دشاؤں سے تاریکی کے اور ظلمات کے بادل چھٹ گئے۔ ہر طرف نور بکھیرا ہے ایسا اس لیے ممکن ہوا کہ آپ کا وجود نور خدا سے تخلیق ہوا اور یہ نور خدا ہی ہے۔ کسی آدمی کے وسیلہ سے آپ کی تخلیق نہیں ہوئی اگر ایسا ہوا ہوتا تو شاید آپ کے اندر ایسے انمول وصف نہ ہوتے۔ جو خدا کی طرف سے آپ کو ودیعت ہوئے اور جنہوں نے آپ کو اوروں سے امتیاز عطا کیا۔

ٹھاکر بجرنگ سنگھ فقیر:

مذہبی گیتوں کے حوالے سے ٹھاکر بجرنگ سنگھ کے گیتوں کو پرکھا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بجرنگ کے ہاں اس نکتے کے آثار ملتے ہیں جن میں وہ کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ المسیح کی ذات پاک رب قدوس کی بے پدر تخلیق ہے۔ ایسی تخلیق جو بغیر باپ کے وجود میں آئی۔ جس کا جنم کنواری مقدسہ مریم سے ہوا۔ اس حوالے سے ان کے گیت ''خود حق ہے جلوہ گر'' سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ عیسیٰ مسیح پاک جو مریم کی ہیں پسر

ہیں خاص ان پہ خالق کونین کی نظر (۲۲)

فقیر یہاں بڑے واضح انداز میں حضرت مسیح یسوع کو مریم کا پسر کہتے ہیں۔ ایسا کہنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس بات کے معترف ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش میں کسی مرد کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ وہ مقدسہ مریمؑ کی اولاد ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ پاک کے الفاظ استعمال کرنے سے یہ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پاک ہستی ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بجرنگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ یہ پاک ذات جس سے تخلیق ہوئی ہے وہ بھی پاک ہے اور اگر وہ پاک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مقدسہ مریمؑ سے کوئی نازیبا عمل نہیں ہوا بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق خدائے قدوس کے حکم سے ہوئی۔ یہ اس ذات کی کرشماتی تخلیق

ہے جو کُن کہہ کر یہ ساری کائنات بنا سکتا ہے۔ اس کے لیے ناممکن نہیں ہے کہ کسی انسان کو بغیر باپ کے تخلیق کرے۔

یہ بھی سچ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدائے قدوس نے امتیازی خصوصیات سے نوازا ہے۔ انہیں جو اوصاف ودیعت ہوئے ہیں وہ باقی پیغمبروں، رسولوں اور نبیوں سے یکسر جدا ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے معجزات اور مزاج کے اعتبار سے ان پر خدائے قدوس کی الگ ہی نظر تھی' الگ عنایات تھیں۔ اسی لیے تو بجرنگ فقیؔر اقرار کرتے نظر آتے ہیں کہ ان پر مالک دوجہان کی خاص نظر ہے۔ فقیؔر کا گیت 'خود حق ہے جلوہ گر' میں انہوں نے بڑی خوبصورتی سے حضرت مسیح یسوع کے جلوہ گر ہونے کی منظر کشی کی ہے۔ جس کے آغاز میں ہی وہ اقرار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ مریم کے پسر ہیں یعنی ابن مریم ہے چونکہ ان کا کوئی باپ نہ تھا وہ بن باپ کے وجود میں آئے۔ اسی وجہ سے مقدسہ مریم کی نسبت سے جانے جاتے ہیں کیونکہ وہ رب کائنات کی بے پدر تخلیق ہیں۔

پاک دامنیٔ مریم:

پاک دامنیٔ مریم کے نکتے کو کئی ہندو شعرا نے موضوع سخن بنایا۔ ذیل میں اسی حوالے سے ہندو شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

ٹھاکر بجرنگ سنگھ فقیؔر:

اصل نام ٹھاکر بجرنگ اور فقیؔر تخلص کرتے تھے۔ آپ ۱۸۹۴ء قدیم محلہ ڈھول پیٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم جوہری گلی کے مدرسۂ غوثیہ سے حاصل کی۔ پھر ادارۂ شرقیہ میں شریک ہوئے اور لاہور سے منشی فاضل کے امتحان عمدہ کارکردگی کے ساتھ پاس کیے۔ ہندی پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ انگریزی زبان سے لگاؤ نے حیدرآباد کے مصنف راجہ کرشنا سوامی سے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ شاعری میں علامہ ضامنؔ گفتوری کے شاگرد بنے۔ آپ کئی ادبی انجمنوں سے نہ صرف وابستہ رہے بلکہ ان کے روح رواں رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ادبی انجمن بزمِ حکیم نارائن داس کے دائمی صدر کی خدمات بھی انجام دیں۔ یہ انجمن باقاعدگی سے ماہانہ طرحی مشاعروں کا انعقاد کرتی تھی۔ پاک دامنیٔ مریم کے حوالے سے بات کریں تو بجرنگ فقیؔر کے گیتوں میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جو اس موضوع کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے ان کے گیت 'خود حق ہے جلوہ گر' سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ عصمت کے ساتھ آپ نے کاٹی ہے زندگی
فضل خدائے پاک تھا مریم کے حال پر

(سوغاتِ روح: ص ۱۷۱)

مذکورہ بالا شعر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فقیرؔ پاک دامنی مریم کے معترف نظر آتے ہیں ۔جب حضرت عیسیٰ ؑ کی بن باپ کے پیدائش ہوئی۔ اسلامی عقیدے کے مطابق لوگوں نے حضرت مریمؑ کو لعن طعن کیا ۔ لوگ آپ کے خاندان اور آپ کے آباء و اجداد کا حوالہ دے کر آپ سے سوال کرتے تھے تو حکم خداوندی کے سبب آپؑ خاموش رہیں اور بچے کی طرف اشارہ کیا کہ وہ خود گواہی دے تو حضرت عیسیٰؑ نے جھولے میں پکار کر کہا کہ وہ نبی ہیں اور انہیں کتاب دی گئی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی یہ گواہی بذات خود پاک دامنی ٔمریم کی تصدیق کی تھی ۔ آپ پر خدا کا خاص فضل ہوا تھا۔ جس کی بدولت آپؑ حاملہ ہوئیں اور ایک بیٹے کو جنم دیا جو حضرت عیسیٰؑ ہیں ۔اس کا ذکر فقیرؔ مذکورہ بالا شعر میں کرتے ہیں کہ حضرت مریمؑ بے داغ تھیں۔ ان کا دامن ہر طرح کے عیب اور گناہ سے پاک تھا وہ کلمۃ اللہ کی بدولت حکم خداوندی کے باعث حاملہ ہوئیں اور انہوں نے کبھی کوئی نازیبا کام نہ کیا بلکہ وہ نہایت نیک اور پاک باز خاتون تھیں اور ان کا دامن ہر قسم کے عیب سے پاک تھا۔

نبی، پیغمبر، رسول۔ نزولِ انجیل:

حضرت عیسیٰؑ کے نبی' رسول اور پیغمبر ہونے اور ان پر نزول انجیل کے حوالے سے کئی ہندو شعرا نے گیتوں میں تذکرہ کیا ہے۔ ذیل میں اسی حوالے سے ہندو شعرا کے مذہبی گیتوں کا جائزہ ملتا ہے۔

قمر للتا دیوی شکلا:

اصل نام شریمی للتا دیوی شکلا جبکہ للتاؔ تخلص کرتی تھیں۔ آپ ہندوستان کے معروف رقاص برجو بہاراج اور لچھو بہاراج کے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں ۔رقاصی میں کتھک ان کا مخصوص فن رہا۔ اس فن کے لیے وہ بیرون ممالک بھی گئیں۔ چونکہ تال' سُر اور لے کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اسی سبب سے رقاصی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کی طرف مزاج مائل رہا۔ مشاعروں میں شرکت کیا کرتی ہیں۔ مشاعروں میں ترنم سے اپنا کلام پیش کرتیں۔ ان کے فن پارے ملک کے معروف رسائل میں چھپتے رہے 'کرن کرن' کے نام سے ان کا پہلا جبکہ 'شبنم

شبنم' کے نام سے دوسرا مجموعہ کلام منظر عام پر آیا۔ للّتا کے گیتوں کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو حضرت عیسٰیؑ سے دلی قربت رہی ہے۔للّتا کے گیتوں میں ہمیں نزول انجیل کا مضمون صاف دکھائی دیتا ہے۔اس حوالے سے ان کے گیت 'حضرت مسیح' سے نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

؎ ان کے لیے اتارا گیا آسمان سے
انجیل جو خدا کا مقدس کلام ہے(۲۳)

اس شعر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ للّتا اس بات کی معترف ہیں کہ حضرت مسیح اللہ کے نبی ہیں ۔وہ کنواری مریمؑ سے پیدا ہوئے۔ ان پر کتاب مقدس انجیل نازل کی گئی ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے نبی ہو کر آئے اور احکام خداوندی کے عین مطابق انہوں نے اپنی زندگی حق کی راہ میں خدمتِ خدا میں گزاری۔ یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت مریمؑ کو بناشادی کے بچے کے ساتھ دیکھا تو وہ حضرت مریمؑ کو برا بھلا کہنے لگے اور عجیب و غریب سوال کرنے لگے۔ تو حضرت مریمؑ خاموش رہیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ میری پاک دامنی کی گواہی یہ بچہ خود دے گا۔ایسے میں حضرت عیسٰی نے نومولود کی حالت میں ہم کلام ہو کر کہنے لگے کہ وہ اللہ کا نبی ہیں۔ان پر کتاب نازل کی گئی ہے جو خدا کا مقدس کلام ہے اس کے بارے میں قرآن پاک میں بھی حوالہ ملتا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت عیسٰیؑ پر ہدایت کی کتاب نازل کی ہے۔وہ لوگوں کی ہدایت کے لیے ایک نبی ہوتے ہوئے خدمات سرانجام دیتے رہے۔اس حوالے سے للّتا کا ایک اور شعر دیکھیے :

؎ آسمانی کتاب شاہد ہے
بے خطا، بے قصور ہیں عیسٰی
(نغمات روح:ص ۱۰۸)

للّتا کا یہ شعر بھی اسلامی عقیدے کے عین مطابق ہے یہ حوالہ قرآن مجید کے مطالعے میں بھی ملتا ہے کہ جب لوگ حضرت مریمؑ کو لعن طعن کر رہے تھے تو ایسے میں حضرت عیسٰیؑ نے جھولے میں سے نبی ہونے کی گواہی دی۔ یہ گواہی بظاہر تو ان کے نبی ہونے کی تھی لیکن درحقیقت یہ اس بات کی تصدیق تھی کہ وہ پاک ہیں اور مریمؑ کا دامن کسی بھی گناہ،کسی بھی خطا سے پاک ہے وہ اللہ کے نبی ہیں ان کو کتاب عطا کی گئی ہے۔رب کائنات نے ان کو بے شمار معجزات سے بھی نوازا ہے۔للّتا کا آپ کو ہر قصور سے پاک کہنا گواہی دیتا ہے کہ ہندو مذہب سے تعلق رکھنے کے باوجود للّتا اس بات پر کامل ایمان رکھتی تھی کہ خدا کی ذات کا وجود ہے۔ اس نے مختلف انبیاء کو لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

معجزاتی صفات:

ٹھاکر بجرنگ سنگھ:

حضرت عیسیٰ ؑ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزاتی صفات سے نوازرکھا ہے۔اس بات پر ہر مسلمان کا دل ایمان کامل سے سرشار ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بہت سے انبیا سے مختلف خصوصیات رکھتے ہیں ۔حضرت عیسیٰؑ کی ایسی امتیازی خوبیوں سے بھرپور ہستی کا ذکر ہمیں بجرنگ فقیر کے ہاں بھی ملتا ہے۔ان کے گیت 'ذات مسیح' سے یہ شعر دیکھئے:

ہر ایک مریض ہو گیا اچھا لعاب سے
آب حیات یہ بھی تو جام مسیح ہے (۲۴)

ہر عیسیٰؑ کے متعلق کئی حوالے ملتے ہیں کہ بیمار ان کے پاس دعا کے لیے آتے تو بیمار اچھے ہو جاتے۔ذکر ملتا ہے کہ خواہ کوئی بیمار ہوتا' آپؑ کے در سے خالی ہاتھ نہ جاتا بلکہ وہ صحت یاب ہو کر اپنے گھر کا گاتا جھومتا ہوا جاتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کتنی بڑی تکلیف سے آزاد ہوا ہے' کس درد سے اسے نجات ملی ہے اور ایسا اس لیے ممکن ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا نے یہ ودیعت دی تھی کہ بیمار کو بالکل نومولود بچے کی طرح پاک صاف کر دیتے ہیں ۔لوگ حضرت مسیح کے پاس ہر قسم کے روگی کو لے کر آتے اور وہ اچھے ہو جاتے تھے۔جنم کے اندھے ہوتے چاہے لنگڑے ہوتے۔حضرت عیسیٰؑ انہیں صحت عطا کرتے۔ہر دکھ پریشانی دور کرتے اور صحت یابی عطا کرتے۔ایسا محض آپؑ کے دم سے ممکن ہوتا جس کا ذکر بجرنگ فقیر کے ہاں ملتا ہے۔

صعود عیسیٰؑ:

منوہر لال بہارؔ

صعودِ عیسیٰ سے مراد حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر زندہ اٹھالیا جانا ہے۔ یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے صلیب پر چڑھنے نہ دیا تھا بلکہ ہنگامی صورت حال میں اللہ نے آپ کے ہم شکل کو بھیجا اور آپ کو آسمان پر زندہ اٹھالیا۔

بہارؔ کے گیتوں کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آپؑ کو زندہ آسمان پر اٹھائے جانے والے اسلامی عقیدے کے معترف ہیں۔اسی حوالہ سے ان کا گیت 'پیکر صدق وصفا' سے یہ شعر مثال کے طور ملاحظہ ہو:

؎ آپ کو اللہ نے زندہ بلایا چرخ پر

مرتبہ اونچا ہے کتنا آپ کا عیسٰی مسیح (۲۵)

اس شعر سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ منوہر لال بہارؔ معترف ہیں کہ اللہ تعالی نے آپ کو آسمان پر زندہ بلایا ۔جب لوگ عیسیٰؑ کو صلیب دینے کے درپے تھے اور آپؑ کو صلیب دینے لگے تھے تو اللہ نے آپ کے ایک ہم شکل کو بھیج دیا۔ ان لوگوں کو بالکل بھی خبر نہ ہوئی ۔ان لوگوں نے جس کو صلیب دی وہ حضرت عیسیٰؑ ہر گز نہ تھے۔ جب کہ لوگ یہ حقیقت نہیں جانتے تھے کہ جب وہ آپؑ کو صلیب دینے میں مگن تھے تو آپؑ اللہ کے حکم سے آسمان پر زندہ ہی اٹھا لیے گئے۔اور آپؑ کو صلیب نہ دی گئی بلکہ آپ کے ہم شکل کو صلیب دی گئی تھی ۔جس کو اللہ تعالی نے بھیجا تھا۔ اس کا ذکر بہارؔ کے مذکورہ بالا شعر میں ملتا ہے۔ یہ خالصتاً اسلامی عقیدہ ہے جس کے ترجمان بہارؔ ہیں۔

ب۔انجیلی آیات و مسیحی عقائد کے تناظر میں:

پسر خداوندی:

راجہ لعل راجہؔ:

اصل نام راجہ لعل جبکہ راجہؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ راما ورم (میدک) میں ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ چار محل سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ شعر گوئی کا آغاز زمانۂ طالب علمی سے تھا۔شاعری کی طرف ذوق شوق ان کے مدرسہ کے استاد شاردا پرشاد کی وجہ سے پیدا ہوا۔شاعری میں اپنے والد سرور لال سرورؔ کو استاد مانا اور بعد میں عبدالغفور خاں ناظمؔ (ایڈوکیٹ) اور روحی قادری سے استفادہ حاصل کرنے لگے۔راجہؔ کے گیتوں کے مطالعہ کیا جائے تو ان کے ہاں پسر خداوندی کا مضمون عام ملتا ہے۔ان کے گیت 'پیغمبر انسانیت' سے یہ شعر دیکھیں:

؎ نور تجلیات زمانے میں بٹ گئے

نظروں میں جب مسیح کے جلوے سمٹ گئے (۲۶)

نور تجلی رب کائنات کا نور ہے۔ یہاں راجہ صاحب نور تجلیات کے زمانے میں بٹ جانے کی بات کر رہے ہیں۔ تو پھر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس عقیدے کے پیروکار لگتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع خدا کے بیٹے ہیں۔ رب تجلیات کے بٹنے سے مراد دراصل حضرت مسیح کو خدا کے بیٹا کہنے کے ہیں۔ خدا کی ذات نور ہے اور نور تجلی بھی اسی مناسبت سے حضرت مسیح سے اس کے نور کے بیٹے ہیں۔ راؔجہ نور تجلیات زمانے میں بٹ جانے سے درحقیقت حضرت مسیح کو پسر خداوندی معنی مراد لیتے ہیں۔ راؔجہ کہتے ہیں کہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ لوگ جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔ ایسے میں ضروری تھا کہ فرزندِ نور خود جلوہ گر ہوتا۔ یہی بات راؔجہ کا کلام نے بھی موضوع سخن بنایا ہے۔

شباؔب استھانہ:

اصل نام ستیش چندر جبکہ شباؔب تخلص کرتے تھے۔ آپ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے لکھنؤ کے سکول اور کالج سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں شعر گوئی شروع کی۔ شاعری میں خمؔار کے چچا علی حیدر خاں قؔرار سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ آپ کی عمر اٹھارہ برس تھی جب آپ کے والد کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ یوں پورے خاندان کی کفالت کا ذمہ آپ کے سر آ گیا۔ آپ کی عمر ستائیس برس کی تھی کہ آپ بھی علالت کا شکار ہوئے اور پھر مسلسل بیمار رہے۔ لکھنؤ سے حیدرآباد آئے تو ساڑھے چار برس حضرت علی اختر مرحوم کی صحبت سے خوب مستفید ہوئے۔ گیتوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو شباؔب کا گیت 'ہے جو تھا' مسیحی عقیدے کے تناظر میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس گیت سے یہ شعر مثال کے طور پر دیکھئے:

؎ اس اندھیرے میں اجالے کا نشاں ہے جو کہ تھا

منتظر نور کا تاریک جہاں ہے جو کہ تھا[۲۷]

یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ باغ عدن میں حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ نے خدائے قدوس کی حکم عدولی کی جس کے نتیجے میں انہیں عدن سے نکال دیا گیا۔ عدن میں سرزد ہونے والے اسی گناہ کے کفارے کے خدا کا منصوبہ تھا کہ وہ عورت کی نسل سے ایک آدم کی تخلیق کرے گا جو ابلیس کا سر کچلے گا۔ عورت کی نسل سے پیدا ہونے والا یہ آدم ثانی نئے عہد میں حضرت یسوع مسیح کی صورت میں سامنے آیا جو پسر خداوند ہے۔ مذکورہ بالا شعر اسی عقیدے کی

طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت یسوع مسیح کا وجود اسی نور کی ذات سے جڑتا ہے۔ ابلیس کا سر کچلنے کے لیے ضروری تھا کہ پاک برّے کا خون بہایا جاتا اور خدا سے رشتہ بحال کیا جاتا۔ سو اس مقصد کے لیے خدا نے ایک عورت سے اپنے نورانی وجود سے ایک بیٹے کو تولد کیا جس کا پیغام حضرت مریمؑ کو جبرائیل فرشتے نے دیا۔ شبآب کا گیت 'ہے جو تھا' اسی کڑی کی خوبصورت عکاسی کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں جب چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا تو ضروری تھا کہ نور خود آتا سو وہ نور خود آیا جو روز اول سے وجود رکھتا ہے۔ سو خدائے قدوس نے اسے بھیجا کہ اپنے مقصد کی تکمیل کر سکے۔

معجزاتی صفات:

رام کرشن مضطر:

مسیحی عقائد کے تناظر میں مضطر کے گیتوں کو پرکھا جائے تو اس حوالے سے ان کا گیت 'حضرت یسوع مسیح' قابلِ غور ہے۔ اس گیت سے یہ شعر مثال کے طور پر دیکھئے:

؎ مردہ دلوں کو جس نے عطا کی حیاتِ نو
وہ جس نے غمزدوں کو گلے سے لگالیا[۲۸]

حضرت یسوع مسیح کی زندگی بے شمار معجزاتی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اندھے بلکہ جنم کے اندھے آپ کے پاس آتے تو آنکھیں پاتے، لنگڑے چلنے لگتے، گونگے بولتے، بہرے سننے لگتے، کوڑھی پاک صاف ہو جاتے۔ الغرض کوئی مرض ایسا نہ ہوتا کہ جس سے بیمار شفا نہ پاتے۔ یہاں تک کہ آپ کے ایک حکم سے مردہ جی اٹھتے۔ یہی تذکرہ مضطر کے گیت میں بھی ملتا ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ مردہ دلوں کو زندگی عطا کرتے اور وہ جن کی زندگی غموں سے بھری ہوتی ان کے چہرے شادابی سے بھر جاتے۔ آپ ان کو خوشیاں عطا کرتے جو بے کس اور بے سہارا نہ ہوتے۔ جو در در کی ٹھوکریں کھا کھا کر تھک ہار گئے ہوتے اور پھر بھی شفا میسر نہ آئی ہوتی۔ ایسے میں جب وہ مسیح یسوع کے پاس آتے تو دلوں میں سرشاری بھر کے جاتے۔ تسلی پا کے جاتے۔ زندگی پا کر جاتے۔

راجہ لعل راجہ:

راجہ کے گیتوں کو مسیحی عقائد کے تناظر میں دیکھا جائے تو انکی شاعری میں ہمیں مسیح یسوع کے معجزات کا تذکرہ عام ملتا ہے۔ ان کے گیت 'پیغمبرِ انسانیت' سے یہ شعر دیکھئے:

ٹکرا کے ساحلوں سے جو طوفاں پلٹ گئے

تھرّا کے بادبانِ حوادث بھی ہٹ گئے (۲۹)

مسیح یسوع کے معجزاتی واقعات کا تذکرہ بائبل مقدس میں دیکھیں تو وہاں ایک واقعہ ایسا بھی ملتا ہے جہاں المسیح کشتی میں سو رہے تھے اور اچانک طوفان آ گیا۔ اور شاگرد اس تیز طوفان سے گھبرا گئے کیونکہ ان کو ڈر تھا کہ کشتی ڈوب نہ جائے۔ مگر یسوع المسیح نے نیند سے جاگ کر 'تھم جا' کہا تو وہ طوفان اسی دم وہیں تھم گیا اور ایک سکون پھر سے بحال ہوا جو طوفان سے پہلے تھا۔ شاگرد یہ سب دیکھ کر حیران ہوئے۔ راؔجہ کے اس شعر میں بھی ایسا ہی تذکرہ ملتا ہے کہ طوفان چاہے ظاہری موسم کے ہوں یا زندگی کے۔ چاہے موسمی حالات خراب ہوں یا زندگی کو حوادث نے گھیر رکھا ہو۔ اس کے ایک حکم سے سب تسلی پاتے ہیں۔ چاہے زندگی کتنی ہی الجھنوں میں کیوں نہ گھری ہو۔ اس کے ایک حکم سے ساری پریشانیاں فنا کی طرف رخ کر جاتی ہیں۔ اور سب کچھ اس کے ایک حکم سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ راؔجہ کے کئی گیت مسیح یسوع کے معجزاتی تذکرے سے بھرے پڑے ہیں۔ وہ جا بجا یسوع مسیح کے معجزاتی واقعات کی منظر نگاری کرتے ہیں۔

تصلیب:

للتؔا دیوی شکلا:

للتؔا کے گیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے گیتوں میں تصلیب کا ذکر ملتا ہے۔ اسی حوالہ سے ان کے گیت 'حضرتِ عیسیٰ' سے یہ شعر دیکھئے:

سولی پہ چڑھ گئے نہ پھرے حق کی راہ سے

عیسیٰ تمہارے صبر کا ایسا مقام ہے (۳۰)

اس شعر سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ للتؔا مسیح یسوع کی تصلیب کے عقیدے کی معترف ہیں۔ وہ ایمان رکھتی ہیں کہ مسیح یسوع سولی پر چڑھائے گئے۔ انہیں کوڑوں سے لہولہان کیا گیا۔ تصلیب کا پورا منظر آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگتا ہے۔ للتؔا کے گیتوں میں جا بجا مسیحی عقائد کے حوالے سے نمونے ملتے ہیں۔ انہی میں سے ایک تصلیب کا موضوع ہے۔ انکے گیتوں میں اقرار ملتا ہے کہ یسوع مسیح نے راہ حق میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور اسی

کی ایک کڑی صلیب ہے۔ انہوں نے بنی نوع انسان کے کفارے کے لیے اپنی جان کی قربانی دی وہ صلیب پہ چڑھ گیا تا کہ آدم نجات پائے۔

آنند راؤ آنند:

آنند کے گیتوں میں مسیحی عقائد کی جھلک عام ملتی ہے۔ آنند کے ہاں کئی مسیحی موضوعات ملتے ہیں ان میں سے ایک مسیح یسوع کی تصلیب بھی ہے اس حوالہ سے ان کے گیت 'حق کا پیارا' سے یہ شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

؎ حق کے جو یا نہیں گھبراتے مصائب سے کبھی

دار پر چڑھ گیا وہ حق ہی کا پیارا ابن کے [۳۱]

آنند کے گیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسیحی عقیدۂ تصلیب پہ کامل یقین رکھتے ہیں۔ دار پر چڑھ جانے سے آنند کا اقرار صاف ملتا ہے۔ اس کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنند تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کو دار پر چڑھایا گیا انہوں نے صلیب کو قبول کیا تا کہ آدم نجات پائے۔ وہ گھبرائے نہیں۔ بلکہ انہوں نے صلیب کی صعوبتوں کو کھلے دل سے قبول کیا۔ تا کہ باپ سے ٹوٹا ہوا رشتہ پھر بحال ہو۔ اور آدم اور خدا کے بیچ کی دیوار گر جائے اور محبت کا کارواں پھر سے سفر پر گامزن ہو۔ آنند کے گیتوں میں جابجا مسیحی تعلیمات اور مسیحی عقائد سے بھرپور کلام ملتا ہے۔

غیر مسیحی شعرا میں مسلم شعرا کے کلام کو پرکھا جائے تو ان کے ہاں مسیحی گیت نگاری کے حوالے سے جو کلام ملتا ہے وہ قرانی آیات اور اسلامی عقائد کے عین مطابق ہے۔ مسلم شعرا نے اسلامی عقیدوں کے عین مطابق اپنے تخیل کو ڈھالا ہے۔ ان کے ہاں بے پدر تخلیق، پاک دامنیٔ مریم، نبی۔ نزول انجیل، معجزاتی صفات اور آمد ثانی جیسے مضامین موضوع سخن بنائے گئے۔ اسلامی عقائد کے تناظر میں دیکھا جائے تو اسلامی عقیدہ ہے کہ مسیح یسوع رب کائنات کی بے پدر تخلیق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونے پر ہر مسلم کا ایمان کامل ہے۔ پاک دامنیٔ مریم پر ایمان سے یہ مراد ہے کہ حضرت مریمؑ کا دامن ہر طرح کی بدی سے پاک تھا اور ان سے پیدا ہونے والا بیٹا خدا کے حکم سے پیدا ہوا۔

جب لوگ حضرت مریمؑ کو لعن طعن کر رہے تھے تو حضرت عیسیٰؑ نے جھولے میں سے پکار کر لوگوں سے خود کہا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں یہ آپ کی ماں کی پاک دامنی کی طرف اشارہ ہی تھا۔ ایک اور اسلامی عقیدہ اس بات پر یقین کہ آپؑ اللہ کے بھیجے گئے نبی ہیں اور آپ کو ایک کتاب بھی عطا کی گئی ہے۔ اس بات پر بھی کامل ایمان ہے کہ آپ کو اللہ کی طرف سے بے شمار معجزاتی صفات ودیعت ہوئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اسلامی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ آپ کا کوئی ہم شکل بھیج دیا جسے صلیب دی گئی اور آپ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ مذید یہ بھی کہ آپ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے اور اپنی بقیہ زندگی گزاریں گے۔ اگر مسیحی تہوار سے متعلق ان کا کلام دیکھا جائے تو بھی ان کے ہاں اسلامی عقیدے کے مطابق ہی مواد منظر عام پر آتا ہے۔ مثال کے طور پر مسلم شعرا مسیح یسوع کی بے پدر تخلیق پر یقین رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کرسمس سے متعلق مواد بھرمار میں میسر ہے جب کہ تصلیب اسلامی عقیدہ کے خلاف نکتہ ہے اس لیے مسلم شعرا کے ہاں ایسا کلام نہیں ملتا ہے جس میں صلیب یا ان کی تصلیب کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی تصلیب نہ تو اسلامی عقیدہ ہے اور نہ ہی قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کے مردوں میں سے زندہ ہونے کا کوئی حوالہ ملتا ہے اس لیے اس مضمون کا مسلم شعرا کے ہاں کوئی کلام نہیں ملتا ہے۔

ہندو شعرا کے مسیحی گیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے ہاں نہ صرف مسیحی اور اسلامی دونوں عقائد پر مبنی گیت ملتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دونوں تہواروں سے متعلق گیت بھی ملتے ہیں۔ مسیحی گیت نگاری میں ہندو شعرا کا کلام بے حد کم ہے مگر ان شعرا کے جتنے بھی گیت ملتے ہیں۔ ان میں مسیحی اور اسلامی دونوں وعقائد پر مبنی تخیل اور تصورات نظر آتے ہیں۔ انہوں نے مسیحی اور مسلم دونوں عقائد کے نکات کو قلم بند کیا ہے جیسے بے پدر تخلیق، پاک دامنی مریم، نزولِ انجیل، معجزاتی صفات، تصلیب اور آمد ثانی کے مضامین کو لفظوں کے سانچے میں ڈھالا ہے اور کرسمس اور عید قیامت المسیح دونوں تہواروں کو موضوع سخن بنایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد احمد رضا خان بریلوی (امام اہل سنت)، ترجمۃ القران، اذان پبلیشرز، سورۃ مریم:۱۶تا۲۲ آیات، ص۵۵۰تا۵۵۱

۲۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص۴۷

۳۔ ایضاً، ص۱۱۲

۴۔ ریحانی لکھنوی ، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء، ص۱۷۳

۵۔ محمد احمد رضا خان بریلوی (امام اہل سنت)، ترجمۃ القران، اذان پبلیشرز، سورۃ مریم:۲۷تا۳۰ آیات، ص۵۵۲

۶۔ ریحانی لکھنوی ، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء، ص۱۲۲

۷۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص۱۱۴

۸۔ ایضاً، ص۴۵

۹۔ ایضاً، ص۶۳

۱۰۔ ایضاً، ص۷۸

۱۱۔ ایضاً، ص۸۸

۱۲۔ محمد احمد رضا خان بریلوی (امام اہل سنت)، ترجمۃ القران، اذان پبلیشرز، سورہ آل عمران: آیت ۴۹، ص۱۰۰تا۱۰۱

۱۳۔ ریحانی لکھنوی، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء، ص۱۱۴

۱۴۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص۶۹

۱۵۔ ایضاً، ص۱۷

۱۶۔ محمد احمد رضا خان بریلوی (امام اہل سنت)، ترجمۃ القران، اذان پبلیشرز، سورۃ النساء:۱۵۷تا۱۵۸ آیات، ص۱۸۵

۱۷۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص۳۲

۱۸۔ ایضاً، ص۴۸

۱۹۔ ایضاً، ص۳۸

۲۰۔ ایضاً، ص۱۱۸

۲۱۔ ریحانی لکھنوی، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چار کمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۱۴۵

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۲۳۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۱۰۷

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۲۵۔ ریحانی لکھنوی ، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ

ریس، چار کمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۱۴۵

۲۶۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۶۴

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۰

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۶

۲۹۔ ایضاً، ص ۶۵

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۰۸

۳۱۔ ریحانی لکھنوی، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ ریس، چار کمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۱۴۲

باب چہارم:

مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کی مسیحی گیت نگاری کا تقابلی جائزہ

(مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کی مذہبی گیت نگاری کا تقابل)

اشتراکات:

- مسیحی اور غیر مسیحی شعرا میں سب سے پہلا مشترک نکتہ حضرت مسیح یسوع کی بے پدرانہ پیدائش ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت مسیح یسوع نے حکمُ خدا سے تخلیق پائی۔اِس مقصد کے لیے رب کائنات نے کنواری مقدسہ مریم کو منتخب کیا۔ جو بے حد نیک اور پارسا خاتون تھیں اور ان کا تعلق ایک نیک گھرانے سے تھا۔ مسیحی شعرا کے ہاں ایسا کلام ملتا ہے جس میں انہوں نے اس عقیدے کے عین مطابق شاعری کی۔ غیر مسیحی شعرا میں مسلم شاعروں نے اِس موضوع پر لکھا کیونکہ یہ موضوع قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔ لیکن ہندو شعرا کے ہاں بھی اِس عقیدہ سے عقیدت میں کئی مثالیں گیتوں کا حصہ بنیں۔

اسی حوالے سے مسیحی شعرا میں ثمؔر دہلوی کے ہاں ہمیں اس موضوع پر وافر مقدار میں ایسا کلام ملتا ہے جس میں وہ مسیح یسوع کی بے پدر تخلیق کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ حضرت یسوع مسیح سے جب التجا کرتے ہیں تو انہیں ابنِ مریم کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ انہیں بے پدر تخلیق مانتے ہیں۔ ابن مریم سے صاف اقرار ملتا ہے کہ وہ مریمؑ کے بیٹے ہیں جو کنواری ماں سے پیدا ہوئے۔ جس کی تخلیق میں کسی مرد کا عمل دخل نہیں بلکہ وہ رب کائنات کے کلام سے مجسم ہوئے۔ ثمؔر کا شعر دیکھئے:

؎ جان اپنی نذر کی فدیہ میں عالم کے لیے
ابنِ مریم کی ذرا یہ جاں نثاری دیکھیے [1]

ثمرؔ کے اس گیت سے صاف جھلکتا ہے کہ وہ حضرت مسیح یسوع کو ابنِ مریم کہہ کر اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ آپ کی ذات کی تخلیق میں خدا کا حکم تھا کسی مرد کا اس تخلیق سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اسی طرح میگؔ اجمیری کے ہاں بھی ان کے گیت 'اعجاز مسیحا' میں وہ اسی عقیدہ کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ حضرت مسیح کی ذات بن باپ کے تخلیق کی گئی یہ قدرت کا شاہکار کرشمہ ہے کہ اس کے حکم سے ایک کنواری نے بیٹے کو جنم دیا۔ میگؔ کہتے ہیں کہ

؎ ابنِ مریم مجھ کو تجھ پر ناز ہے
مر کے جی اُٹھنا ترا اعجاز ہے [2]

اس شعر سے بھی یہی اعتراف ملتا ہے حضرت مسیح بن باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ رب کائنات کا کرشمہ ہے کہ وہ کسی مرد کے بغیر پیدا ہوئے یہ بات انسانی سوچ کو حیران کر دیتی ہے کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ کوئی کنواری کسی بچے کو پیدا کرے مگر عشق والے اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ اس کی ذات کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اس کے کہہ دینے سے دنیائیں وجود میں آتی ہیں۔ میگؔ بھی یہی اعتراف کر رہے ہیں وہ کرشمات کا خدا ہے جس نے عجیب طور سے ایک کنواری کو بیٹا عطا کیا۔ اسی طرح کئی مسیحی شعرا کے ہاں یہ مضمون ملتا ہے جو مسیحی عقیدہ کے عین مطابق ہے۔ ان شعرا نے یہ مضمون اس عقیدے پر یقین کامل کی وجہ سے بھی لکھا ہے اور مسیح یسوع سے گہری محبت میں بھی۔ اور ان کی بڑائی میں بھی۔ ان کی ذات کی بلند مرتبت کے اظہار کے لیے بھی۔ مسیحی شعرا میں ثمرؔ اور میگؔ کے علاوہ واقفؔ، ہماؔ، یونسؔ اور ذاکرؔ کے ہاں یہ مضمون وافر مقدار میں ملتا ہے۔

غیر مسیحی شعرا میں مسلم شعرا بھی اسی عقیدہ سے سرشار نظر آتے ہیں ان کے ہاں بھی یہ مضمون وافر مقدار میں ملتا ہے اس حوالے سے عبدالمجید سالکؔ کا کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں انہوں نے جابجا حضرت عیسیٰ کی بے پدر تخلیق کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے ایک گیت 'حضرت مسیح' سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ ہے مطلق مقتدر اللہ تعالیٰ
کیا بے باپ کے عیسیٰ کو پیدا [3]

اس شعر میں صاف صاف یہ اعتراف ملتا ہے کہ سالکؔ اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ نے بن باپ کے پیدا کیا۔ اور اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اس کام کے لیے اللہ کو کوئی مشکل کیونکر پیش آئے۔ اس کے لیے کچھ تخلیق کرنا کب مشکل رہا ہے۔ اس کے صرف کہہ دینے سے کارخانے وجود میں آتے ہیں۔ وہ 'کن' کہتا ہے تو دن اور رات بنتے ہیں' سمندر بنتے ہیں صحرا تشکیل پاتے ہیں' زیر زمیں دنیا بنتی ہے تو زمین کے اوپر بھی جہان آباد ہوتے ہیں۔ اس ذات کے لیے آدم کو بنانا مشکل نہ تھا۔ مٹی سے انسان پیدا کرنا ممکن ہوا تو عورت سے ایک بیٹا پیدا کرنا کیا مشکل ہو۔ اور کیوں ہو؟ وہ ذوالجلال ہستی ہے اس کا صرف کہنا ہی بہت ہے۔ سو ایک مسلمان اس بات پر مضبوط ایمان رکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو خدا نے اپنے کلمے سے تخلیق کیا۔ اسی عقیدے کو کئی شعرا نے بڑی خوبصورتی سے باندھا ہے۔ سالکؔ کے علاوہ صادق نویدؔ اور مراد خان وکیلؔ کے ہاں یہ مضمون زیادہ ملتا ہے۔

ہندو شعرا کی بات کی جائے تو حضرت عیسیٰ یا یسوع مسیح پر ایمان ان کے عقیدہ کا حصہ نہیں ہے۔ ہاں ایک سماج میں رہتے ہوئے ان کا مسیح یسوع سے عقیدت کا تعلق ہے اور اسی تعلق کے توسط وہ انکی بے پدر تخلیق کا اقرار کرتے ہیں۔ سماجی تعلق کے پیرائے میں رائے منوہر لال بہارؔ کے ہاں بھی حضرت عیسیٰ سے متعلق بے پدر تخلیق کے نمونے ملتے ہیں اور ان کے گیتوں میں ہمیں ایسا خوبصورت رنگ ملتا ہے۔ وہ اپنے گیتوں میں حضرت عیسیٰؑ کی حیرت انگیز اور معجزانہ بے پدر تخلیق کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی حوالے سے ان کے گیت "پیکر صدق و صفا" سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ پاک مریم کے پسر نورِ خدا عیسیٰ مسیح

روح اللہ آپ ہیں حق کی صدا عیسیٰ مسیح[۴]

یہاں منوہر لال بہارؔ اسلامی عقیدے کی روشنی میں حضرت عیسیٰ کی تخلیق کا اقرار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ پاک مریمؑ کے بیٹے ہیں جن کو اللہ نے اپنے روح سے تخلیق کیا ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ منوہر لال بہارؔ اسلامی عقائد سے بھی گہری واقفیت رکھتے ہیں اور ان سے دلی عقیدت بھی اسی قلبی تعلق کا نتیجہ ہے کہ وہ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جب اللہ نے فرشتے کو بھیجا کہ وہ مریمؑ کو بشارت کا پیغام دے کہ وہ کسی مرد سے نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے حکم سے ایک بیٹے کو جنم دینے جا رہی ہے۔ اس لیے اس کو خوف کھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو کچھ بھی ہونے کو ہے فقط اللہ کے حکم سے ہے۔ منوہر لال بہارؔ کے علاوہ ایک اور ہندو مذہب سے تعلق

رکھنے والے شاعر ٹھاکر بجرنگ سنگھ فقیر کے ہاں بھی ہمیں عیسیٰؑ کی بے پدر تخلیق کا اسلامی عقیدہ کی تناظر میں ذکر ملتا ہے۔

- مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کے گیتوں میں ایک اور مشترک نکتہ پاک دامنیٔ مریم ہے۔ حضرت مریم کا کردار قرآنِ مجید اور بائبل مقدس دونوں الہامی کتابوں میں بڑا ہی نیک اور خدا ترس ملتا ہے۔ اس لیے مسیحی شعرا کے ہاں ہمیں ایسا کلام عام ملتا ہے کہ حضرت مریمؑ کا دامن ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ اس طرح حضرت مریمؑ کی پاک دامنی کا حوالہ قرآنِ مجید میں بھی ملتا ہے۔ ہندو شعرا کے گیتوں میں بھی اس حوالے سے مثالیں ملتی ہیں جو پاک دامنی مریم کی گواہی ہیں۔

مسیحی شعرا کے حوالے سے اس مضمون کو دیکھا جائے تو کئی شاعروں نے اس مضمون کو قلم کی زینت بنایا ان شعرا میں قربان ہیریسن کا نام قابل غور ہے جنہوں نے مریمؑ کی ذات مقدسہ سے متعلق نمونہ کلام پیش کیا ہے۔ ان کے گیت 'حضرت مریم مقدسہ' سے یہ اشعار دیکھیں:

عبادت میں آٹھوں پہر کام تھا
لبوں پر خداوند کا ہی نام تھا
زبور اور توریت پڑھنا تھا کام
صحیفے تھے نبیوں کے ازبر تمام
مقدس تھی، معصوم تھی باشعور
جوانی کا کچھ کچھ ہوا تھا ظہور
وہ لڑکی تھی مریم بہت خوشخصال
تھی اخلاق وعادات میں بے مثال(۵)

ان اشعار سے مریمؑ کے کردار اور عادات واطوار سے بخوبی آگاہی ملتی ہے۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت مریم کا کردار کس قدر خوبصورت ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت مریم کا تعلق نہایت معزز گھرانے سے تھا ۔ وہ خاندان جو خدا کو منظور نظر تھا۔ جو خدا کو پسند تھا یہی وجہ ہے کہ آپؑ اپنے دل میں خدا کا خوف رکھتیں تھیں اور خدا کے ساتھ ایک مضبوط تعلق تھا جو رب کی ذات کے ساتھ وابستگی رکھتا تھا۔ ان اشعار سے معلوم پڑتا ہے کہ آپ

نے اپنی زندگی مذہبی تعلیمات کے عین مطابق گزار رہیں تھیں۔ جب خدا کے فرشتہ نے آپ کو پیغام دیا کہ آپ کو ایک اولاد عطا ہو گی اس حوالہ سے یہ کلام ملاحظہ ہو:

فرشتے نے مریم کو کر کے سلام
کہا خوف کا کچھ نہیں ہے مقام
یہ قدرت دکھائے گا روح القدس
تمھیں ماں بنائے گا روح القدس

(سمن زار۔ ص ۴۱)

ان اشعار سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یسوع مسیح کی پیدائش سے کسی مرد کا کوئی واسطہ نہیں بلکہ اس بچے کا جنم حکم خدا سے ہوا۔ مسیحی عقیدہ ہے کہ اس پیدائش کا تعلق خدا کے ارادہ' کلام اور روح القدس سے ہے۔ اور اس کی پیشن گوئی ہمیں تورات کی کتاب میں بھی ملتی ہے کیونکہ خدا کا باغ عدن میں آدم اور حوا سے اس منصوبے کا تذکرہ ملتا ہے کہ وہ عورت کی نسل سے ایک بشر کو تخلیق کرے گا جو ابلیس کو شرمندہ کرے۔ سو مریمؑ ہی وہ پاک دامن عورت تھیں جو اس کام کے لیے چنی گئی اور اسی کے بطن سے یسوع مسیح نے جنم لیا۔ اور ان کا دامن بے حد پاک تھا تبھی تو وہ خدا کو مقبول نظر ہوئیں اور انہوں نے ایک بیٹے ہو جنم دیا۔

غیر مسلم شعرا کے کلام کو پرکھا جائے تو مسلم شعرا نے اس مضمون کو کثرت سے باندھا گیا ہے۔ یہ مسلم عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش خدا کے حکم سے ہوئی اور مریمؑ کا دامن کسی بھی داغ سے پاک تھا۔ اس بات کا ثبوت عیسیٰؑ کی لوگوں سے ہمکلامی تھی جس کا قران مجید میں تذکرہ ملتا ہے۔ اس حوالے سے حضرت مفتوؔن کو ٹوی کے گیتوں 'سلام پر عقیدت ۔ حضرت عیسیٰ کی خدمت میں '،'حضرت مریم ۔ قرآن مجید کی روشنی میں 'اور 'میلاد مسیح مبارک' میں اس واقعے کی مکمل تصویر کشی ملتی ہے۔ ان گیتوں میں انہوں نے بڑے جامع انداز میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا منظر باندھا ہے اور ان کے جنم کا بہت دلکش اظہار بیان کیا ہے اور کیا ہی ربط سے جزئیات نگاری بیان کی ہے۔ پاک دامنیٔ مریم کے حوالے سے ان کے ایک گیت 'حضرت مریم ۔ قرآن مقدس کی روشنی میں ' سے یہ شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

؎ مطہر اور پاکیزہ ، سراپا عفت و عصمت

جلیل القدر پیغمبر کی ماں بدکار ہو کیوں کر[۶]

اس شعر سے حضرت مریمؑ کی پاک دامنی کا بیان دیتے ہوئے مفتونؔ اس بات کے معترف نظر آتے ہیں کہ آپ کی ذات ہر قسم کے گناہ اور عیب سے خالی ہے۔ آپ کی زندگی نہایت پاک ہے۔ اس کی وجہ آپ کے دل میں رب کائنات کا خوف اور عقیدت ہے۔ اور آپ کا نہایت معزز خاندان سے نسب نامہ بھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ پر رب کائنات کی نظر ہوئی تو آپ دور مقام پر چلی گئیں تا کہ اس کے حکم کی تعمیل ہو اور اس کام کو پورا کیا جائے جو اللہ نے آپ کا سونپا۔ اور اس بچے کی پیدائش کے بعد لوگوں کے لعن طعن کرنے پر بچے نے جھولے میں خود آپ کی پاک دامنی کی گواہی دی۔ مفتونؔ کے علاوہ واسعؔ اور باسطؔ کے ہاں بھی ایسا کلام ملتا ہے جس سے پاک دامنیٔ مریم کے عقیدے پر کامل ایمان کا پتہ ملے۔

ہندو شعرا کے ہاں بھی پاک دامنیٔ مریم کے حوالے سے مضمون ملتا ہے۔ اس حوالے سے بجرنگ فقیرؔ کے گیتوں میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جو اس موضوع کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ ان کے گیت 'خود حق ہے جلوہ گر' سے یہ شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

؎ عصمت کے ساتھ آپ نے کاٹی ہے زندگی

فضل خدائے پاک تھا مریم کے حال پر[۷]

اس شعر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مریمؑ کی زندگی خدا کا خوف مانتے ہوئے گزر رہی تھی اور وہ کوئی بدکار خاتون ہر گز نہ تھیں بلکہ وہ شریعت کے احکام پر دل و جان سے نہ صرف عمل پیرا ہونے والی خاتون تھیں بلکہ جی جان سے اس پہ فدا ہونے والی ایک پاکباز کردار کی حامل دوشیزہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خدا ہو منظور نظر ٹھہریں اور ایک معجزانہ تخلیق کے لیے چنی گئیں۔ اور انہوں نے لوگوں کی پرواہ کیے بنا خود کو پیش کیا بلکہ شادمان ہوئیں کہ جس کا صدیوں سے وعدہ ہوا تھا اس وعدے کی تکمیلیت کے لیے اس ناچیز کو چنا گیا۔ سو وہ جانتی تھیں کہ اس کی معمولی سی ذات پر رب کائنات نے گہرا فضل کیا ہے اور اس کے حال پر مہر ہوئی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پاک دامن تھیں۔

- مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کے گیتوں میں ایک اور مشترک نکتہ حضرت مسیح یسوع کی ذات کے معجزاتی اوصاف ہیں۔ مسیحی شعرا کی شاعری میں جابجا حضرت مسیح یسوع کے معجزاتی اوصاف کا ذکر ملتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ بائبل مقدس میں جابجا حضرت مسیح یسوع کے معجزات کا ذکر ملتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کے معجزات کا تذکرہ ہوا ہے جس کو مسلم شعر نے اپنی شاعری کی زینت بنایا ہے لیکن ہندو شعرا کے ہاں بھی ایسے کئی گیت ملتے ہیں جن میں حضرت یسوع مسیح کے معجزوں کا حوالہ منظر کرنے لگتا ہے۔

مسیحی شعرا کے ہاں اس حوالے سے ان گنت مثالیں ملتی ہیں۔ اس حوالے سے انجلؔو کے ہاں جابجا یسوع المسیح کی معجزاتی صفات کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے گیت ' عیسیٰ کا نام' سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

؎ مُردے جلا دیے لبِ جاں بخش سے تو پھر

مدحت طراز کیوں صفِ کروبیاں نہ ہو (۸)

یسوع مسیح کی ہستی ان امتیازی اوصاف سے بھرپور تھی کہ جب وہ بیماروں پر ہاتھ رکھتے تو بیمار اچھے ہو جاتے تھے۔ گونگے سننے لگتے۔ اندھے دیکھنے لگتے۔ یہاں تک کہ مُردے بھی جی اٹھے۔ مسیح کے یہ وصف کسی خاص خطے کے چند لوگوں پر عیاں نہ تھے بلکہ ساری دنیا اس حقیقت سے واقف ہے کہ بے شمار معجزاتی اوصاف رکھنے والی ایک ہی ذات ہے اور وہ یسوع مسیح کی ہے۔ اندھے آپ کے حکم سے دیکھنے لگتے' روگی شفا پا جاتے یہاں تک کہ مردوں کو بھی زندگی عطا کرتے۔ انہی سب اوصاف کا تذکرہ انجلؔو اپنے گیتوں میں کرتے نظر آتے ہیں کہ آپ نے مردہ جسموں کو بھی زندگی عطا کی ہے۔ یہ انسانی سوچ سے بالاتر ہے کسی شخص کی وفات ہو جائے اور تدفین قریب ہو اور وہ ایک حکم سے جی اٹھے۔ یا پھر تین روز کا مردہ ایک حکم سے قبر سے باہر نکل آئے مگر یہ سب کہانی یا قصہ نہیں بلکہ یہ سچے واقعات حضرت مسیح یسوع کی زندگی کے ہیں۔ ان کے کہہ دینے میں ایسی قوت ہے کہ مردے جیتی جان ہوتے۔ اس حوالے سے برٹی ٹرنی کاملؔ کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ ان کے گیتوں میں بھی ایسی مثالیں عام ملتی ہیں جن میں مسیح یسوع کی ذات اقدس کے معجزاتی اوصاف کا تذکرہ ملتا ہے۔

مسلم شعرا میں بھی اس مضمون کو بڑی روانی سے باندھا گیا ہے اس حوالے سے زہیؔر پرویز اور سرؔفراز علی کے نام زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ زہیؔر نے بڑی خوبصورتی سے اس مضمون کو لفظوں کے سانچے میں ڈھالا ہے وہ

بڑی دلکشی سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی معجزاتی صفات کا بیان کرتے ہیں۔اسی حوالے سے ان کا گیت 'وہی ہیں اس کے پیاروں میں ' قابل ستائش ہے۔اس گیت سے یہ مصرع دیکھیے:

؎جس نے شفادی بیماروں کو جس نے جلایا مردوں کو[۹]

زہیرؔ کی یہ شعری مثال حضرت عیسیٰؑ کے معجزاتی صفات کی زبردست گواہی ہے اتناہی نہیں یہ ان اسلامی عقیدے پر کامل یقین کی مہر بھی ہے۔زہیر اس عقیدہ کا اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کئی معجزاتی صفات کے مالک ہیں۔ یہی اعتراف ان کے گیتوں میں کمال انداز میں ڈھلتا نظر آتا ہے۔مذکورہ بالا شعری مثال میں بھی زہیرؔ عیسیٰؑ کی معجزاتی صفات کا بیان کرتے ہیں۔

ہندو شعرا کا تذکرہ کریں تو ٹھاکر بجرنگ سنگھ فقیرؔ کا نام قابل غور ہے۔وہ بھی اقرار کرتے نظر آتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ذات بے شمار معجزاتی صفات کی مالک ہے۔وہ اعتراف کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ تمام انبیا سے مختلف ہیں۔ان کی ذات امتیازی خصوصیات کی حامل ہے اسی حوالے سے ان کے گیت 'ذات مسیح' سے یہ مثال دیکھیں:

؎ہر ایک مریض ہو گیا اچھا لعاب سے

آب حیات یہ بھی تو جام مسیح ہے[۱۰]

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں کئی مثالیں ملتی ہیں کہ جب بیمار ان کے پاس آتے تو وہ اچھے ہو جاتے۔ جب لوگ ان کے پاس کسی قسم کے بھی روگی کو لے کر آتے وہ تو وہ اچھے ہو جاتے تھے۔جنم کے اندھے' لنگڑے' گونگے یا بہرے کسی بھی قسم کے روگی کو لوگ لاتے تو خالی جھولی بھر کے جاتے۔آپ ان کا ہر دکھ پریشانی دور کرتے اور صحت یابی عطا کرتے۔ایسا محض آپؑ کے دم سے ممکن ہوتا جس کا ذکر بجرنگ فقیرؔ کے ہاں بڑے والہانہ انداز میں ملتا ہے۔

- قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کا حوالہ ایک نبی کی حیثیت سے ملتا ہے اور یہ نکتہ ہندؤ شعرا کے ہاں بھی ملتا ہے ہندو شعرا کے ہاں ایسی مثالیں ملتی ہیں جس میں حضرت عیسیٰ کو نبی تسلیم کیا گیا ہے۔

مسلم شعرا کے حوالے سے بات کی جائے تو راشد نقوی کے گیتوں میں اس مضمون کا مکمل بیان ملتا ہے ان کے ہاں بھی ہمیں عیسیٰؑ کے نبی ہونے اور نزول انجیل کی شہادت ملتی ہے۔ ان کا گیت 'اعتراف' حضرت عیسیٰؑ کا خود کو نبی بتانے والے واقعے کا دلکش فن پارہ ہے۔ انہوں نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کمال جزئیات نگاری کا سہارہ لیا ہے ان کے اسی گیت سے یہ شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

؎ نبی پیدا ہوئے دنیا میں مسیح اکرم

والدہ جن کی تھیں صدیقہ بنامِ مریم

؎ جو 'وَ مَا اُنزِلَ مِن قَبلِکَ' ہے قرآن میں

پس یہ انجیلِ مقدس بھی ہے اس ایمان میں (۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جھولے میں سے ہمکلام ہو کر نہ صرف اپنی ماں کی پاک دامنی کی شہادت دی بلکہ لوگوں پر واضح کیا کہ اللہ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے اور ان پر کتاب کا نزول بھی ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے پیغمبر ہیں اور ان پر انجیل نازل ہوئی ہے۔ اسی حوالے سے کئی ہندو شعرا نے گیتوں میں اس مضمون کو باندھا ہے۔ اس حوالے سے قمر للتا دیوی شکلا کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کے گیتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دلی عقیدت رہی ہے۔ ان کے گیتوں میں نزول انجیل کا مضمون بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس حوالے سے ان کے گیت 'حضرت مسیح' زیادہ اہم ہے اس گیت سے نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

؎ ان کے لیے اتارا گیا آسمان سے

انجیل جو خدا کا مقدس کلام ہے (۱۲)

اس شعر پتہ چلتا ہے کہ للتا اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے ایک نبی ہیں اور ان پر نزول انجیل بھی ہوا ہے۔ یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ جب حضرت مریم علیہ السلام کو شادی سے پہلے ہی ایک بچے کے ساتھ دیکھا گیا تو وہ حضرت مریمؑ کو لعن طعن کرنے لگے ایسے میں حضرت مریمؑ خاموش رہیں' بچے کی طرف اشارہ

کیا کہ یہ بچہ خود بتادے گا اور حضرت عیسیٰ نے نو مولود گی میں لوگوں کہنے لگے کہ وہ اللہ کا رسول ہیں اور ان پر کتاب نازل کی گئی ہے۔

- مسیحی و غیر مسیحی شعرا کے ہاں ایک اور مشترک نکتہ آمدِ ثانی ہے۔ یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت یسوع مسیح آسمان پر زندہ موجود ہیں اور جلد ہی واپس آئیں گے یہی عقیدہ اسلام میں بھی ہے کہ حضرت یسوع مسیح زندہ آسمان پر موجود ہیں اور وہ جلد واپس آئیں گے۔ جہاں مسیحی شعرا کے گیتوں سے آمدِ ثانی کے حوالے سے موضوع ملتا ہے اسی طرح مسلم شعرا کے ہاں بھی یہ موضوع بڑے والہانہ انداز میں ملتا ہے اور ہندو شعرا میں بھی ایسی مثال ملی ہے جس میں وہ صعودِ عیسیٰ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

مسیحی شعرا کے ہاں ہمیں یہ مضمون بڑے والہانہ انداز میں ملتا ہے وہ اس عقیدے پر کامل یقین رکھتے ہیں اور اسے اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں اِسی حوالے سے بیتاب سنسار پوری کے گیت "آمدِ ثانی" کو بطور مثال زیرِ بحث لاتے ہیں۔ بیتاب اپنے گیت 'آمدِ ثانی' میں بلا شک وشبہ حضرت المسیح کی دوسری آمد کا والہانہ انداز میں تذکرہ کرتے ہیں اس گیت سے ایک شعر بطور مثال دیکھئے۔

؎ وہ چڑھ کر بادلوں پر آرہے ہیں

میں اُن کی آمدِ ثانی کے صدقے (۱۳)

اِس شعر میں بیتاؔب نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ یسوع مسیح کی آمد ثانی بادلوں پر ہی ہو گی یہ مسیحی عقیدہ ہے کہ جس طرح یسوع مسیح کو آسمان پر جاتے ہوئے دیکھا گیا اور یہ بھی دیکھا گیا کہ انہیں بادلوں نے چھپالیا تھا بالکل ویسے ہی اُن کو جلد آتا دیکھا جائے گا سو بیتاؔب نے اس مسیحی عقیدے کو اپنے گیت میں بخوبی جگہ دی ہے کہ یہ آمدِ ثانی بادلوں پر ہو گی۔

غیر مسیحی شعرا میں مسلم شعرا کے ہاں بھی یہ عقیدہ ملتا ہے کہ حضرت المسیح دوبارہ اس جہان میں تشریف فرماہوں گے اس حوالے سے یوسؔف علی خاں کے گیت قابل غور ہیں۔ ان کے ہاں حضرت یسوع مسیح کی آمد ثانی کا زیادہ ذکر ملتا ہے۔ وہ کامل یقین رکھتے ہیں کہ آپؑ کو اللہ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا اور وہ وقت قریب ہے جب آپؑ کو واپس اس زمین پر اپنی بقیہ زندگی گزارنے کے لیے آنا ضرور ہے۔ اس حوالے سے ان کے گیت 'مسیح آسمان پیا' سے یہ شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

؎اتر آسماں سے اے مسیح آسماں پیا

بسر غم دیدہ حالی میں ترے بیمار کرتے ہیں (۱۴)

اس گیت میں یوسف بڑی عقیدت سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو 'آسمان پیا' کہہ کر پکارتے ہیں آمد ثانی کا مضمون اس گیت کے نام سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیح یسوع آسمان پر جا چکے ہیں اور ان کی ہستی زندہ و جاوید ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے اور بلاشبہ انسانی سمجھ سے بالاتر امر بھی ہے کہ کسی شخص کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا ہو۔ مگر یہی اسلامی عقیدہ بھی ہے اور یہی حقیقت بھی اور اسی کا تذکرہ ہمیں مسلم شعرا کے ہاں ملتا ہے۔

ہندو شعرا کے ہاں بھی یہ مضمون بڑی عقیدت لیے سمٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے ان کے گیت 'پیکر صدق وصفا' سے یہ شعر مثال کے طور ملاحظہ ہو:

؎آپ کو اللہ نے زندہ بلایا چرخ پر

مرتبہ اونچا ہے کتنا آپ کا عیسٰی مسیح (۱۵)

بہار ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ اٹھالیا گیا ان کو اللہ تعالیٰ نے صلیب پر چڑھنے نہ دیا تھا بلکہ ہنگامی صورت حال میں ان کے ہم شکل کو بھیجا اور ان کو آسمان پر زندہ اٹھالیا۔ اسلامی عقیدے کے مطابق یہی صعود عیسٰی ہے اور اسے ہی صعود مسیح کہا جاتا ہے ہندو شعرا عقیدت میں اس حوالے سے طبع آزمائی کرتے نظر آتے ہیں۔

- کرسمس کے تہوار کے حوالہ سے مسیحی اور غیر مسیحی شعرا دونوں کے ہاں بڑی کثرت سے نمونہ کلام ملتے ہیں۔ اور دونوں نے ہی بڑے جوش اور ولولہ کو اپنے گیتوں میں بھرا ہے۔ دونوں کے ہاں کرسمس کے گیتوں میں رنگا رنگی، عہد نو، اور خوبصورتی کے عناصر ملتے ہیں۔

اس حوالے سے کئی مسیحی شعرا کے ہاں یہ مضمون ملتا ہے مثال کے طور پر انجم کا گیت 'منجیِ ضَو صفات' قابل ذکر ہے جس میں انجم اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت مسیح نورانی صفات سے معمور ہو کر اس زمین پر آئے اور

پھر کائنات کا ہر ذرہ شاد ہوا۔ اس نورانی ذات کے زمیں پہ اترنے سے کفر کا خاتمہ ہوا۔ ان کے گیت 'منجیِ ضو صفات' سے اسی حوالے سے یہ اشعار دیکھیے۔

؎ اوجِ فلک سے آئے ہیں منجی ضو صفات
مسرور شاد کام نہ پھر کیوں ہو کائنات

؎ یزداں کے نورِ پاک سے ہے جلوہ گر حیات
کردارِ کفر آج ہو کیوں مظہر ممات[۱۶]

ان اشعار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انجمؔ اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح یسوع کی ذات کی کڑیاں اوجِ فلک سے جا ملتی ہے اور بلاشبہ اس ذات کا تعلق فلک کی رفعتوں سے ہے وہ بلندیوں کی بانہوں میں بسنے والی ذات ہے اسی کا ذکر انجمؔ بھی کرتے ہیں کہ ضو صفات ذات ہے جو منجی ہے۔ اسی طرح کئی مسیحی شعرا کے ہاں ہمیں یہ مضمون ملتا ہے۔

مسلم شعرا کے حوالے سے بات کی جائے تو ان کے ہاں بھی سب سے زیادہ نمایاں موضوع کرسمس کے تہوار کا موضوع ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر اسد انصاری کا گیت 'ولادت مسیح' قابل ستائش ہے۔ یہ گیت حضرت عیسی کی ولادت کا بیان ہے۔ اسی گیت میں یہ اشعار حوالے کے طور پر ملاحظہ ہو:

؎ یہ کس کی آمد آمد کی خوشی ہے
یہ ہر سو روشنی ہی روشنی ہے

منور ہو رہی ہیں کیوں فضائیں
یہ کس کے نور کی جلوہ گری ہے
وہی جو ہیں مسیح ابن مریم
انھی کی آج تشریف آوری ہے [۱۷]

ڈاکٹر اسد انصاری تذکرہ کر رہے ہیں کہ ایسی کونسی زبردست اور شاندار ہستی زمین پر اتر رہی ہے۔ یہ کس کی آمد آمد ہے کہ زمین و آسمان کی انتہا درجہ کی شادمانی کی انتہا نہیں ہے۔ کس کی آمد سے چار کہار اندھیروں کے بادل چھٹ گئے ہیں اور ہر سو روشنی پھیل گئی ہے اور فضائیں مست ہو کر مخمور ہو رہی ہے وہ کہتے ہیں کہ میری آنکھیں یہ دلکش منظر دیکھ کر حیران بھی ا ور مسرور بھی۔ ایسے ہی کئی مسلم شعرا کے ہاں ہمیں یہ مضمون ملتا ہے۔

افتراکات:

- مسیحی اور غیر مسیحی شعرا میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا غیر مشترک نکتہ حضرت مسیح یسوع کو پسرِ خداوندی قرار دینا ہے۔ مسیحی شعرا کے ہاں اس موضوع کے اعتبار سے کلام کی بھرمار ملتی ہے جبکہ غیر مسیحی شعرا میں مسلم شعرا کے ہاں ایسا کچھ کلام میسر نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نکتہ مسیحی عقیدے میں تو ملتا ہے جبکہ قرآن مجید میں اس کی کوئی تعلیم نہیں ملتی ہے اس لیے مسلم شعرا پسرِ خداوندی کے موضوع کو قلم بند کرتے ہوئے ہر گز نظر نہیں آتے ہیں جبکہ ہندو شعرا میں اِس عقیدے کے حوالے سے ایک دو مثال ملتی ہے۔ لیکن اس کا بھی کھل کر کوئی اظہار نہیں ہے یہ مثالیں معنی بعید میں اقرار کرتی نظر آتی ہیں۔

مسیحی شعرا کے گیتوں کے مطالعے کے حوالے سے سب سے عمدہ نام شاطر کا ہے۔ ان کے ہاں خوبصورت منظر کشی بھی ہے اور تخیل پروازی بھی۔ وہ اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح پسرِ خُداوندی ہیں یعنی آپ ربِ کائنات کے بیٹے کے طور پر اس دُنیا میں آئے۔ اس حوالے سے شاطر کے گیت 'فتح مسیحائی' سے یہ شعر دیکھئے۔

؎ جی اُٹھا ابنِ خدا مژدہ صبا لائی ہے
پھر سے ویرانہ عالم میں بہار آئی ہے [۱۸]

شاطر کا گیت "فتح مسیحائی" در حقیقت حضرت مسیح کے جی اُٹھنے قیامت المسیح کا بھرپور عکاس ہے کہ مذکورہ بالا شعر جو اس گیت میں حضرت مسیح یسوع کے لیے "ابن خُدا" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اور اس استعمال سے معلوم پڑتا ہے کہ شاطر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح رب ذوالجلال کے بیٹے ہیں۔ اسی حوالے سے طالب شاہ آبادی کے ہاں بھی پسرِ خداوندی' کا نکتہ زیادہ نمایاں ہے اس حوالے سے طالب کے گیت "ماورائے عدم" سے یہ شعر دیکھیے:

؎ ابنِ اللہ نے تربت کا فسوں توڑ دیا

وہ شناسا بھی ہے، رہبر بھی ہے، جانباز بھی ہے [۱۹]

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ طالب کا ایمان کامل ہے کہ حضرت مسیح 'ابنِ اللہ' یعنی اللہ کے بیٹے ہیں۔

- پاک دامنی مریم کا نکتہ مسیحی اور غیر مسیحی شعرا میں مشترک تو ہے مگر دونوں شعرا کے کلام میں یہ مختلف اور الگ انداز سے باندھا گیا ہے اس کی وجہ دونوں کے عقائد میں انفرادیت ہے۔ مسیحی عقیدے کے مطابق جب فرشتے نے حضرت مریم کو خدائے ذوالجلال کا پیغام دیا تو وہ یہ پیغام دینے کے بعد رخصت ہو گیا۔ فرشتہ جب یہ پیغام مریم کو دینے آیا ان دنوں میں مریم کے ماں باپ اُس کی منگنی یوسف نامی مرد سے کر چکے تھے جس کا آبائی علاقہ بیت الحم تھا جبکہ مریم کا تعلق ناصرت سے تھا۔ جب یوسف کو پتہ چلا کہ اس کی منگیتر حاملہ ہے تو وہ چپکے سے اُسے چھوڑ دینے کا سوچ ہی رہا تھا لیکن اُس نے خدا کے فرشتے سے خواب میں ہدایت پائی کہ اس کی منگیتر روح القدس کے وسیلہ سے حاملہ ہے اس سے وہ اُسے اپنے ہاں لانے سے نہ گھبرائے۔ سو یوسف نے اُس سے شادی کی اور جب تک اُس نے بچہ کو جنم نہ دیا اُس کو نہ جانا۔ مسیحی شعرا کی شاعری میں مریمؑ کی پاک دامنی کا ذکر اس حوالہ سے آتا ہے کہ مریمؑ کا تعلق نہایت پاک باز خاندان سے تھا۔ عہد عتیق میں مسیح یسوع سے متعلق پیش گوئیوں کو مد نظر رکھے ہوئے یہودی خاندان اپنی بڑی بیٹی کو مخصوص کرتے اور اس کا نام مریمؑ رکھتے مگر خدا کے لیے قریبا چودہ پشتوں تک کی نہایت پاک بازی بے حد لازمی تھی اس لیے یوسف کی منگیتر اس انتخاب کے لیے پوری طور پر خالص طور پر کھری اُتری تھی۔ مسیحی شعرا نے اسی خالص پن کی بنا پر مقدسہ مریم کو پاک دامن کہا ہے۔ دوسری طرف مسلم شعرا مریم کی پاک دامنی کا ذکر صرف ان کی اپنی ذات کے پاک دامن ہونے کے حوالے سے کرتے ہیں اُن کے گیتوں میں ان کی پاک دامنی محض اُس عرصے میں اُن کی بدنی پاک دامنی ہے اس کا تعلق ان کے خاندان اور خاندانی پاکبانی سے ہر گز نہیں ہے۔
- مسیحی اور غیر مسیحی شعرا میں اور ایک بڑا فرق تصلیب کا فرق ہے مسیحی شعرا کے ہاں گیتوں میں تصلیب کا موضوع ملتا ہے جبکہ مسلم شعرا کے ہاں اب کوئی مواد نہیں ملتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اگر ہندو شعرا کے کلام کو پرکھا جائے تو ہندو شعرا نے اس موضوع پر بہت کم کلام لکھا گیا۔ مگر پھر بھی ان کے ہاں بھی کسی حد تک تصلیب کا مضمون ملتا ہے۔

مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح یسوع کو صلیب دی گئی۔ وہ لہولہان ہوئے انہیں کوڑے لگائے گئے۔ کیلیں ٹھونکیں گئی۔ الغرض عاشقؔ مراد آبادی نے بڑی ہی خوبصورتی سے مسیح یسوع کی تصلیب کی منظر نگاری بیان کی ہے۔ اس حوالے سے ان کے گیت "عیسیٰ مصلوب" سے یہ شعر دیکھیے:

؎ تمانچے منھ پر مارے، تاج کانٹوں کا رکھا سر پر

کلیجہ منھ کو آتا ہے' اذیت یاد آتی ہے[۲۰]

یہاں عاشقؔ نے بڑی خوبصورتی سے حضرت عیسیٰ المسیح کی تصلیب کے جزئیات کا بیان کیا ہے۔ یسوع مسیح کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر انہیں طمانچے مارے گئے۔ انہیں کوڑے مارے گئے۔ لہولہان کیا گیا۔ داڑھی نوچی گئی۔ ان کے کپڑے پھاڑ دیے گئے الغرض تکلیف کی کوئی کمی نہ چھوڑی گئی۔ انہوں نے صلیب اٹھائے تن تنہا کوہ کلوری کا سفر طے کیا۔ ہاتھوں اور پیروں پر کیل ٹھونکے گئے۔ سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔ پسلی میں بھالا مارا گیا ان سبھی جزئیات کا ذکر مسیحی شعرا کے ہاں ملتا ہے۔

مسلم شعرا کے ہاں ایسا کوئی حوالہ نہیں ملتا ہے۔ ہندو شعرا کے ہاں یہ مضمون بے حد کم مقدار میں ملتا ہے۔ اس حوالے سے للتاؔ کا نام اہم ہے۔ ان کے گیتوں میں تصلیب کا ذکر عام ملتا ہے۔ اسی حوالہ سے ان کے گیت 'حضرتِ عیسیٰ' سے یہ شعر دیکھئے:

سولی پہ چڑھ گئے نہ پھرے حق کی راہ سے
عیسیٰ تمہارے صبر کا ایسا مقام ہے[۲۱]

اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ للتاؔ مسیح یسوع کی تصلیب پر ایمان رکھتی ہیں اور یہ عنصر اور بھی کئی ہندو شعرا کے ہاں عام ہے اس حوالے سے آنندؔ کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے گیت 'حق کا پیارا' سے یہ شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

حق کے جویا نہیں گھبراتے مصائب سے کبھی
دار پر چڑھ گیا وہ حق ہی کا پیارا ابن کے[۲۲]

ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنندؔ بھی مسیحی عقیدۂ تصلیب پہ کامل یقین رکھتے ہیں۔ دار پر چڑھ جانے سے آنند کا اقرار صاف جھلکتا ہے۔ یعنی آنندؔ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کو دار پر چڑھایا گیا انہوں نے صلیبی موت کو قبول کیا تا کہ آدم نجات پائے۔

- آمدِ ثانی کا مضمون کسی حد تک مشترک بھی ہے مگر محض آمد ثانی کے ذکر تک۔ شعرا جب منظر نگاری کا سہارا لیتے ہیں اور جزئیات نگاری سے کام لیتے ہیں تو صاف صاف ان کے عقائد کھلتے اور ظاہر ہوتے نظر آتے ہیں۔ مسیحی عقیدے کے مطابق مسیح یسوع کی موت اور تدفین کے بعد جب ان کی قبر کو مہر بند کیا تو تیسرے روز مسیح زندہ ہوئے اور زندہ ہونے کے بعد قبر پر آنے والی عورتوں پر ظاہر ہوئے اور اس کے بعد اپنے شاگردوں اور بہت سے لوگوں پر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہے۔ اس کے بعد آخری بار جب شاگردوں سے ہمکلام ہوتے ہی آسمان پر جاتے اور بدلیوں میں چھپتے نظر آئے اور یہ آواز سنائی دی کہ جس طرح ان کو جاتے دیکھا ویسے ہی

آتے دیکھا جائے گا۔ مسیحی شعرا نے اس واقعہ کو ایسے ہی مسیحی مذہبی عقیدے کے مطابق باندھا ہے۔ جبکہ مسلم شعرا کے ہاں یہ عقیدہ اس طرح سے ہے کہ عیسیٰؑ کو صلیب نہ دی گئی۔ اللہ نے ان کا ہمشکل بھیجا اور ان کو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا۔ وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ وہ آخرت کے قریب واپس تشریف لائیں گے اور اپنی بقیہ زندگی گزاریں گے۔ تو مسلم شعرا کے ہاں ہمیں آمد ثانی کا مضمون اس طرح سے مسلم عقیدے کے مطابق ملتا ہے جبکہ ہندو شعرا کے ہاں یہ دونوں واقعات ملتے ہیں یعنی دونوں عقائد کے تناظر میں ملتے ہیں۔

مسیحی شعرا میں جی ایم سنگھ گل کا نام قابل غور ہے۔ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح یسوع نے ایمانداروں کو جاگتے رہنے کی تلقین کی۔ کیونکہ وہ ایمانداروں کو لینے آنے کو ہیں۔ اسی حوالے سے 'آمدِ ثانی' سے متعلق گُل کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

؎فلک سے آئے گا اپنی دلہن کے واسطے دولہا

فضا میں ہو گا یہ ملنا کہا رو جاگتے رہنا (پ۔۱۱۸)

مسیحی عقیدے کے مطابق ' آمدِ ثانی' کے عقیدے کے ضمن میں حضرت المسیح یسوع کو دولہا جبکہ کلسیا کو اُن کی دولہن تصور کیا جاتا ہے۔ یہی تصور گُل اپنے اس گیت میں نبھا رہے ہیں۔ مسلم شعرا کے ہاں یہ عقیدہ اس طرح سے نہیں ہے۔

- تہواروں کے حوالے سے بات کی جائے تو مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کے ہاں کرسمس کے تہوار سے متعلق بھی کلام ملتا ہے مگر سبھی شعرا نے اپنے اپنے عقائد کے مطابق نمونہ کلام پیش کیا ہے۔ مسیحی عقیدے کے مطابق جب یسوع مسیح کی پیدائش ہوئی تو اس وقت حضرت مریمؑ اور حضرت یوسفؑ کی شادی ہو چکی تھی اور یہ پیدائش تب ہوئی جب مریمؑ اپنے شوہر کے ہمراہ مردم شماری کے لیے بیت اللحم میں تھی۔ مسیح کی پیدائش چرنی (گھوڑوں کے اصطبل) میں ہوئی تھی اور یوسفؑ اور مریمؑ دونوں جانتے تھے کہ یہ بچہ روح القدس کے فضل سے پیدا ہوا ہے اور سب کچھ خدا کی طرف سے تھا۔ یہ وہی بچہ ہے جس کا وہ شریعت کی کتاب میں پیشن گوئیوں میں پڑھ چکے تھے۔ مسیحی شعرا نے کرسمس کے تہوار کو کلام میں موضوع بناتے وقت چرنی، بیت الحم، فرشتے، گڈریوں اور مجوسیوں کا ذکر کیا ہے۔ جیسا مسیح یسوع کی پیدائش کا انجیل میں حوالہ ملتا ہے یعنی مسیحی شعرا نے بائبل کی تعلیمات اور مسیحی عقائد کے عین مطابق کرسمس کے تہوار کو قلم بند کیا ہے۔ غیر مسیحی شعرا

میں مسلم شعرا کے ہاں کرسمس کے تہوار کے ذکر میں مجوسی' فرشتے'گڈریے'بیت الحم وغیرہ کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔البتہ چاروں سمت برسات کا ذکر ملتا ہے'گلستان کے کھلنے کا تذکرہ ملتا ہے۔ مسیح کی بے پدر تخلیق کا ذکر ملتا ہے۔ایسا بھی ذکر ملتا ہے کہ مسیح کی پیدائش کے لیے حمل فرشتے کے پیغام کے ساتھ ہی ٹھہر گیا اس کے علاوہ ان کے ہاں اسلامی عقائد کے مطابق گیت ملتے ہیں ۔ان کے علاوہ ہندو شعرا میں سے کچھ نے کرسمس کے تہوار کو مسیحی عقیدہ جبکہ کچھ نے اسلامی عقیدے کے رنگ میں لکھا ہے۔ اس حوالے سے مسیحی شعرا میں ثاقبؔ نے بڑی خوبصورتی سے حضرت مسیح کی پیدائش کا منظر بیان کیا ہے۔ ثاقبؔ کے گیت سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

بیاباں ہو گیا روشن، پریشاں ہو گئے چوپاں
خبر لے کر خوشی کی جب فرشتہ ناگہاں آیا
جہانِ دل تھا اب تک جس کے جلووں کا تمنائی
مجسم ہو کے وہ ہم خاکیوں کے درمیاں آیا(۲۳)

وہ بیاباں کے روشن ہونے اور چوپاں کے گھبرانے کا ذکر کر کے منظر کشی کرتے نظر آتے ہیں یسوع مسیح کی پیدائش کے وقت رات کے پہر میں چرواہے اپنے گلّہ کی نگہبانی کر رہے تھے تو فرشتہ ان چرواہوں کے پاس آن کھڑا ہوا۔ گلّہ بان ڈرے کیونکہ انہوں بہت نور اور جلال کو دیکھا۔ فرشتہ مخاطب ہوا کہ ڈرو نہیں۔ مسیحی شعرا کے ہاں اسی طرح کا کلام زیادہ ملتا ہے۔ جبکہ مسلم شعرا کے ہاں اس واقعے کی منظر کشی اس انداز میں نہیں ملتی ہے۔

- نزولِ انجیل کے حوالے سے بھی مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کے ہاں تفریق ملتی ہے۔ مسیحی شعرا کے ہاں کہیں پر بھی حضرت عیسیٰ 'ایک رسول'پیغمبر کے طور پر نہیں ملتے ہیں اور نہ ہی کہیں ذکر ملتا ہے کہ ان پر کتاب نازل ہوئی ہے۔

مسیحی عقیدے کے مطابق وہ تو خدائے قدوس کا بیٹا ہے اور بیٹا عرش چھوڑ کر فرش پر یعنی اس دھرتی پر اتر آیا تاکہ بنی آدم کی نجات کے لیے کفارہ دے سکے۔ تو خدا کا بیٹا نبی 'پیغمبر 'رسول کے طور پر کیسے آسکتا ہے؟ اسی طرح نزول انجیل کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ اگر کوئی کتاب عطا کی گئی تھی تو وہ کتاب دھرتی میں کہاں ہے یہ ایک اور اہم سوال ہے؟ دوسری طرف حضرت مسیح یسوع کے آسمان پر چلے جانے کے بعد ان کے شاگردوں میں سے چار نے وہ تمام حالات و واقعات اور تجربات جو ان پر مسیح کے ساتھ وقت گزارتے وقت گزرے' بھی قلمبند

کیے۔ یہ سارا قلم بند مواد اناجیل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انجیل مقدس میں ان خطوط کو بھی شامل کیا گیا ہے جو ابتدائی رسولی کلیسا کی بنیاد اور اصلاح کے لیے مسیحی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے لکھے گئے تھے۔ انجیل کی آخری کتاب مکاشفہ کی کتاب کو بلاشک وشبہ نبوت کی کتاب کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب یسوع مسیح نے خود جی اٹھنے کے بعد اپنے شاگرد یوحنا سے بذات خود ہمکلام ہو کر لکھوائی تھی جس کا ثبوت آج بھی سپرس کی دیواروں پر ملتا ہے۔ انہوں نے بہت سا کلام سپرس کی دیواروں پر تحریر کیا تھا جو آج بھی وہاں موجود ہے۔ اس کے علاوہ مسیحی عقیدے میں کہیں بھی حضرت یسوع مسیح کے رسول پیغمبر ہونے یا نزول انجیل کا ذکر نہیں ملتا یہی وجہ ہے کہ مسیحی شعرا نے اس حوالے سے کوئی مضمون نہیں لکھا۔ غیر مسیحی شعرا میں مسلمان شاعروں نے مسیح یسوع کے نبی' رسول اور پیغمبر ہونے اور ان پر نزول انجیل کا تذکرہ کیا ہے۔ مسلمان شاعروں نے اس مضمون کو ہو بہو ویسا ہی باندھا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں تذکرہ ملتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق حضرت مریمؑ کو جب فرشتہ نے پیغام دیا تو وہ دور مقام پر چلی گئی اور بچے کی پیدائش کے بعد اپنے خاندان میں واپس لوٹیں اور بچے سے خود جواب پانے کے لیے اشارہ کیا۔ وہ بچہ جھولے میں سے ہم کلام ہوا کہ وہ نبی ہے اور خدا کا رسول ہے اور اس کو کتاب بھی دی گئی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی ماں کی پاک دامنی کا ثبوت دیا۔ مسلمان شعرا نے حضرت عیسیٰ کو رب کا نبی' پیغمبر اور رسول ہونے اور اس کے ساتھ ساتھ نزول انجیل کے مضمون کو ہو بہو ایسے ہی قلم بند کیا ہے جیسا ان کے عقیدے میں ہے۔ ہندو شعرا میں سے بعض نے اس مضمون کو مسیحی عقیدے اور بعض نے اس کو اسلامی عقیدے کے مطابق موضوع سخن بنایا ہے۔

- عید قیامت المسیح کے تہوار سے متعلق بھی فرق پایا جاتا ہے۔ مسیحی شعرا کے ہاں عید قیامت المسیح کے حوالے سے گیت بڑے ہی جوش اور ولولے سے بھرپور ملتے ہیں۔ ان گیتوں میں نئے جشن کا احساس ملتا ہے۔ جشن کے یہ گیت مسیح کے جی اٹھنے کے حقیقی معنوں میں ترجمان ہوتے ہیں۔ ان میں منظر نگاری کا بہت خوبصورت انداز ملتا ہے۔ یہ گیت نصرت اور مسرت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ غیر مسیحی شعرا کے ہاں اس حوالے سے کوئی مضمون نہیں ملتا ہے کیونکہ مسیح کی تصلیب اور عید قیامت المسیح کا اسلامی تعلیمات میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس لیے مسلمان شعرا کے ہاں یہ مضمون وجود نہیں رکھتا۔ البتہ ہندو شعرا کے ہاں عید قیامت المسیح کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان کے یہ مضمون مسیحی تعلیمات کے مطابق ملتا ہے۔

مسیحی شعرا کے ہاں عید قیامت المسیح کا ذکر عام ملتا ہے اس حوالے سے کے۔ آر۔ ضیاء کے گیتوں میں یہ مضمون زیادہ نمایاں ہے۔ مثال کے طور پر ان کے گیت 'عید قیامت المسیح' سے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ جس نے کانٹوں کا تاج پہنا

وہ جس نے کوڑوں کے زخم کھائے

وہ جس نے سولی پہ جان دے کر

تمام میرے گناہ اٹھائے

وہ جی اٹھا ہے۔ وہ جی اٹھا ہے[۴۴]

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ کے آر ضیاء نے کس خوبصورتی سے تخیل کو لفظوں کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ وہ حضرت مسیح یسوع کے جی اٹھنے کی گواہی دیتے ہیں۔ مردوں میں سے جی اٹھنا خالصتاً مسیحی عقیدہ ہے اور کئی شعرا اس کے ترجمان ہیں۔

حوالہ جات

ا۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ

پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۳۲

۲۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۴۷

۳۔ ریحانی لکھنوی ، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۱۴۵

۴۔ طالب شاہ آبادی، سمن زار، ہنری مارٹن انسٹیٹیوٹ حیدرآباد دکن، بھارت، جولائی ۱۹۸۰ء، ص ۳۹

۵۔ ریحانی لکھنوی ، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۱۲۲

۶۔ ریحانی لکھنوی ، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء،، ص ۱۷۱

۷۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳، ص ۴۸

۸۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۶۹

۹۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء،، ص ۱۰۲

۱۰۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء،، ص ۶۳

۱۱۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء،، ص ۱۰۷
۱۲۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۲۵
۱۳۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۶۳
۱۴۔ ریحانی لکھنوی ، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۱۴۵
۱۵۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۱۴
۱۶۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۳۸
۱۷۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۴۷
۱۸۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء،، ص ۹۳
۱۹۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء،، ص ۹۶
۲۰۔ حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱، ص ۱۰۸
۲۱۔ ریحانی لکھنوی ، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵، ص ۱۴۲
۲۲۔ ہینسن ریحانی لکھنوی ، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء، ص ۱۱۸
۲۳۔ ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۳
۲۴۔ کے آر ضیاء، جاگتے حروف لاہور، ۱۹۹۱، ص ۵۳

باب پنجم:

مجموعی جائزہ، نتائج، سفارشات

الف۔ مجموعی جائزہ:

گیت ہندی زبان سے اردو ادب میں آئے۔ گیت کی اصل سنسکرت زبان ہے۔ گیت سے مراد بھجن، نغمے یا نظم وغیرہ ہیں جن کو گا کر پیش کیا جائے۔ برصغیر میں گیت کا تعلق نسوانی وجود سے ہے اور اس میں عورت کے دلی جذبات اور احساسات کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ مذہبی گیتوں سے مراد ایسے گیت ہیں جن میں خدا، دیوتاؤں، بزرگوں، ولیوں اور نبیوں وغیرہ کی تعریف اور حمد و ثنا کی جاتی ہے اور ان کے اوصاف اور حالات و واقعات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ اس نتیجے کو اخذ کیا جاسکتا ہے کہ گیت حمد و ستائش کے نغمات ہیں۔ مسیحی گیتوں سے مراد ایسے گیت

ہیں جن میں خدا یا حضرت یسوع المسیح سے متعلق ذکر ملے۔ ان گیتوں میں خدا کی تعلیمات کو موضوع سخن بنایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت یسوع مسیح کی ذات سے جڑے واقعات اور حالات کو قلم بند کیا جاتا ہے۔

مسیحی گیتوں کی روایت کا سلسلہ قدیم گیتوں سے جڑتا ہے۔ قدیم گیتوں کا آغاز یونانی گیتوں سے شروع ہوتا ہے۔ قدیم یونانی در حقیقت دیوتاؤں کے پجاری تھے اس لیے اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے اور ان کی عبادت کے لیے وہ گیت گاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ قدیم یونانی ادوار میں جب کھیلوں کا انعقاد ہوتا تو لوگوں کو ابھارنے کے لیے بھی گیتوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اس عہد میں مذہبی گیتوں کے مقابلوں کا ذکر بھی سننے اور پڑھنے کو ملتا ہے۔ بنی اسرائیل میں عبرانی گیتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ فرعون کی قید سے بنی اسرائیل کو آزاد کروا کے لے جانے کو تھا اور فرعون اور اس کا لشکر ان کے پیچھے پیچھے تھا اس وقت عبرانی گیتوں کا ذکر تورات کی کتاب میں ملتا ہے۔

اس وقت جیت کے جشن کے نتیجے میں بھی عبرانی گیت کا ذکر ہوا ہے۔ تاریخ میں تھوڑا آگے بڑھا جایا جائے تو حضرت حضرت داؤدؑ کے دور میں بھی مذید گیتوں کا پتہ ملتا ہے۔ حضرت داؤد جب خیمہ اجتماع بنوا رہے تھے تو حکم جاری ہوا تھا کہ لاویوں کے سوا کوئی اور عہد کا صندوق نہ اٹھائے اور اس کے ساتھ ساتھ لاویوں کے خاندان میں سے ہی بعض کو موسیقی کے ساز بجانے اور بعض کو گیت گانے کے لیے منتخب کیا گیا۔ یہ گیت زبوروں کی منظوم شکل ہو اکرتی تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لاویوں کا خاندان کس درجہ معتبر تھا اور دوسرا یہ کہ موسیقی اور گیتوں کا مذہب میں کیسا شاندار مقام رہا ہے۔ حضرت داؤد کے عہد کا مطالعہ کیا جائے تو اس عہد سے ہی یہودی درگاہوں میں موسیقی اور مذہبی گیتوں کو اہم مقام حاصل ہوا ہے۔ مگر بابل کے دور میں ان گیتوں پہ مکمل طور پر خاموشی چھا گئی۔ مگر بابل کی قید سے واپسی پر مذہبی گیتوں کی تشکیل اور مشق دونوں کا سلسلہ پھر سے بحال ہوا۔ اور پھر حضرت یسوع مسیح کے زمانے تک جاری و ساری رہا۔

یسوع مسیح کے دور میں ان کی تصلیب کے بعد جب ان کی موت ہوئی اور وہ تیسرے روز مردوں میں سے جی اٹھے اور آسمان پر اٹھا لیے گئے تو اس کے بعد ان کے شاگردوں نے ابتدائی رسولی کلیسا کی بنیاد رکھی اور مسیحیوں کی اصلاح اور کلیسیا کے فروغ کے لیے بہت کام کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مسیحی گیتوں کو بھی فروغ دیا۔ اس عہد

کے سات گیت اس درجہ مقبول ہوئے کہ آج تک ان کے تخیل کو مسیحی گیتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ان گیتوں میں فرشتہ کا گیت بہت مشہور ہے۔ اس گیت میں فرشتہ کا وہ پیغام جو اس نے کنواری مریمؑ کو دیا' کو بڑی خوبصورتی سے باندھا ہے۔دوسرا اہم گیت خدائے قدوس باپ ، بیٹے اور روح القدس کی تقدیس کا گیت ہے۔ تیسرا گیت بھی قدوسیت کا موضوع اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔یہ گیت کروبی فرشتوں کے تقدیس کے الفاظ پر مبنی گیت ہے ۔اس عہد کا چوتھا اور اہم گیت ہالیلویاہ کا گیت ہے جس میں خدا اور اس کے برّے کی مدح کی گئی ہے۔اس عہد کا پانچواں خوبصورت گیت زبور ۱۴۸ کی منظوم شکل ہے۔چھٹا مشہور گیت ہیکل میں شمعون نامی شخص کے لبوں کے الفاظ ہیں جو یسوع مسیح کی آمد کا منتظر تھا۔اس دور کا ساتواں اور آخری اہم گیت مریمؑ کا گیت ہے۔یہ گیت مریم کے الفاظ کا تذکرہ اور خوشی کا عکاس ہے جب فرشتہ مریمؑ کو خوشی کی خبر سنا چکا تو فرشتہ کے پیغام سننے کے بعد مریمؑ خدا کی حمد میں چند الفاظ ہدیہ کے طور پر گزرانتی ہے اور خدا کی شکر گزاری کرتی ہے۔گیتوں کا یہ سلسلہ تیسری صدی تک ایسے ہی جاری رہا۔ تیسری صدی میں اسکندریہ کے کلیمینس بے حد مقبول گیت نگار کے طور پر سامنے آئے اس کے علاوہ اس عہد میں اوریجن کا نام بھی قابل ستائش ہے۔

اس کے بعد یونانیوں کے مسیحی گیتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔اس سلسلے میں یونانی گیت نگاری کا سہرا گریگوریئس نازیئنزئینس کے سر جاتا ہے۔جو ۳۲۵ء کے ایک بشپ ہیں۔ان کا شمار یونان کے عظیم بشپوں میں ہوتا ہے۔یونان کے گرجاگھروں میں گیت کی روایت انہی کے وسیلے سے ممکن ہوئی۔اور ان کے ہمراہ اور بھی کئی شعرا شامل ہوتے گئے۔اس کے بعد اناتولینز کا نام قابل ذکر ہے جو ساتویں صدی کے نہایت نامور گیت نگار ہیں۔ان کے بعد سینٹ اینڈریو، سینٹ کاساس، سینٹ جان، سینٹ سٹیفن اور ان کے علاوہ سینٹ جوزف کا نام قابلِ ذکر ہے۔ان سب کے بعد لاطینی مذہبی گیت نگاروں کے عروج کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔لاطینی گیت نگاروں میں اہم گیت نگار" ہیلری" ہیں۔ہیلری کے بعد ایمبروز، پروڈنٹیئس، کلنی کے برنارڈ، ہرمینیس کون ٹریکٹس، مینز کا بشپ، سیلانو کا تھامس، ستابیت میتر، جیکبس ڈی بینیڈکٹس اور فارتینیس کے نام بے حد مقبول رہے ہیں۔

لاطینی مذہبی گیتوں کا سلسلہ گیارہویں اور بارہویں صدی تک تو عروج پر رہا جبکہ تیرھویں اور چودھویں صدی میں یہ سلسلہ زوال کی طرف چلا گیا اور پندرھویں صدی میں لاطینی مذہبی گیتوں کا نام و نشان بالکل مٹ گیا

۔لاطینی گیتوں کے بعد جرمن کے مذہبی گیتوں کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔جرمن کے مذہبی گیت نگاروں میں سر فہرست نام 'ہینرک' کا ملتا ہے۔ ہینرک کے علاوہ اس عہد میں لوکاس 'بشپ کولن 'بوہیمین بشپ 'لوتھر مارٹن 'پال گیرہارٹ 'نکولس لڈوِگ، کاؤنٹ وان زنزینڈوف اور سپیٹا کے نام بے حد مقبول ہوئے۔ اس کے بعد زبوری گیت نگاری کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔زبوری گیت نگاری کا دور فرانس سے شروع ہوتا ہے۔ فرانسیسی گیت نگاری کا آغاز کلیمنٹ ماروٹ نے کیا۔ماروٹ کا اثر جلد ہی انگلستان پہنچا۔ انگلستانی گیت نگاروں میں مائلز کور۔ ڈیل، جارج بکانن، تھامس سٹیم ہولڈ اور جان ہاپکنز کے نام زیادہ اہم ہیں۔ان کے بعد اسکاچ زبوری گیتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ان گیت نگاروں میں کنگ جیمز اول، ولیم الیگزینڈر، ارل آف سٹرلنگ، چارلس اول کے نام بے حد مقبول ہوئے۔پھر امریکی زبوری گیتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

جدید گیت نگاری کا عہد انگریزی مذہبی گیتوں سے شروع ہوتا ہے اس عہد کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔پہلا دور نظریاتی اور تدریسی دور کے نام سے جانا جاتا ہے جو ۱۶۵۰ء تا ۱۷۸۰ء تک محیط ہے ۔اس عہد کو مذید ذیلی تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔پہلے دور اول کے نامور گیت نگاروں میں بشپ کین 'جوزف ایڈیسن اور آئزک واٹس کے نام مقبول ہیں۔پہلے دور دوم میں فلپ ڈوڈرج، چارلس ویزلے اور مس اینا سٹیل کے نام مشہور رہے۔پہلے دور سوم میں جان نیوٹن، ولیم کاؤپر، ایڈورڈ پیرونیٹ اور ان کے ساتھ ساتھ ریورنڈ آگسٹس مونٹیگ ٹوپلاڈی بے حد مشہور و مقبول گیت نگار کے طور پر منظر عام پر آئے۔اس کے بعد جدید گیت نگاری کا دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ دور مشنری اور انجیلی بشارت کا دور تھا اور یہ دور ۱۷۸۰ء تا ۱۸۵۰ء تک محیط رہا۔ اس دور کو مذید چار ذیلی ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دوسرے دور اول کے نامور گیت نگاروں میں بینجمن بیڈوم، جیمز مونٹگومری اور مس ہیریئٹ اوبر کے نام زیادہ اہم ہیں ۔ دوسرے دور دوم کے نامور گیت نگاروں میں ریجنلڈ ہیبر، تھامس ہاسٹنگ، براؤن اور براؤن گرانٹ کے نام زیادہ مقبول و معروف رہے۔ مس چارلوٹ ایلیٹ، جان کیبل اور ہنری فرانسس لائٹ کے نام دوسرے دوم سوم کے اہم گیت نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔دوسرے دور چہارم میں سارا فلاورایڈمز، ہورٹیئس بونر، ہینری الفورڈ کے نام قابل ستائش ہیں۔ تیسرے دور کو عقیدت اور تجربات کے دور کے

نام سے جانا جاتا ہے یہ دور ۱۸۵۰ء پر محیط ہے۔ اس دور میں فریڈرک ولیم فیبر' ایڈورڈ کیسوال، جان میسن نیل اور ان کے علاوہ سیسل فرانسس الیگزینڈر کا نام سنہرے حروف سے لکھا جاتا ہے۔

برصغیر میں مسیحیت کا آغاز یسوع مسیح کے توماؔ نامی ایک شاگرد کی اس علاقے میں تبلیغ سے ہوا۔ ٹیکسلا کے مقام پر اس کے آثار بھی ملتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے ایک اور شاگرد جس کا نام پطرس تھا' کا ایک مجسمہ چار سدہ کے مقام پر ملتا ہے۔ یہ مجسمہ پانچویں صدی کے دور کا ہے۔ اس کے ۱۲۹۱ء میں سب سے پہلے مشنری راہب کا اس علاقے میں سفر، قیام اور تبلیغ کے آثار ملتے ہیں۔ پھر راہبوں کی تبلیغ کا سلسلہ عام ہو گیا۔ شہنشائے اکبر میں بھی مسیحی ادباء کی خدمات کے حوالے مختلف تاریخی کتابوں میں قلم بند ہیں۔ دربارِ جہانگیر میں بھی ادباء کی خدمات جاری رہیں۔ انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج کے ادباء اور ان کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ الیگزنڈر ہیڈرلی آزؔاد، فراسوؔ اور جارج شوؔر میر ٹھی کا نام غیر ملکی شعرا کے طور پر نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ برصغیر میں مسیحی گیت نگاری کی شروعات مسیحی مبلغین نے کی۔ اس سلسلے میں بہت سے انگریزی گیتوں کے ترجمے کیے گئے اور نیا کام بھی منظر عام پر لایا گیا۔ اس سلسلے میں پادری ڈاکٹر امام الدین شہباز، پادری رحمت مسیح واعظؔ، پیارے لال شاکر، شاکؔر میر ٹھی، بنی پرشاد صدؔا لکھنوی اور ان کے ساتھ ساتھ ریورنڈ فادر لباریوس پیٹر سن آزؔاد کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ مذہبی گیت نگاری میں ان کی خدمات کو ہمیشہ ہی سراہا جائے گا۔

مسیحی گیت نگاروں نے جتنے بھی گیت لکھے ان کو مسیحی عقائد اور مسیحی تہوار کے تناظر میں دیکھا جائے تو ان شعرا نے مسیحی گیت نگاری میں بڑی خوبصورتی سے کام لیا ہے۔ عقائد کی روشنی میں غور کریں تو مسیحی شعرا کے ہاں بے پدر تخلیق، پسرِ خداوندی، معجزاتی صفات، تصلیب اور آمدِ ثانی جیسے مضامین کو موضوع سخن بنایا ہے۔ مسیحی عقائد میں "بے پدر تخلیق" کا عقیدہ اس بات پر ایمان ہے حضرت یسوع مسیح کی تخلیق رب کائنات کے حکم سے بغیر کسی بشر کے عمل دخل کے ہوئی۔ اس تخلیق کے لیے لاویوں کے خاندان سے مریمؑ کو کنواری حالت میں چنا گیا۔ اس مضمون کو ثمؔر دہلوی، میگؔ اجمیری، واقفؔ جالندھری، ہماؔیر ٹھی، یونسؔ جالندھری، ذاؔکر میر ٹھی اور حاکم سنگھ راہیؔ لدھیانوی نے بڑی خوبصورتی سے موضوع سخن بنایا ہے۔ مسیحی عقائد میں اگلا نکتہ "پسرِ خداوندی" ہے۔ اس عقیدے کے مطابق یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا تصور کیا جاتا ہے۔ اس عقیدے کو موضوع سخن بنانے والے چند اہم شعرا

میں جیکب ڈین شاؔد، شاطؔر الہ آبادی، طاؔلب شاہ آبادی، ناؔدر شاہ جہاں پوری اور نحیؔف دہلوی قابل تحسین گیت نگاروں میں خیال کیے جاتے ہیں۔ یسوع مسیح کی زندگی بے شمار معجزات سے بھری پڑی ہے اس حوالہ سے کئی شعرا نے ان کے معجزات کا تذکرہ کیا ہے ۔ ان میں جان انجؔلو اور برٹی ٹرنی کاؔمل کے نام کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ تصلیب کا عقیدہ مسیحی عقائد میں ایک اہم ترین عقیدہ ہے جو مسیحیوں کو دیگر اقوام سے منفرد کرتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق یسوع مسیح نے صلیب جیسی لعنتی موت کو گلے سے لگایا۔ وہ مر گیا۔ اس کی تدفین ہوئی۔ اس مضمون کو بھی کئی مسیحی شعرا نے اپنے قلم کی زینت بنایا ہے ان میں قابل ذکر گیت نگاروں میں عاشقؔ مراد آبادی' پی ۔ڈی۔ رفائل اور بدر بریلوی کو شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد 'آمدِ ثانی' کا عقیدہ بھی مسیحی عقائد میں ایک اہم اور منفرد عقیدہ تصور کیا جاتا ہے اس عقیدہ کے مطابق اس بات پر ایمان رکھا جاتا ہے کہ یسوع مسیح کی تصلیب اور پھر تدفین کے تیسرے روز اس کی قبر خالی ملی اور اور زندہ۔ پھر یسوع مسیح کئی لوگوں پر ظاہر ہوئے اور آخری بار اپنے شاگردوں اور چند لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے آسمان پر جاتے دکھائی دیے اور ان کے بدلیوں نے چھپالیا اور لکھا ہے کہ جیسے ان کو جاتے دیکھا گیا اسی طرح ان کو واپس آتے بھی دیکھا جائے گا۔ ان کی واپس یہی آمد ان کی دوسری آمد یا آمد ثانی کہلاتی ہے ۔ اس مضمون کو بھی کئی شعرا نے موضوع سخن بنایا۔ جن میں بیتاؔب سنسار پوری، شاکؔر میر ٹھی، جی ایم سنگھ گُلؔ اور موجِ زیبائی کے نام اہم ہیں۔ مسیحی تہواروں کے حوالے سے بات کی جائے تو کرسمس اور عید قیامت المسیح دو اہم اور بڑے تہوار ہیں۔ جو مسیحیوں میں نہایت جوش و خروش اور خوشی کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔ کرسمس کا تہوار حضرت یسوع مسیح کی پیدائش کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ کرسمس کے مضمون کو موضوع سخن بنانے والے شعرا میں ثاقبؔ فیروزپوری، انجمؔ لدھیانوی اور دوؔست جالندھری کے نام کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔ عید قیامت المسیح در اصل مسیح یسوع کے مردوں میں سے جی اٹھنے کے جشن کا تہوار ہے ۔ اس سلسلے میں نامور شعرا میں جوزف انوؔر اجمیر' رساؔ لکھنوی اور کے۔ آر۔ ضیاء کے نام شمار کیے جاتے ہیں۔

غیر مسیحی شعرا میں مسلم شعرا کے حوالے سے بات کی جائے جائے تو انہوں نے اسلامی عقائد اور قرآنی آیات کی روشنی میں کلام لکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلامی عقائد کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے مسیحی تہوار

کو قلم کی زینت بنایا۔ ان عقائد میں بے پدر تخلیق، پاک دامنیٔ مریم پیغمبر۔ نزول انجیل، معجزاتی صفات اور آمد ثانی کے مضامین کو موضوع سخن بنایا۔

اسلامی عقائد میں بے پدر تخلیق پر ایمان سے مراد حضرت عیسٰی کا بغیر باپ کے پیدا ہونے پر ایمان ہے۔ پاک دامنیٔ مریم سے مراد ہے کہ جب لوگوں نے مریمؑ کو لعن طعن کیا تو حضرت عیسٰی نے جھولے میں لوگوں سے ہمکلامی سے خود کو نبی بتا آپ کی پاک دامنی کی طرف اشارہ دیا۔ اس بات پر یقین کہ آپؑ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کو کتاب بھی عطا کی گئی عقیدہ اسلام ہے۔ آپ کو اللہ کی طرف سے معجزاتی صفات ودیعت ہوئیں یہ بھی اسلامی عقیدہ ہے اس کے علاوہ یہ بھی اسلامی عقیدہ ہے کہ آپ آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے اور آپ کی دوبارہ زمین پر آمد ہو گی اور اپنی بقیہ زندگی بسر کریں گے۔ تہواروں کے حوالے سے کرسمس کے تہوار سے متعلق مسلم شعرا کا کلام دستیاب ہو تا ہے مگر چونکہ تصلیب اسلامی عقیدہ نہیں نہ ہی قرآن میں حضرت عیسٰی کے مردوں میں سے جی اٹھنے کا کوئی حوالہ قرانی تعلیمات میں ملتا ہے اس لیے اس مضمون کو مسلم شعرا نے قلم بند نہیں کیا۔

ہندو شعرا نے دونوں مسیحی اور اسلامی دونوں عقائد کے تناظر میں گیت لکھے اور دونوں تہواروں کو منظر کیا۔ اگرچہ ہندو شعرا کا کلام مسیحی گیت نگاری کے حوالے سے بے حد کم دستیاب ہوا مگر جتنا کلام ملا اس میں دونوں عقائد سے قربت کا احساصاف جھلکتا ہے۔ مسیحی شعرا اور غیر مسیحی شعرا کے ہاں یسوع مسیح کی بے پدر تخلیق، پاک دامنی مریم، معجزاتی صفات اور آمد ثانی جیسے مضامین پر کسی حد تک اشتراکات ملتا ہے مگر مسیحی اور اسلامی عقائد کی تفصیل میں جایا جائے تو ان نکات میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی طرح تہواروں کو دیکھا جائے تو کرسمس کا تہوار بظاہر مشترک لگتا ہے مگر اس میں بھی حالات و واقعات کی تفصیل میں جایا جائے تو چونکہ دونوں مذاہب میں عقیدہ الگ ہیں سو اختلافی بیانات کے نتیجے میں الگ الگ منظر پیش کیے گئے ہیں اور مسلم شعرا کے ہاں عید قیامت المسیح کا تہوار سرے سے ہی نہیں ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر ہندو شعرا کا تذکرہ کیا جائے تو ان کی مسیحی اور غیر مسیحی دونوں عقائد کے تناظر میں اور دونوں تہواروں سے متعلق ایسا شعری کلام ملتا ہے جو قابل قدر بھی ہے اور انمول بھی۔

ب۔ تحقیقی نتائج:

- اردو شاعری کی روایت میں مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کے ہاں مذہبی گیت نگاری نکتہ کمال تک ملتی ہے۔ تخیل کی بلند پروازی اپنے عروج پر دستیاب نظر آتی ہے علاوہ ازیں جزئیات نگاری اور منظر نگاری میں بھی کسی طور پر کمی نظر نہیں آتی ہے۔
- مسیحی اور غیر مسیحی شعرا کے ہاں مضامین کو اپنے اپنے عقائد اور مذہبی تعلیمات کے عین مطابق موضوع سخن بنایا گیا جبکہ ہندو شعرا کے ہاں دونوں مذہب کے عقائد' مذہبی تعلیمات اور تہواروں سے گہری دلی عقیدت اور قلبی تعلقات کی فراوانی ملتی ہے۔
- کثیر المذاہب کے شعرا کا اس طرح سے مسیحی مذہبی گیت نگاری میں قلم آزمائی نہ صرف اخوت اور بھائی چارے کو فروغ ملتا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ خوشیوں اور غموں میں شراکت داری اور گہری ہو جاتی ہے۔
- مذہبی گیتوں سے بہت سے مذہبی تصورات کھل کر سامنے آتے ہیں اور بہت سے ایسے واقعات جن کا سرے سے وجود نہیں' کے غلط تصوارت بھی مٹ جاتے ہیں۔
- ان گیتوں میں کئی مضامین مشترک جبکہ کئی غیر مشترک ملتے ہیں۔ ان گیتوں کے مشترک اور غیر مشترک ہونے کے پس پردہ نکات در حقیقت عقائد کے تناظر میں کھل کر سامنے آتے ہیں۔
- ادب معاشرے کا عکس ہے اور ادیب معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔ ہر مذہب میں انسان کو امن و محبت اور آپسی ہم آہنگی کا درس دیا ہے۔ ادب اسی محبت اور امن کے فروغ میں کار فرماں ہو سکتا ہے۔

ج۔ سفارشات:

- اردو شاعری میں مسیحی تلمیحات، مسیحی علامات اور مسیحی تراکیب (جیسے ابنِ مریم، دمِ عیسیٰ، پہلا پتھر، سولی، دار، کانٹے اور صلیب وغیرہ) پر بھی بحث چھیڑی جا سکتی ہے۔
- برصغیر میں انجیل کے ترجمے کو حوالے سے بھی تحقیقی کام کیا جا سکتا ہے۔
- اردو شاعری میں بہت سے عظیم شعرا کا نام ملتے ہیں جن کے نمونہ کلام ریختہ پر بھی دستیاب ہیں۔ اور مختلف اخبارات و جرائد میں بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان شعرا پر بھی سیر حاصل بحث کی جا سکتی ہے۔

کتابیات

بنیادی ماخذات:

حباب آفرید، نغمات روح، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، دسمبر ۱۹۸۱ء

ڈی اے ہیریسن قربان، اردو ادب کے مسیحی شعرا، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۳ء

ریحانی لکھنوی ، سوغات روح، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، مئی ۱۹۷۵ء

طالب شاہ آبادی، سمن زار، ہنری مارٹن انسٹیٹیوٹ حیدرآباد دکن، بھارت، جولائی ۱۹۸۰ء

ہینسن ریحانی لکھنوی ، پیغامِ حیات، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد، اے، پی، انڈیا، جون ۱۹۷۳ء

ثانوی ماخذات:

اسلم برکت (پادری) سدا بہار پھول، تاریخ کلیسیائے پاکستان، سینٹ پیٹر پبلی کیشن سوسائیٹی کلارک آباد، ۱۹۹۳ء

انور سدید (ڈاکٹر) اردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، النور پرنٹرز لاہور، فروری ۱۹۹۱ء
انور سدید (ڈاکٹر)، انجمن پنجاب، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) ۱۹۹۶ء
پی۔ڈی۔رفائل، مومن کے گیت، کیپوچن گھرانہ پاکستان، ۱۹۹۰ء
جان جوزف (ڈاکٹر)، برصغیر میں مسیحیوں کی ادبی خدمات، کاتھولک ادارہ ادبیات پاکستان، ۱۹۷۶ء
جوزف اقبال بسمل، اردو ادب میں مسیحی ادیبوں کا کردار، کاتھولک ادارہ ادبیات پاکستان، ۱۹۸۷ء
عمانوایل نذیر مانی (فادر)، عالم اور درویش، مکتبہ عناویم پاکستان، ستمبر ۲۰۰۰ء
فرانسیس ندیم (فادر)، اردو زبان کی نشوونما میں مسیحیوں کا کردار، ادارہ ہم آہنگ پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۷ء
کے آر ضیاء، جاگتے حروف، علمی اشاعت خانہ لاہور، ۱۹۹۱ء
کنول فیروز، جمال فکر، مکتبہ شاداب لاہور، ۱۹۶۹ء
کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، پرانا اور نیا عہد نامہ
محمد احمد رضا خان بریلوی (امام اہل سنت)، ترجمۃ القران، اذان پبلیشرز
نفیس اقبال، پاکستان میں اردو گیت نگاری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء

رسائل:

جی ایم فیلکس قاصر امرتسری، گیت ارتقا اور دورِ جدید، گیتوں کا ارتقاء ، بشمولہ اچھا چرواہا، جلد نمبر ۱۸ شمارہ ۵، ستمبر ۱۹۹۵ء
جیمس شمعون (فادر) ، عبادت میں اجتماعی نغمہ سرائی ، بشمولہ اچھا چرواہا، جلد نمبر ۱۸ شمارہ ۵ ستمبر ۱۹۹۵ء
کنول فیروز (ڈاکٹر) اردو ادب میں مسیحیوں کا قیام۔ مشمولہ: کاریتاس، لاہور، جلد ۸، شمارہ ۸ اگست ۱۹۹۷ء

لغات:

الیف۔ایس۔ خیر اللہ، قاموس الکتاب لغات بائبل، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، ۲۰۱۱، ص ۸۴۹
جامع اللغات، جلد چہارم، مرتب خواجہ عبدالحمید، ۱۹۳۵ء، ص ۳۴۱
جدید نسیم اللغات، مرتبین، سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، سید قائم رضا نسیم امروہی، آغا محمد باقر نبیرہ آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز ایجوکیشن، ۱۹۸۱ء، ص ۶۷۷
رئیس اللغات بالتصویر، نسیم امروہی، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، ۱۹۶۳ء، ص ۷۶۱
سٹینڈرڈ اردو ڈکشنری، طبع دوم، آغا محمد باقر، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، ۱۹۵۱ء، ص ۶۵۵
فرہنگ کاروان، مرتبہ فضل الہیٰ عارف، لاہور مکتبہ کارواں، ۱۹۶۲ء، ص ۶۴۹
فرہنگ آصفیہ، جلد چہارم، مولوی سید ممتاز علی صاحب، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۶۹ء، ص ۱۴۹

فیروز اللغات اردو جامع نیا ایڈیشن، مرتبہ الحاج مولوی فیروزالدین، فیروز سنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۵۸۷
فیروز اللغات اردو جامع، مولوی فیروز الدین حصہ دوم، فیروز سنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۲۵
گلزار معنی، خواجہ دل محمد صاحب، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، ۱۹۵۹ء، ص ۵۹
نور اللغات، جلد چہارم، تالیف مولوی نور الحسن نیّر، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۳۵۵

ویب گاہیں:

The Book of Common Prayer, Cofe.anglican.org. Archived from the original on 2010-11-26 Retrieved 2012-03-11, 1662.
Divine Worship: The Missal, Commission Anglican Traditions, Congregation for the Doctrine of the Faith and Congregation for Divine Worship, 2015, p. 122.
The Book of Common Prayer (PDF). The Church of England.
1662. Retrieved 11 April 2022.
www.hymnary.com